عشق کسی کی ذات نہیں

امجد جاوید

میدانِ وفا دربار نہیں یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں

(زندہ نامہ)

فیض احمد فیض
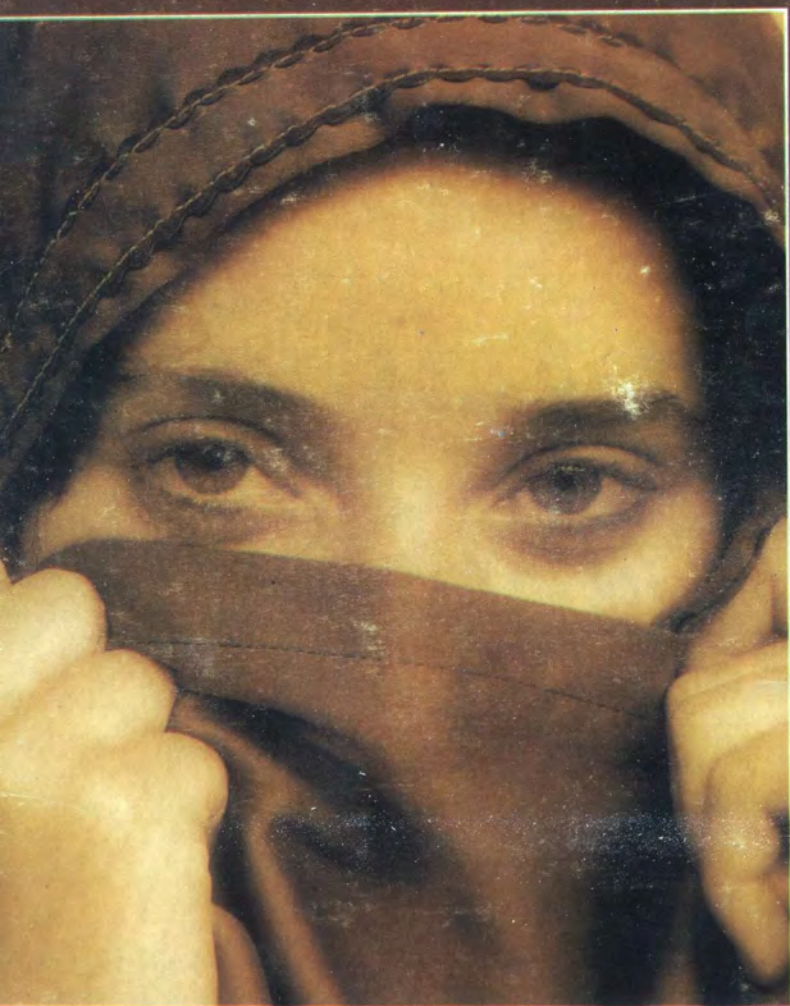
میرے خیال میں......!

زندگی کا فلسفہ اُس وقت سمجھ میں نہیں آتا، جب اُس کے بیان میں کہیں الجھن ہو یا پھر اُس سے مخصوص مقاصد کا حصول، ممکن بنانا ہو۔ زندگی کا فطری پیغام وہی ہوتا ہے جو فطرت ہی سے ہم آہنگ ہو۔ ورنہ نسبت تناسب کا فرق، جو نتیجہ سامنے لاتا ہے، اُس میں بڑی غلطیاں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ وہ کسی نئی تعمیر کا باعث نہیں بلکہ اُس میں بہت حد تک تخریب پنہاں ہوتی ہے۔ فطرت کے ساتھ مطابقت ہی میں زندگی کی نمو ہے۔ اسی بنیادی خیال کو لے کر جناب امجد جاوید نے ایک ایسا ناول لکھا جس کی ضرورت فی زمانہ محسوس کی جا رہی تھی۔

جناب امجد جاوید کا اسلوب محض دبنگ ہی نہیں بلکہ منطقی حسن بھی رکھتا ہے۔ ان کے پاس جذباتیت ہی نہیں دلائل کے ساتھ نکتہ رسائی بھی ہے۔ تصوف کے دقیق مسائل، عشق کی الجھنیں اور روحانیت کے مقامات کو اس قدر خوبصورت اور سادہ انداز میں بیان کرتے ہیں کہ وہ ماورائی نہیں بلکہ جیتے جاگتے کرداروں کے ساتھ عام فہم ہو جاتے ہیں۔

جناب امجد جاوید نے ”عشق کسی کی ذات نہیں“ کو خوب نبھایا۔ انہوں نے اس ناول کا جو ماحول لیا ہے۔ وہ ہماری جیتی جاگتی اور جدید دنیا سے متعلق ہے۔ کردار وہ چنے ہیں جن سے نہ صرف ہم آشنا ہیں بلکہ روزانہ انہیں اپنے اردگرد دیکھتے ہیں۔ مسائل حاضرہ کو چھوتا ہوا یہ اچھوتا موضوع اس قدر خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے کہ اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناول کی کہانی بارے پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ فطری ہے اور انسانی جذبوں کے خمیر سے اٹھائی گئی ہے۔

اس ناول بارے صائب رائے تو قارئین ہی دیں گے۔ تاہم میں اس ناول کو پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں۔اور یہ امید کرتا ہوں کہ جس طرح جناب امجد جاوید کو پہلے عوامی پذیرائی ملی۔ اب وہ اس سے بھی بڑھ کر پذیرائی کا حق رکھتے ہیں۔ اجازت چاہوں گا۔

گل فراز احمد

پیش لفظ

جو کچھ بھی دکھائی دیتا ہے۔وہ آنکھ ہی دیکھتی ہے ۔ آنکھ ہی گواہی دیتی ہے کہ سامنے موجود صورت کیسی ہے۔اب یہ کام عقل وشعور کا ہے کہ وہ آنکھ کی شہادت کو کس مقام و مرتبے پر رکھتے ہوئے کیا فیصلہ دیتا ہے۔ کیوں کہ اسی بنیاد پر عمل کا اظہار ہوتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ خود عقل وشعور اپنی قوت ادراک کی کس سطح پر ہے؟ کیا معیار ہے اس کے پاس؟ چند سنی سنائی روایات یا کوئی آفاقی نظریہ؟اس فیصلے کا اظہار کردار سے ہوتا ہے کہ فی نفسہٖ وجود میں کیا ہے۔ اس کی اپنی ذات کیا ہے؟ کردار کس طرح کی سوچ وفکر کی شہادت دے رہا ہے۔

ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اشیاء جو دکھائی نہیں دیتیں مگر وہ مادی وجود کو زندگی بخش رہی ہیں،انہیں کیسے دیکھا جا سکتا ہے؟ وہاں آنکھ کی نا معتبر گواہی پر عقل وشعور کیا فیصلہ صادر کر سکے گا۔اس کے لئے اس وجود کو سمجھنا ہوگا۔جس میں وہ آنکھ موجود ہے۔جس طرح انسان مادیت اور روحانیت کا عظیم شہکار ہے، اسی طرح دیکھنا بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔غیر مادی اشیاء کے لئے نگاہ بھی غیر مادی درکار ہوتی ہے۔یہیں سے حد اور لامحدودیت کا تصور جنم لیتا ہے۔ سطحی اور آفاقی ہونے کا احساس بیدار ہوتا ہے۔وہ خاص چشم، جس سے دیکھنا ممکن ہو سکے، وہیں سے عقل وشعور کے لئے ایک معیار کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔جس کے باعث آفاقی فیصلے صادر ہو سکیں اور کردار کی گواہی معتبر ٹھہرے۔

خاص چشم وخاص معیار تک رسائی فقط ایک ہی قوت کی مرہونِ منت ہے۔اور وہ ہے عشق۔ کیونکہ یہ عشق ہی ہے جو آنکھ کی حدِ صلاحیت کی بے بسی کو، خوابیدہ صلاحیتوں کو اور ذہنی کاوشوں کو لامحدودیت کی ''نگاہ'' عطا کرتا ہے۔ تاکہ انسان سطحی نظر سے گریز کرے اور

عقل وشعور کے ان اعلیٰ درجات تک رسائی حاصل کرے، جس کے لئے اسے تخلیق کیا گیا ہے۔کیونکہ یہ کردار ہی ہے جس سے یہ شہادت ملتی ہے کہ وہ لکیر کے کس طرف کھڑا ہے۔

اس دہرِ کشمکش میں، حق و باطل کے درمیان اپنے کردار سے وہی لکیر کھینچ سکتا ہے۔جس کے پاس آفاقی سچائی ہوگی۔اور یہ رسائی قوتِ عشق کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے یہی عشق اگر آفاقی حقیقتوں سے روشناسی کے لئے نگاہ عطا کرتا ہے تو یہی عشق اسے میدان عمل میں اس قدر آگے لے جاتا ہے کہ اسی کردار کی شہادت دے دیتا ہے، جس کی تخلیق منتہائے فطرت ہے۔

ان ساری باتوں کے تناظر میں جو سب سے پہلی بات ہے، وہ یہ ہے کہ یہ ساری رنگین وسنگین وارداتیں کہاں ہوتی ہیں؟ میدانِ عمل کونسا ہے؟ کردار کس سے ظہور پاتا ہے اور وہ ہے۔! ذات ...... جب عشق آتا ہے، تب من وتُو کے سارے معاملے ختم ہو جاتے ہیں۔تبھی حاصلِ عشق سامنے آتا ہے۔

اس ناول میں جتنی بھی اچھی باتیں ہیں وہ سرکارمدینہ ، خاتم النبیینؐ کی رحمتوں کا صدقہ ہے اور اگر کوئی نکتہ وجہِ اختلاف ہے تو وہ سراسر میری کوتاہی ہے، جس پر میں راہنمائی کا طلب گار ہوں۔

میرے مربی ومحسن جناب گل فراز احمد کے اصرار ہی نے مجھے اس موضوع پر اپنا اظہار کرنے کی تحریک دی۔یہاں میں محترمہ ڈاکٹر اُمِ عبداللہ، جناب حکیم محمد اقبال اور جناب عبدالصبور بابر کا مشکور ہوں کہ ان کی نکتہ رسائیاں بھی اس ناول میں موجود ہیں۔

میں اپنے رتجگوں کا ثمر کچھ اورنہیں، فقط اتنا چاہتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا فرمادیں۔

امجد جاوید

amjadhsp@yahoo/gmail.com

''شبانہ!یہ جو تم نے اپنی ریسرچ رپورٹ کے لئے موضوع چُنا ہے،کیا یہ تمہارے لئے ٹھیک ہے؟''

سعدیہ افضل نے بڑے غور سے شبانہ وقار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔وہ اپنے سوال کا ردعمل اُس کی آنکھوں میں ہی دیکھ سکتی تھی ۔کیونکہ شبانہ وقار کا چہرہ نقاب میں تھا۔دو برس کی رفاقت میں سعدیہ سمجھ گئی تھی کہ شبانہ کی یہ آنکھیں اتنا کچھ کہہ جاتی ہیں کہ لفظوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور بہت سارے مفہوم خود بخود سمجھ میں آجاتے ہیں۔سعدیہ کے لئے شبانہ کی آنکھیں بہت اہمیت اختیار کر گئی تھیں۔وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ یہ کاجل کی ہلکی سی ڈور والی سادہ سی آنکھیں، ان میں ایسی کیا کشش ہے؟جن میں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے۔نہ بھنویں بنی ہوئی جو کمان جیسی لگیں۔فطری بھنویں جن کے نیچے قدرتی چمک روشن چہرے کی نوید دیتی تھیں۔سیندوری رنگت میں، کاجل کی ہلکی ڈور والی سیاہ آنکھیں اتنی جاذبِ نظر بھی ہوسکتی ہیں؟ سعدیہ جس قدر سوچتی،اس قدر ان آنکھوں کے راز کھلتے چلے جاتے۔شبانہ کا پُورا بدن سیاہ حجاب میں چھپا ہوا تھا۔

آنکھوں کے علاوہ اس کے ہاتھ دکھائی دیتے تھے۔جن پر نہ حنا تھی اور نہ ہی ناخنوں پر محنت کی گئی تھی۔سادہ سے بھرے بھرے ہاتھ ،جن میں گلابی پن نمایاں تھا۔یوں دکھائی دیتے جیسے رس بھرے گداز ہاتھوں کو ذرا سی ٹھیس لگی تو ان میں دراڑیں پڑسکتی ہیں۔سعدیہ کو یوں لگتا کہ یہ کانچ کے جیسے ہاتھ کسی دوسرے بدن پر رکھ دیئے جائیں تو بلاشبہ ان میں سکون بخش دینے کی صلاحیت ہوگی۔مضمون بھانپ لیتے ہیں خط کا لفافہ دیکھ کر کے مصداق،یہ ہاتھ اور آنکھیں بتا رہی تھیں کہ شبانہ وقار کس قدر خوبصورت ہوسکتی ہے۔ان دو برس میں اتفاق نہیں ہوا تھا کہ دونوں کبھی تنہائی میں ملی ہوں۔اس لئے سعدیہ نہ اندازہ ہی لگا سکتی تھی اور نہ یقین سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی کہ وہ کس قدر حسین ہے۔

حسب معمول شبانہ کی آنکھیں دھیرے سے مسکرائیں تو کاجل کی ہلکی سی دھار واضح ہو گئی اور وہ سیاہ باتونی آنکھیں باتیں کرنے لگیں۔ جس پر سعدیہ گڑبڑا گئی اور تیزی سے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

''میرا مطلب ہے، شوبز سے متعلق موضوع چن کر تم نے غلطی تو نہیں کی؟''

''کیوں کیا ہوا ہے اس موضوع کو۔۔۔؟'' شبانہ نے کہا تو یوں لگا جیسے لہجہ بھی لفظوں کو ملائمت بخش سکتا ہے۔ اس پر سعدیہ نے اپنے سامنے پڑا ہوا کافی کا سفید گھمایا اور سوچنے والے انداز میں سر کو جھکا لیا۔ وہ شاید مناسب لفظ تلاش کرنے میں مشکل محسوس کر رہی تھی یا پھر اُس کا اپنا خیال ہی واضح نہیں تھا۔

وہ دونوں اپنے میڈیا ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ والی کنٹین میں تھیں۔ جہاں ان کے اپنے شعبہ کے علاوہ دیگر شعبہ جات کے طلبہ و طالبات بھی موجود تھے۔ سعدیہ اور شبانہ دونوں آمنے سامنے بیٹھیں، دو مختلف طبقہ ہائے فکر کی نمائندہ دکھائی دے رہی تھیں۔ جسے موافق کہنے کی بجائے مخالف ہی کہا جا سکتا تھا۔ سعدیہ افضل بوائے کٹ بالوں والی کانچ سی لڑکی تھی، جس کی سفید دودھیا گردن، سیاہ بالوں میں نمایاں ہو جاتی تھی۔ روشن پیشانی، بنی سنوری بھنوئیں، گہری بھوری آنکھوں کے درمیان کچھ ایسا تھا جہاں چمک تو تھی مگر کشش نہیں تھی۔ ننھے سے ناک میں ہیرے کی لونگ تھی۔ نچلے ہونٹ کا رسیلا پن لپ سٹک کی تہہ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ہلکے سبز رنگ کے کھلے گلے والی ہاف سلیو شرٹ، اونچے پائنچوں والی شلوار پہنے ہوئی تھی۔ اس کی انگلیوں کو بڑھے ہوئے ناخنوں نے مدد دی ہوئی تھی جن پر سرخ رنگ کی نیل پالش تھی۔ دائیں کلائی میں گہرے سبز رنگ کی ڈوری تھی جس میں سفید موتی تھے۔ اس ہاتھ سے وہ سفید مگ گھما رہی تھی۔ جسم کی خوبصورتی عیاں کرنے والا لباس پہننے والی سعدیہ کی دوستی سرتا پا حجاب میں ملبوس شبانہ سے تھی۔ وہ اکثر شبانہ سے اوٹ پٹانگ سوال کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی سعدیہ نے یہ سوال پوری سنجیدگی کے ساتھ حیرت ملی ہمدردی سے کیا تھا۔ جبکہ شبانہ سمجھ رہی تھی کہ اسے ہمدردی نہیں بلکہ کچھ دیر بعد مذاق اڑانے کے لئے تمہید باندھ رہی ہے۔

''مطلب! شوبز سے متعلق یہ ریسرچ رپورٹ تم مکمل کر پاؤ گی؟'' اس نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ تب شبانہ نے بڑے اعتماد سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے ریشم

لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں مکمل کر پاؤں گی۔ میں جب میڈیا کی تعلیم حاصل کرنے یہاں کیمپس تک آ سکتی ہوں تو یہ شوبز۔! میڈیا سے ہٹ کر تو نہیں ہے۔ اسی کا حصہ ہے۔ اور میرے خیال میں اسی شعبے پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔''

''بات یہ نہیں ہے یار۔!'' سعدیہ نے سپ لے کر کہا پھر چند لمحے توقف کے بعد بولی۔ ''اصل میں تمہاری شخصیت کے ساتھ یہ موضوع جچتا نہیں ہے۔'' اس نے یہ بات ہونٹوں میں مسکراتے ہوئے کہی تھی۔ اس پر شبانہ خاموش رہی کہ وہ اپنی بات پوری طرح مکمل کر لے۔ کوئی جواب نہ پا کر وہ بولی۔ ''کہاں تم، اتنی سخت پابندی کے ساتھ حجاب میں ملفوف رہنے والی لڑکی، کہاں شوبز کی بے باکیاں۔۔۔ ان کا کوئی کامبی نیشن نہیں بنتا یار۔۔۔ تم نے اگر الیکٹرک میڈیا ہی کے بارے میں ریسرچ کرنا تھی تو کسی ٹاک شو یا کسی مذہبی پروگرام کے حوالے سے کوئی ہلکا پھلکا جائزہ لے لیتیں۔ یہ کدھر پھنس رہی ہو تم....'' اس نے بڑی مشکل سے اپنی بات شبانہ کو سمجھانا چاہی۔

''جو بات تم مجھے سمجھانا چاہ رہی ہو نا، تم خود اس میں واضح نہیں ہو۔ تمہیں خود معلوم نہیں کی آخر کہنا کیا چاہ رہی ہو۔ اسی لئے سیانے کہتے ہیں کہ پہلے سوچو، پھر بولو۔'' شبانہ نے خوشگوار لہجے میں یوں کہا جیسے وہ اس کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے یونہی ہوا میں اُڑا دینا چاہتی ہو۔ اس پر سعدیہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

''تمہارا مطلب ہے، میں یونہی ہانک رہی ہوں، بے مقصد گفتگو کر رہی ہوں تمہارے خیال میں۔''

''ظاہر ہے جب تک آپ اپنا پیغام دوسروں پر واضح نہیں کر دیتے، تب تک ابلاغ نہیں ہوتا۔ اب تم اپنے بیان ہی میں منتشر ہو۔ تمہارا پیغام ہی ادھورا ہے تو سامنے والا بندہ کیا سمجھ سکتا ہے۔'' شبانہ نے بڑی خوبصورتی سے اس پر چوٹ کر دی۔ سعدیہ کو امید نہیں تھی کہ شبانہ ہی اس کا مذاق اڑانا شروع کر دے گی۔ اس لئے بڑی سنجیدگی سے بولی۔

''نہیں۔! میں بالکل سیریس ہوں اور تمہیں آئندہ آنے والی مشکلات سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے یوں کہا جیسے وہ کسی گھمبیر صورت حال کے بارے میں اسے بتانا چاہتی ہو۔

"مثال کے طور پر آئندہ آنے والی مشکلات کیا ہو سکتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے شبانہ یقیناً مسکرائی ہوگی کیونکہ نگاہوں نے سعدیہ پر اس کی مسکراہٹ واضح کر دی تھی۔

"سب سے پہلے تمہارے والدین ۔۔۔ جو کٹر قسم کے مذہبی لوگ ہیں.... وہ تو شوبز کا نام سنتے ہی تمہاری پڑھائی بند کر دیں گے۔ پھر تم ہو گی اور تمہارے گھر کی چار دیواری.... باہر کی تازہ ہوا میں سانس لینے کو بھی ترس جاؤ گی۔" سعدیہ نے خوف ناک انداز میں کہا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اس نے بڑے سکون سے سعدیہ کی بات رد کر دی۔

"یہ تم فقط میری بات کے رَد میں کہہ رہی ہو یا واقعی تمہارے والدین تمہیں منع نہیں کریں گے۔ کیا تمیں اپنے والدین پر اعتماد ہے کہ وہ تمہیں نہیں روکیں گے۔۔۔" اس کے لہجے میں دبی دبی حیرت تھی۔

"نہیں روکیں گے۔۔۔ تمہارے پاس کوئی دوسری مشکل ہو تو بتاؤ" وہ اعتماد سے بولی تو اس نے حیرت سے کہا۔

"ظاہر ہے اس کے لئے تمہیں شوبز کے لوگوں سے ملنا ہوگا۔ کسی نہ کسی سٹوڈیو میں بھی جانا پڑے گا۔ اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے والدین یا ان کے حلقہء اثر کے لوگ۔۔۔ مطلب جو تمہارا طبقہ ہے.... وہ ان شو بز والوں کو کیا سمجھتا ہے؟"

"سعدیہ ۔۔! میں نے کہا نا، یہ کوئی مشکل نہیں ہے میرے لئے، اس سارے پس منظر کو سمجھتے ہوئے میں نے یہ موضوع چنا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی

"کیوں شبانہ ۔۔! کیوں یہ تم نے خواہ مخواہ میں اتنا بڑا رسک لیا؟ ہمارا آخری سال ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ آخری ماہ ہے یہاں اس کیمپس میں، پھر فری ہو جانا ہے۔ صرف فائنل امتحان ہی بچتے ہیں نا۔ تم کیوں اپنی پڑھائی کے پیچھے پڑی ہو۔ میرا مطلب ہے کہ تم بڑے آرام سے ٹیبل سٹوری جیسی ریسرچ دے سکتی ہو۔ آخر کتنے مارکس ہیں اس کے؟" وہ یوں الجھتے ہوئے بولی جیسے وہ اپنی بحث بھول گئی ہو۔ شبانہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے خاموش رہی۔ بڑے تحمل سے بات سن کر بولی۔

"تم گواہ ہو سعدیہ ۔! کلاس میں پہلے دن سے لے کر آج تک، ہر کسی نے میرے ساتھ کچھ الگ سا سلوک کیا ہے۔ میرے ہی کلاس فیلوز، میرے ساتھ معمول سے

ہٹ کر ٹریٹ کرتے رہے۔ صرف اس لیئے کہ میں اس حجاب میں ہوتی ہوں۔ کچھ لوگ میرا مذاق اُڑاتے رہے۔ کچھ میرے ساتھ احترام سے پیش آتے ہیں۔ کئی لڑکے لڑکیاں اب تک میرا چہرہ دیکھنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔ میرے چہرے کے بابت افواہیں اب تک گردش کر رہی ہیں۔ تم بھی ان سے واقف ہو۔ میں لڑکوں ہی کے نہیں لڑکیوں کی تضحیک کا نشانہ بنتی رہی ہوں۔ صرف اس لئے کہ میں حجاب پہنتی ہوں۔ مجھے یوں تاثر دیا جاتا ہے کہ جیسے میں کوئی الگ سی مخلوق ہوں۔ جس کا دنیا کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" شبانہ کہتی چلی گئی تو سعدیہ نے تیزی سے کہا۔

"تم وہ بات کہو جو کہنا چاہتی ہو۔ اتنی لمبی تمہید کیوں؟"

"میں تمہیں یہ باور کرانا چاہتی ہوں کہ سب کا میرے ساتھ سلوک معمول سے ہٹ کر ہے۔ باوجود اس کے کہ زیادہ لوگوں نے اس حجاب کے باعث مجھے احترام دیا ہے۔ کہنا میں یہ چاہتی ہوں کہ دنیا کی پرواکئے بغیر زندگی گزارنے کا میرا اپنا طرزِ فکر ہے۔ جس کے تحت اگر میں حجاب لیتی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتی۔ میں ہر کام کر سکتی ہوں۔" اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر یہ شوبز۔۔۔؟" سعدیہ نے کہتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"یہ شوبز والے کوئی ماورائی مخلوق تو نہیں ہیں۔ ہم جیسے انسان ہیں۔ اصل بات یہ ہے سعدیہ، ہمارے سارے ٹیچرز سمیت یہ سب لوگ اس موضوع کو میرے لئے شجر ممنوعہ تصور کرتے ہیں۔ اس حوالے سے تضحیک آمیز ریمارکس پاس کیئے گئے۔ میں نے یہ موضوع چیلنج سمجھ کر لیا ہے۔ میں اسے مکمل کر کے دکھاؤں گی۔" وہ پُرعزم لہجے میں بولی۔

"میں تو تمہاری فیملی کے حوالے سے کہہ رہی تھی نا۔۔۔" وہ تیزی سے بولی۔

"سبھی یہی سمجھتے ہیں۔ جس وقت میں نے یہاں داخلہ لیا تھا۔ اس وقت بھی میری فیملی والے انجانے خوف اور منفی ردعمل کے باعث مجھے میڈیا کی تعلیم حاصل کرنے سے روک رہے تھے۔ میں نے انہیں میڈیا اور اپنے مقصد کے بارے میں بتایا۔ انہیں دلائل دیئے۔ میں اپنے ارادے میں پختہ تھی۔ وقت نے ثابت کیا کہ انجانے خوف اور منفی ردعمل کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ میں میڈیا کی تعلیم حاصل کر رہی ہوں۔" اس نے غیر جذباتی لہجے میں انتہائی تحمل سے کہا تو وہ انتہائی تجسس سے بولی۔

"مقصد۔! کیا مقصد ہے تمہارا اور وہ کیا دلائل تھے؟" سعدیہ کے پوچھنے پر شبانہ نے اس کی جانب غور سے دیکھا، پھر گہری سنجیدگی سے بولی۔

"میں بتاؤں گی تمہیں لیکن، ابھی وقت نہیں ہے، پھر کسی وقت۔۔"

"یہ کیا بات ہوئی ۔کیا اس کے لئے کسی خاص ماحول کا اہتمام کرنا ہوگا۔" سعدیہ نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"شاید ایسا ہی ہے، نہ یہ وقت ہے اور نہ ہی تم ان باتوں کو سمجھ پاؤ گی۔ یہ میرا وعدہ رہا سعدیہ۔ میں اپنا مقصد تمہیں ضرور بتاؤں گی۔اور پھر چاہوں گی کہ اگر وہ مقصد تمہارے ضمیر کے مطابق ہو تو پھر تم اسے قبول کر لینا۔ اگر تم یہ سمجھو کہ میں غلط ہوں تو بلاشبہ اسے رد کر دینا۔ یہ تمہیں اختیار ہوگا۔ میں تمہاری بات مان لوں گی۔" شبانہ نے صاف انداز میں کہا تو سعدیہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"ابھی تم کہہ رہی تھی کہ شوبز والے ماورائی لوگ نہیں ہیں۔ہم جیسے انسان ہیں۔مگر اِس وقت تم خود ماورائی لگ رہی ہو۔ کیونکہ پہلے تم نے اس طرح کی بات نہیں کی۔" یہ کہ کر اس نے سپ لینے کے لئے مگ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"پہلے کبھی ایسا موقعہ ہی نہیں آیا تھا۔" وہ بڑے سکون سے بولی۔

"اب جبکہ ایسا موقعہ آ ہی گیا ہے تو تم نے کون سا اپنے مقصد بارے تفصیل سے بتا دیا ہے۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔تب شبانہ نے اسی تحمل سے کہا۔

"بتاؤں گی اور ضرور بتاؤں گی ۔ یہ میں نے تمہیں ہی نہیں ،دوسرں کو بھی بتانا ہے۔" یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر توقف کے بعد بولی ۔"تم دیکھنا، میں یہ ریسرچ رپورٹ خود تیار کروں گی ۔ اور اس میں کسی کی بھی مدد نہیں لوں گی۔"

"آخر ایسی کیا بات ہے جو تم اس معاملے میں اتنی سیریس ہو رہی ہو۔" سعدیہ نے پھر سے تجسس میں پوچھا۔

"بتاؤں گی ....فی الحال تم کافی جلدی ختم کرو۔ کلاس کا وقت ہونے والا ہے۔" یہ کہتے ہوئے شبانہ نے پرس میں سے اپنا سیل فون نکالا اور اس پر وقت دیکھتے ہوئے بولی۔

"تقریبا سات منٹ رہتے ہیں۔"

"تم میری بات گول کر رہی ہونا؟" سعدیہ نے بھنویں سکیڑتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں ایک بار بتا تو دیا کہ میں اپنا آپ منوانا چاہتی ہوں۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے۔" وہ سکون سے بولی۔

"مقصد پھر سہی؟" سعدیہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر مگ میں سے سپ لے کر بولی ۔"لیکن اس وقت تم جلدی مت کرو۔ یقین جانو، میڈم کی یہ کلاس لیتے ہوئے میں بور ہو جاتی ہوں۔اس قدر تفصیل میں چلی جاتی ہیں کہ جیسے ہم نرسری کے بچے ہوں اور...." وہ بدمزہ ہوتے ہوئے بولی تو شبانہ نے ہولے سے کہا۔

"دنیا میں بہت سارے کام اپنے لیے نہیں، دوسرں کے لیے کیے جاتے ہیں۔ بلکہ کرنا پڑتے ہیں۔شکر کرو، ہمیں ایسی ٹیچر نصیب ہوئی ہے جو کم از کم دیانت داری سے پڑھاتی ہیں ۔ یہی سمجھ کر ان کی کلاس لے لیا کرو کہ تم ان کی دیانت داری کو سراہ رہی ہو۔"

"ایک ہم ہی رہ گئے ہیں دوسروں کو سراہے کے لئے۔ ہر کوئی اپنی زندگی کے لئے محنت اور مشقت کرتا ہے۔خیر۔! اُٹھو، ورنہ تمہارا کوئی نیا لیکچر سننا پڑے گا۔" سعدیہ نے مگ ایک جانب رکھا اور اپنا پرس اٹھاتے ہوئے اٹھ گئی۔

وہ کیا اٹھی اک حشر بپا ہو گیا۔اس کے بدن کا ہر پیچ و خم اپنے آپ ابھر کر سامنے آ گیا،کہاں پر کتنے نشیب و فراز ہیں۔یہاں تک بدن کو کسنے والی ڈوریاں بھی لباس میں سے ابھر آئی تھیں۔وہ دونوں کینٹین سے باہر نکلیں تو ہر جانب اچھی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔جاتی ہوئی سردی میں دھوپ خاصی تلخ لگ رہی تھی۔سعدیہ نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپتے ہوئے کہا۔

"ویسے تمہاری موج ہے۔تیز دھوپ میں تمہارا چہرہ تو بچا رہتا ہے۔تمہیں جلد کے حفاظت والی کریم وغیرہ نہیں لگانا پڑتی ہوگی۔"

"ہاں ۔!دھول مٹی اور بہت ساری میلی نگاہوں سے بھی بچ جاتی ہوں۔جس کا تمہیں احساس نہیں ہے۔" اس نے گہرے انداز میں کہا جسے وہ سمجھ تو گئی مگر نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"ویسے کتنی عجیب بات ہے۔لڑکی ہوتے ہوئے بھی میں نے تمہارا پورا چہرہ نہیں دکھا،بس ان بولتی آنکھوں ہی سے شناسائی ہے۔فری ہو جانے سے پہلے پہلے تمہارے گھر آؤں گی اور وہیں تمہارا چہرہ دیکھوں گی۔"

"شوق سے، چاہے ابھی چلو میرے ساتھ۔" شبانہ نے کہا تو وہ اس کی بات نظر انداز کر کے بولی۔

"یہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے تمہیں الجھن نہیں ہوتی، مجھے تو ہوتی ہے۔"

"سو دفعہ بتا چکی ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ میں سکون سے ڈرائیونگ کر لیتی ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تو سعدیہ کے دل میں خیال آیا کہ نجانے ہنستے ہوئے شبانہ کیسی لگتی ہو گی۔ وہ اس کی سوچ سے بے نیاز ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "بہت ساری باتوں کا تجربہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب بندہ اس مرحلے سے گزر جائے۔ اسے ہی تجربہ کہتے ہیں۔ سوتم۔۔۔"

"خدا کے لئے یار! تم تو بس کرو۔ ہم ایک نہایت بور قسم کا لیکچر سننے کے لئے قدم بڑھا رہے ہیں۔" سعدیہ نے اکتائے انداز میں کہا تو شبانہ خاموش ہو گئی۔

وہ دونوں قدم سے قدم ملاتی ہوئی کلاس روم میں پہنچ گئیں۔ سعدیہ اپنے بال سنوارتی کلاس روم میں داخل ہوئی تو کسی نے آوازہ کس دیا۔

"وہ آئیں کونٹراریز۔۔۔"

حسب معمول دونوں نے ہی اسے نظر انداز کیا اور خالی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد دکھائی دے رہی تھیں۔

❀......❀......❀
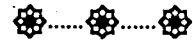
سہ پہر ہو جانے کے باوجود زرق شاہ ابھی تک بستر میں تھا۔ دوسری بار الارم بجا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر پھر سے بند کر دیا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے۔ تب اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے کروٹ بدلی۔ سکرین پر نمبر دیکھے پھر کال رسیو کرتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں اٹھ گیا ہوں"

"سر جی، جلدی کریں، ہمیں میٹنگ سے دیر ہو جائے گی۔" دوسری جانب سے اس کے سیکرٹری نے کہا تو اسی تلخ لہجے ہی میں بولا

"اوئے اچھا یار! تم انتظار کرو، میں آ رہا ہوں۔ اب فون نہیں کرنا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے فون بند کیا اور ایک جانب اُچھالتے ہوئے زور سے انگڑائی لی۔ اس نے محسوس کیا کہ منہ کا ذائقہ بہت تلخ سا ہے۔ بھاری ہوتا ہوا سر بتا رہا تھا کہ رات اس نے کچھ زیادہ ہی

contraries-----ضدین

پی لی تھی۔ اس نے زور سے آنکھیں بند کیں۔ پھر اٹھ کر باتھ روم کی جانب چلا گیا۔

آنکھوں میں نیند کا خمار لئے زرق شاہ تیار ہو کر ڈرائینگ روم میں آیا۔ وہاں سناٹا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی گھر سے نہ نکلے۔ مگر اسے ایک نجی چینل کے پروگرام میں شریک ہونا تھا۔ وہیں اس کی ملاقات معروف ہدایت کار باقر رضوی سے ہونے والی تھی۔ وہ ایک نئی ڈرامہ سیریل شروع کرنے والا تھا۔ شوبز میں اس کا بڑا نام تھا۔ زرق شاہ جیسے ابھرتے ہوئے اداکاروں کے لئے اس کی سیریل کرنا بہت اہمیت رکھتا تھا۔ دونوں کی فون پر ابتدائی بات ہو چکی تھی۔ بس ان کی ملاقات رہتی تھی جو طے ہو چکی تھی۔ باقر رضوی نے بھی اسی دن ملاقات کا وقت دے دیا تھا۔ ممکن تھا کہ وہ زرق شاہ کو اسی دن اسکرپٹ دے دیتا۔ اگرچہ زرق شاہ شوبز کے ساتھ ساتھ عوام میں بھی اپنی جگہ بنا چکا تھا۔ مگر جدوجہد کے اس دور میں وہ ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے پر مجبور تھا، جن کی شہرت تھی۔ شوبز کی دنیا میں باقر رضوی کا ان دنوں طوطی بولتا تھا۔ دیگر شعبوں کی طرح، شوبز کی دنیا میں بھی گروپ بازی، منافقت اور دوسروں کو لتاڑ کر آگے نکل جانے کی روش تھی۔ جس کے باعث زرق شاہ جیسے اداکاروں کو بھی اُن لوگوں کی ضرورت ہوتی تھی جو اپنے اپنے گروہ بنا کر ایک دوسرے کے حریف بنے ہوئے تھے۔ زرق شاہ کے لئے باقر رضوی سے ملاقات ایک اچھا موقعہ تھا سو مجبوری کی حالت میں، نہ چاہتے ہوئے بھی وہ باہر جانے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

"چھوٹے شاہ جی، آپ کچھ کھا پی لیتے؟" اس کی گھریلو ملازمہ نوراں نے اس کے پاس آ کر ہولے سے کہا۔

"میرا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔" اس نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا، پھر چند لمحے توقف کے بعد پوچھا۔ "یہ سب گھر والے کدھر ہیں؟"

"سبھی لان میں بیٹھے ہیں۔" نوراں آہستگی سے بولی۔

"آ۔ آچھا۔" اس نے ہنکارہ بھرنے والے انداز میں کہا۔

"اگر تھوڑا بہت کچھ کھانے کو من چاہ رہا ہو تو ادھر لان میں آ جائیں..." نوراں نے کہا تو زرق شاہ نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سگریٹ کیس میں سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔

"وہ باہر فدا ہو گا، اسے بھجوادو۔" یہ کہہ کر وہ صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ اس نے

سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا اور سوچنے لگا کہ وہ کس قدر اپنے آپ سمیت دوسروں سے بھی غافل ہو گیا ہے۔ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے اپنے کہاں ہیں۔دن رات کی شوٹنگ میں تھکے ہوئے اعصاب اور نیند سے بوجھل دماغ کے ساتھ اسے فقط بستر ہی کا خیال آتا تھا۔لیکن وہ چند پریاں جن کے ساتھ وہ وقت گزارا کرتا تھا، وہ بھی اس کی ضرورت تھیں۔انہیں بھی وقت دینا پڑتا تھا۔ یوں دن رات کا فرق ختم ہو کر رہ گیا تھا۔اس کی شہرت جس قدر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔وہ اس قدر ہی اپنے آپ سے جدا ہوتا جا رہا تھا۔ان لمحات میں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے والدین کے پاس جا بیٹھے۔ ان کے ساتھ باتیں کرتا ہوا وقت گزارے، مگر اس خواہش کی تکمیل میں اسے بلاشبہ دیر ہو جاتی۔ باقر رضوی کے ساتھ وہ ہر حال میں ملاقات چاہ رہا تھا۔ان بے بس لمحوں میں اس نے اپنے آپ کو سوچنا چاہا تھا مگر سیکرٹری فدا نے آ کے کہا۔

”جی سر۔!“

”فون کر لیا تم نے، رضوی صاحب سے ملاقات ہو گی؟“اس نے تصدیق چاہی تا کہ اگر اسے تھوڑا سا وقت مل جائے تو وہ اپنے گھر والوں کے پاس گزارے۔

”جی سر جی! وہ وہاں پہنچنے والے ہیں۔پروگرام سے پہلے ملاقات طے ہے،“فدا نے بتایا۔

”تو اس کا مطلب ہے ہمیں چلنا چاہیے۔“اس نے خود پر جبر کرتے ہوئے کہا۔

”جی بالکل، وہاں تک جاتے ہوئے ہمیں تھوڑا وقت بھی لگے گا۔“فدا نے کہا تو وہ ایک دم سے اٹھ گیا۔

ٹی وی اسٹوڈیو تک پہنچتے ہوئے زرق شاہ کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔انسان کچھ بھی کر لے من کے موسم کا اثر چہرے پر ضرور پڑتا ہے۔جونہی وہ گیٹ تک آئے زرق شاہ نے اپنا چہرہ یوں بنا لیا جیسے وہ بہت خوشگوار ہے۔اداکار چہرے کے تاثرات ہی سے متاثر کرتے ہیں۔وہ ایک اچھا اداکار تھا۔یہ اداکار جب کسی کردار کو پیش کر رہے ہوتے ہیں تو ان کی اپنی شخصیت منفی ہو جاتی ہے۔وہ کسی دوسرے کردار میں ڈھل جاتے ہیں۔گویا وہ بھی اپنا چہرہ تاثرات کے نقاب میں چھپاتے ہیں اور اسی نقاب کے مطابق اداکاری کرتے ہیں، جس کردار کا وہ نقاب اوڑھتے ہیں۔زرق شاہ استقبالیے ہی سے اپنا خوشگوار تاثر دیتا ہوا اندر کی

جانب بڑھا۔

پروڈیوسر کے کمرے میں محفل جمی ہوئی تھی۔پروڈیوسر کے علاوہ ہدایت کار رضوی، معروف اداکار ہما اور رائٹر رازی موجود تھے۔ان کے درمیان موضوع گفتگو نئی ڈرامہ سیریل ہی تھی۔

”لو جی !اب ہر شے فائنل کر لیں۔“پروڈیوسر نے کہا

”جی، اسکرپٹ تیار ہے، لوکیشن فائنل ہے، ایکٹر بھی پورے ہو گئے ہیں۔بس آپ شروع کرنے کی اجازت دیں۔“رضوی نے کہا تو پروڈیوسر تیزی سے بولا۔

”وہ تو ٹھیک ہے، آوٹ ڈور میں کتنا وقت لیں گے۔ وہ تاریخیں فائنل ہو چکی ہیں؟“

”وہ سمجھیں طے ہیں۔“ یہ کہہ کر رضوی نے زرق شاہ کی جانب دیکھا اور بولا”شاہ جی سے ہی تاریخیں لینا تھیں۔یہ میرے ساتھ آوٹ ڈور پر جائیں گے۔ ان سے۔۔۔“

”رضوی صاحب۔! آپ کے سامنے میری کیا مجال ہے۔ جیسے آپ حکم دیں، میں تیار ہوں۔“اس نے مسکراتے ہوئے عاجزی سے کہا تو پروڈیوسر خوش ہو گیا۔

”لو جی، اب آپ کل سے ہی شروع کر لیں۔“

”اس کے یوں کہنے پر وہ سبھی نئی سیریل کی شروعات بارے باتیں کرنے لگے۔ان لمحات میں زرق شاہ کو اندازہ ہو گیا کہ اب وہ ان کی ضرورت بنتا جا رہا ہے۔عوام میں پہچان بنی ہے تو انھوں نے بھی اپنے قریب کیا۔وہ سوچ چکا تھا کہ اس نے معاوضہ کیا لینا ہے۔اب زیادہ دنوں کی بات نہیں رہی تھی جب وہ نامور اداکاروں میں شمار ہو گا۔ وہ مسکرا دیا۔کچھ دیر پہلے مرجھا کر رکھ دینے والی مایوسی ختم ہو گئی تھی۔کامیابی چاہے جتنی بھی ہو، اس پر انسان کا خوش ہونا فطری امر ہے۔

❀......❀......❀
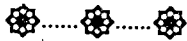
شبانہ وقار عشاء پڑھ چکی تو اس نے جائے نماز تہہ کر کے کرسی کی پشت پر دھر دی۔اس وقت وہ اپنے کمرے میں ہونے کے باعث حجاب میں نہیں تھی۔بڑی ساری آف وائٹ چادر کے ساتھ بدن اور سر ڈھکا ہوا تھا۔چادر کے ہالے میں سے اس کی گوری رنگت کا

گلابی پن ایسی تازگی کا احساس دے رہا تھا جیسے بارش کے بعد ہر شے نکھر جائے۔ اسرار میں راز ہونے کی مانند، اس کے حسن میں پاکیزگی کا تاثر روح کی مانند رچا بسا ہوا تھا۔ اس میں تقدس بھری کشش تھی۔ فطری کمان بھنویں اور بولتی آنکھیں پورے چہرے کا مان رکھے ہوئے تھیں۔ پتلے لبوں کے دائیں جانب اوپر کی طرف سیاہ تل تھا۔ بھرے بھرے گلابی گالوں کے درمیان تیکھا ناک ایسی مناسبت سے تھا جیسے اس کے حسن کو سہارا دیئے ہوئے ہو۔ کس کر باندھے ہوئے گیسوؤں سے اس کی پیشانی مزید کشادہ ہوگئی تھی۔ سب سے زیادہ کشش اس کی جلد میں تھی، جیسے کسی معصوم بچے کی ہوتی ہے۔ گردن سے پیشانی تک یہی عندیہ ملتا تھا۔
شبانہ نے ایک نگاہ آئینے پر ڈالی، اپنی چادر کو مزید درست کیا اور کمرے میں سے نکلتی چلی گئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں جانا چاہتی تھی۔ جہاں اس کے امی، ابو اور بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔
وہ تینوں کسی معاملے پر بات کر رہے تھے جب وہ اپنی امی کے پہلو میں صوفے پر جا بیٹھی۔
اس کے سنجیدہ چہرے پر دیکھتے ہوئے اس کے بھائی طارق نے پوچھا۔

''بہنا! آج خلاف معمول، کتابوں میں سر دینے کی بجائے، یہاں کیسے دکھائی دے رہی ہو؟''

طارق اس سے بڑا تھا اس لئے اس کے لہجے میں خوشگواریت کے ساتھ رکھ رکھاؤ بھی تھا۔ وہ خوبرو نوجوان تھا۔ اسے چھوٹی چھوٹی تراشیدہ داڑھی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''کوئی فرمائش ہوگی؟ کیوں ایسا ہی ہے نا؟'' اس کے ابو وقارالدین نے عمامہ درست کرتے ہوئے پوچھا

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تو پھر کیا بات ہے، یوں خاموشی سے آکر بیٹھ گئی ہو؟'' امی قرۃ العین نے اس سے پوچھا تو شبانہ اپنے باپ سے بولی۔

''دراصل میں آپ سے اجازت چاہ رہی تھی؟'' اس نے ادب کہا۔

''اجازت! کس چیز کی اجازت؟'' وہ چونکتے ہوئے بولے۔

''ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ایک ریسرچ رپورٹ ہر طالب علم نے کرنی ہوتی ہے۔ سو میں نے بھی تیار کرنی ہے۔ میں نے جو موضوع لیا ہے، اس کے لئے مجھے آپ کی

اجازت بہر حال چاہیے۔'' اس نے محتاط انداز میں کہا تو بھائی نے چونک کر پوچھا۔

''موضوع ایسا ہے، جس کے لئے اجازت چاہیے۔ کیا ہے موضوع؟''

''ہماری ثقافت اور شوبز کی روایات۔'' اس نے عام سے انداز میں کہا لیکن اس کے ساتھ ہی من میں ایک لہر سی سرائیت کر گئی۔ کہیں والدین سے اجازت لینے میں بحث و مباحثہ کی صورت نہ بن جائے۔ جس کے باعث اس کے بارے میں کوئی غلط تاثر نہ پیدا ہو جائے۔ تبھی اس کے بھائی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا

''شوبز۔! یہ تمہارے دماغ میں کیا سمائی ہے، جانتی ہو کہ شوبز کہتے کسے ہیں؟''

''بھائی۔! بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس سے متعلق کام بھی کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اعتماد سے بولی

''استغفراللہ۔! تمہیں کوئی دوسرا موضوع نہیں ملا، کیا میڈیا کا مطلب صرف شوبز ہے؟'' وہ تیز لہجے میں یوں بولا جیسے شبانہ کی بات اسے بہت بری لگی ہو۔ تب وقارالدین نے طارق کو اشارے سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''مجھے بات کرنے دو۔'' یہ کہہ کر اس نے تحمل سے پوچھا۔ ''بیٹی، یہ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے موضوع ملا ہے یا تم نے خود چنا ہے؟''

''میں نے خود چنا ہے ابا جی۔'' اس نے پھر اعتماد سے کہا۔

''حیرت ہے، مگر کیوں بیٹی؟'' وقارالدین نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''اس لئے کہ یہ میری ذات کے لئے بہت اہم ہے۔ میں اپنے کلاس فیلوز اور اپنے ٹیچرز پر ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ میں دلدل سے بھی پھول چن سکتی ہوں۔'' وہ ادب سے بولی

''یہ فلسفہ زدہ بات میری سمجھ میں نہیں آنے والی۔'' اس کے باپ نے یوں کہا جیسے وہ اکتا گیا ہو۔ تبھی طارق نے کہا

''ابا جی، اِسی وقت کے لئے میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ اسے کیمپس مت بھیجیں۔ ایم اے ہی کرنا ہے تو گھر بیٹھ کر بھی کر سکتی ہے۔ اوپر سے غضب یہ ہوا کہ میڈیا کی تعلیم کے لئے اسے اجازت دے دی۔ اب بھگتیے، آج یہ کہہ رہی ہے کہ شوبز پر تحقیق کرے گی، کل ممکن ہے کہ۔۔۔''

"طارق، تم ذرا خاموش رہو۔" اس کی امی نے ذرا سخت لہجے میں کہا اور پھر شبانہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "اللہ سے ڈرو۔۔۔صرف اتنی سی بات پر تم اپنا ایمان خراب کرنے پر تلی ہو۔ تمہیں شاید احساس نہیں ہے کہ وہ دنیا کیسی ہے، وہاں کیسے کیسے لوگ ہیں۔ چھوڑو، اس جھنجھٹ کو، سیدھے سیدھے گھر میں بیٹھو۔" اس کی امی نے فیصلہ سنا دیا۔

"میری بہن! تم بہت معصوم ہو، تمہیں فقط سنی سنائی معلومات ہیں، لیکن تم نہیں جانتی ہو کہ وہ دنیا کیسی ہے۔ تمہارا اس طرح کی بات سوچنا بھی گناہ ہے۔ ہم جیسے لوگوں کو اس دنیا سے دور ہی رہنا چاہیے۔ کیا تم جانتی نہیں ہو کہ تقوی کا تقاضہ کیا ہے؟" طارق نے بہ ظاہر نرم لہجے میں بات کی تھی لیکن دورانِ لہجہ غصہ چھلک رہا تھا۔

"تمہارا اپنے آپ کو منوانا اتنا کیوں ضروری ہے۔" وقارالدین نے پوچھا۔

"مجھے دو برس ہو گئے ہیں یونیورسٹی جاتے ہوئے۔ اس سارے دورانیے میں صرف حجاب پہننے کی وجہ سے دوسرے درجے کی طالبہ سمجھی گئی ہوں۔ ایک ایسی مذہبی لڑکی، جیسے دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ بلکہ میڈیا کی تعلیم حاصل کرنا میرا حق ہی نہیں ہے۔ میرے بارے میں یہی خیال کیا گیا ہے کہ میں ایک مخصوص دائرے میں بند، محدود سوچ رکھنے والی تنگ نظر مذہبی لڑکی ہوں۔ مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ میرے بارے میں کیسا تاثر ہونا چاہیے۔ لیکن ہم جیسے لوگوں کا کام مسجدیں سنبھالنا نہیں ہے۔ کیا دنیا کے دیگر کاموں کو ہم ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔" اس نے ادب بھرے لہجے میں کہا۔

"لیکن دین کا شوبز سے کیا تعلق ہے۔ اسے تو سرے سے ختم ہو جانا چاہیے؟" طارق نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا

"بھائی، مجھے بتائیں، کون ختم کرے گا؟" اس نے نرم لہجے میں اعتماد سے کہا۔ یہ ایک ایسا سوال تھا جس پر وہ چند لمحے سوچتا رہا، پھر پرسکون انداز سے بولا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ جب تک کسی مرض کی تشخیص نہیں ہو جاتی۔ اس وقت تک مرض کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ تشخیص کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے بھائی کہ شوبز ختم نہیں ہوا۔ بلکہ گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ اس میں ترقی آ رہی ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت ہمارا معاشرہ کیا تھا؟ اور اب کیسا ہے؟ میں کسی پر بھی الزام نہیں دھرتی کہ فلاں کا

قصور ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آخر ایسا کیا ہوا۔ جس اسلامی ریاست کو اسلامی اصولوں کی تجربہ گاہ بننا تھا، وہ تجربہ گاہ، یہ معاشرہ کیوں نہیں بنا سکا۔"

"کیا تم شوبز ختم کرنے نکلی ہو؟ آخر مقصد کیا ہے تمہارا؟" طارق نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"میں ایسا کچھ نہیں چاہ رہی ہوں۔ میں نہیں سمجھتی کہ میرے اتنے سے کام کر لینے سے دنیا بدل جائے گی۔ انقلاب آ جائیگا یا کوئی تھوڑا سا بھی فرق پڑے گا۔ میں تو اپنے ارد گرد لوگوں کو راستہ دکھانا چاہتی ہوں۔ وہ بھی میڈیا کے ذریعے۔ جہاں تک میری اس ریسرچ رپورٹ کا تعلق ہے۔ اس سے میں ثابت یہ کرنا چاہتی ہوں کہ میں اپنے دائرے میں رہتے ہوئے، اپنے مقاصد کے لئے کام کر سکتی ہوں۔" اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"تو اس کا مطلب ہوا کہ تم فقط اپنے اساتذہ اور کلاس فیلوز پر رعب ڈالنا چاہتی ہو۔ یہ فقط تمہاری انا کا مسئلہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی خاص ضرورت نہیں ہے تمہیں۔" طارق نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے بات کی اہمیت کم کر دینا چاہی۔

"یوں تو میڈیا کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس سے کون سا استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ علم بھی عورتوں کے لئے شجر ممنوعہ ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ لوگ جنہیں آپ نفرت سے سیکولر کہتے ہیں، وہ آپ کے بارے میں ٹھیک کہتے ہیں۔" شبانہ نے پُر اعتماد لہجے میں کہا تو وقارالدین نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اگر ہم نے اسے میڈیا کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی ہے تو پھر میرا نہیں خیال کہ اسے ایسی کسی بے ضرر تحقیق سے روکا جائے۔"

"کل اگر یہ باقاعدہ کام کرنے کے لئے اجازت مانگے گی تو آپ اس کی بے سروپا دلیلیں سن کر اجازت دے دیں گے۔" طارق نے تنک کر کہا۔

"کام تو میں کروں گی بھائی۔! لیکن وہ میں اپنے حساب سے کروں گی۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کبوتر کی مانند آنکھیں بند کر لی جائیں تو بلی کا خطرہ ٹل جاتا ہے۔ اگر آپ کی ایسی سوچ ہے تو آپ کی بہت بڑی بھول ہے۔ آپ اپنے بیڈروم میں بیٹھ کر پوری دنیا کو اس انداز سے دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی اپنی مرضی سے آپ کو دکھانا چاہتا ہے۔" وہ دبے دبے جوش سے بولی

"اس لئے میں ٹی وی نہیں دیکھتا۔تاکہ میں ان کی مرضی کی دکھانے والی چیزیں نہ دیکھوں۔" وہ کاندھے اچکاتے ہوئے بولا

"تو پھر کیا ہوا، آپ کے ٹی وی نہ دیکھنے سے دنیا کے چینل بند ہو گئے۔ جس طرح آپ کی مرضی ہے کہ نہ دیکھیں اس طرح اُن کی یہ مرضی ہے کہ دکھائیں گے۔اس کشمکش میں آپ کا موقف کدھر گیا۔وہ مظلوم لوگ جو آپ کی رائے چاہتے ہیں۔جنہیں آپ کی راہنمائی ضرورت ہے۔وہ کدھر جائیں۔کیا ہم سب بہ حیثیت مسلمان اسلام کا حقیقی چہرہ، اس کے اصلی خدوخال کے ساتھ دکھانے میں کامیاب ہیں۔یا تو آپ انہیں بھی پوری طرح مذہبی بناؤ جیسے آپ ہیں، یا پھر انہیں آزاد چھوڑ دو، ان پر کوئی قدغن مت لگاؤ۔" شبانہ نے بڑے تحمل کے ساتھ اپنا موقف کہہ دیا۔

"تمہارا خیال ہے، اس ریسرچ سے لوگوں کو راہنمائی مل جائیگی؟" طارق نے کمزور سی دلیل دی۔

"نہ ملے، مگر میں نے اپنے مقصد کے لئے ایک قدم آگے بڑھایا ہے۔ بھائی، میرا کردار میرے ساتھ ہے۔اسے اس وقت تک کوئی نہیں چھین سکتا، جب تک میں نہ چاہوں۔میرے پورے تعلیمی کیریئر میں آپ کو کسی ایسی غلط بات کا تاثر ملا، جس سے میرے کردار پر کوئی حرف آتا ہو؟" اس نے اس بار پورے جوش سے کہا۔

"الحمدللہ! مجھے میری بیٹی پر فخر ہے۔" وقارالدین نے پیار سے کہا۔

"ٹھیک ہے، تمہاری مرضی تم جو چاہو، اباجی اگر تمہیں اجازت دیتے ہیں تو ٹھیک ہے" آخر کار طارق نے ہتھیار ڈال دیئے تو شبانہ نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔

"بیٹی احتیاط کا تقاضہ تو یہی ہے کہ میں تمہیں منع کر دوں۔مگر میرا مان یہ کہتا ہے کہ تمہیں نہ صرف اجازت دوں بلکہ میں تمہاری مدد بھی کروں۔" وقارالدین نے بڑے جذب سے کہا تو شبانہ کے چہرے پر فخر کے دیئے روشن ہو گئے۔

"ابو! آپ کی یہ بیٹی ہر حال میں آپ کا یہ مان رکھے گی۔" شبانہ نے انتہائی خوشی سے کہا۔

"مگر تم وہاں پر جاؤ گی کیسے؟" اس کی امی قرۃ العین نے پوچھا

"فقط میں اکیلی نہیں ہوں۔میرے کچھ کلاس فیلوز بھی ہیں۔ ہم اکٹھے جائیں

گے یا انفرادی طور پر، بہر حال آپ فکر نہ کریں۔میں سب دیکھ لوں گی۔" وہ سرشار لہجے میں بولی۔پھر چند لمحے توقف کے بعد کہا۔"امی، میں قدم قدم آگے بڑھنا چاہتی ہوں۔میں اگر کیسی ٹی وی چینل کا چکر لگا آؤں گی تو میں ان جیسی نہیں ہو جاؤں گی۔"

"تمہیں اجازت مل گئی ہے بیٹی۔میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتی ہوں۔" امی نے کہا تو وہ اٹھ گئی۔

شبانہ کو اجازت مل چکی تھی۔اب وہ پورے اعتماد کے ساتھ ریسرچ رپورٹ مکمل کر سکتی تھی۔اسے اپنی بات منوالینے کی خوشی نہیں تھی اور نہ ہی اپنی انا کی تسکین چاہتی تھی۔بلکہ اسے اپنی ذات پر یہ اعتماد بڑھتا ہوا محسوس ہوا کہ جو کچھ وہ سوچ رہی ہے اور جس مقصد کے لئے وہ قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی ہے، وہ غلط نہیں ہے۔وہ اپنا آپ منوانا چاہ رہی تھی۔جس وقت اس نے شوبز کا موضوع لیا تھا، سب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا اور آخر میں سعدیہ نے اظہار بھی کر دیا تھا۔اگر وہ اپنی تحقیق مکمل کر گئی تو یقیناً اس کے بارے میں یہ تاثر بن جائے گا کہ وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔آئندہ آنے والے دنوں کے لئے اسے یہی تاثر چاہئے تھا۔اگر وہ ناکام ہو گئی تو پھر میڈیا کی تعلیم حاصل کرنا ہی بے مقصد تھا۔میڈیا کے لئے تخلیقی ہونے کے ساتھ ساتھ باصلاحیت، بااعتماد اور باکردار ہونا اولین شرط ہے۔ورنہ پھر کسی کی بانسری بجانے والے لوگ ہی رہ جاتے ہیں۔ان کی اپنی ذات کی اہمیت بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔اس نے اپنے کمرے میں آ کر کلاک پر وقت دیکھا اور کاغذ لگا کلپ بورڈ اٹھا لیا۔وہ اس لمحے سے اپنے کام کا آغاز کر دینا چاہتی تھی۔

❁.....❁.....❁

صبح کا سہانا وقت تھا۔سورج ابھی نکلنا ہی چاہتا تھا۔مشرقی افق دھیرے دھیرے نارنجی ہونا شروع ہو گیا تھا۔جب زرق شاہ آؤٹ ڈور لوکیشن پر پہنچا۔وہ رات ہی یونٹ کے ساتھ وہاں آ گئے تھے اور اس جگہ سے تھوڑے فاصلے پر حویلی میں ٹھہرے تھے۔جس جگہ سین فلمایا جانا تھا۔وہ گاؤں سے باہر ایک ڈیرہ تھا۔وہیں پورا یونٹ اپنے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔اس سیریل میں زرق شاہ ایک جاگیردار کا بیٹا بنا ہوا تھا جو کچھ عرصے قبل قتل ہو جاتا ہے اور تمام تر جاگیرداری نظام اس کی ماں "بے جی" چلا رہی ہوتی ہے۔وہ اپنی ماں کا اس حد تک احترام کرتا ہے کہ اگر وہ کوئی غلط اور بے جا فیصلہ بھی کرتی ہے تو یہ نہ صرف قبول کرتا

ہے، بلکہ اس فیصلے پر عمل درآمد بھی کرواتا ہے۔ وہ لندن سے اپنی تعلیم فقط اس لئے ادھوری چھوڑ کر آجاتا ہے کہ وہ اکیلی نہ رہے اور اس کا ہاتھ بٹا سکے۔ وہ اپنے باپ کے قاتلوں کو بھی تلاش کرتا ہے۔ یوں زیادہ تر گاؤں، حویلی اور ان کھیتوں کی سائیٹ پر سین تھے جو باقر رضوی پہلے شوٹ کر لینا چاہتا تھا۔ پھر اس کے بعد ہی وہ شہر میں اپنا کام مکمل کرنا چاہتا تھا۔

سین کے مطابق زرق شاہ اس وقت میک اپ میں تھا۔ کیمرہ اسی پر کھلنا تھا۔

ڈرامے کا آغاز ہی یہیں سے ہونا تھا کہ وہ کھیتوں میں جاگنگ کرتا ہوا ڈیرے پر آتا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے گاڑی ہے جس پر گن مین ہیں۔ زرق شاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا۔ ایک ہاتھ میں نفیس اسٹک تھی اور دوسرے ہاتھ میں سگریٹ تھامے، سین شروع ہونے کا منتظر تھا۔ رات سے لے کر اب تک اسے احساس ہو گیا تھا کہ باقر رضوی اسے بڑی اہمیت دے رہا ہے وہ اپنے دل ہی دل میں ٹھان چکا تھا کہ وہ بڑا دل لگا کر کام کرے گا تاکہ اس پر مزید راہیں کھل جائیں۔ اس سین میں ایک بھی مکالمہ نہیں تھا۔ اس کے بعد والے سین میں مکالمے تھے۔ سب کچھ تیار ہو گیا تو اسے آواز دی گئی۔ اس نے سگریٹ ایک جانب پھینکا اور کیمرے کے سامنے چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک اسے مختلف پہلوؤں سے شوٹ کیا گیا۔ ہر بار اسے بھاگنا پڑتا۔ یہاں تک کہ وہ سین اوکے ہو گیا تو ڈیرے پر سین فلمانے کی تیاریاں شروع ہونے لگیں۔ باقر رضوی اس کی فطری تھکن کے ساتھ ہی وہ سین فلمانا چاہتا تھا۔ اس لئے بہت جلد اسے کیمرے کے سامنے بلا لیا گیا، یہاں تک کہ اسے ایک سگریٹ بھی نہیں پینے دیا گیا۔ پھر ڈیرے پر کافی دیر تک شوٹنگ کے بعد زرق شاہ کا کام ختم ہو گیا۔ وہ پھولے سانس کے ساتھ ایک طرف پڑی ہوئی کرسی پر آبیٹھا۔ تب تک دن کافی حد تک نکل آیا تھا۔ روشنی ہر سو پھیل گئی تھی۔ وہ اپنے پھولے ہوئے سانس کو درست کر رہا تھا کہ اس وقت اس کا سیکریٹری فدا منرل واٹر کی بوتل لے کر اس کے پاس آگیا۔

”یہ لیں سر جی۔“ اس نے خوشامدانہ لہجے میں بوتل آگے بڑھائی۔

”سگریٹ دو“ زرق شاہ نے بوتل پکڑتے ہوئے کہا اور پھر منہ کو لگا لی۔ فدا نے ایک سگریٹ نکالی اور اس کے ہونٹوں میں دیتے ہوئے پوچھا۔

”تھک تو نہیں گئے آپ؟“ یہ کہ کر اس نے لائٹر سے سگریٹ سلگا دیا تب وہ کش لے کر بولا

”قصائیوں کی طرح کام لیتا ہے؟“ یہ کہ اس نے ساتھ میں زوردار گالی نتھی کر دی۔

”یہ تو ہے سر جی، مگر مجبوری ہے۔“ فدا نے چاپلوسی سے کہا، حالانکہ اسے بھی ساری صورت حال کا پتہ تھا۔

”اچھا یار بھوک بڑی لگی ہے، ان کا تو پتہ نہیں کب بریک ہوگا، تو مجھے کچھ کھانے کے لئے دے۔“ زرق شاہ نے اکتائے والے انداز میں کہا۔

”میں اپنے ساتھ کچھ پھل لے آیا تھا، وہی لاتا ہوں۔“ یہ کہ کر وہ تیزی سے پلٹ گیا۔ زرق شاہ نے کرسی پر بیٹھے ہوئے ٹانگیں پھیلائیں اور سامنے ہونے والی شوٹنگ دیکھنے لگا جو بقیہ اداکاروں کے ساتھ ہو رہی تھی۔ وہ اسی محویت میں دیکھ رہا تھا کہ ڈیرے کے باہر کار آکر رکی اور ساتھ ہی ہارن کی آواز آئی۔ اس نے یونہی سرسری سا پلٹ کر دیکھا، وہ ہما کی گاڑی تھی اور اس میں بیٹھی ہما اُسے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اگلے چند لمحوں میں وہ گاڑی سے نکل کر سیدھی اس کی طرف بڑھ آئی۔ وہ دور ہی سے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ پھر قریب آکر اس نے بڑے جوش کے ساتھ ہاتھ ملایا اور بولی

”کام ختم ہو گیا تمہارا؟“

”نہیں، ابھی تھوڑا سا ہے۔ مگر ادھر کہاں، تمہارا تو یہاں کوئی کام نہیں ہے۔“ زرق شاہ نے حیرت سے پوچھا

”یہیں پر میرے کچھ سین ہیں۔ اب پتہ نہیں لوکیشن کیا ہے۔ بس رضوی صاحب نے بلا لیا ہے مجھے۔“ وہ اٹھلاتے ہوئے بولی تو زرق شاہ نے اس کے سراپے کا جائزہ لیا۔ سیاہ رنگ پتلون کے ساتھ گلابی شرٹ اور گلے میں نیلے رنگ کا مفلر تھا۔ سنہری کئے ہوئے بال کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ چہرے پر بے تحاشا میک اپ کیا ہوا تھا۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”تمہارا کتنا کام رہ گیا ہے یہاں؟“

”شاید کل تک یہ سارے سین ختم ہو جائیں۔ پھر یہیں پاس ایک حویلی ہے، اس میں ایک دو دن کا کام ہوگا۔ میرے خیال میں تین دن ہیں، میرا کام ختم ہو جائے گا۔“ زرق شاہ نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔

''بس میرا بھی ایک دو دن کا ہے۔'' ہما نے اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہوا یار تم آ گئی ہو۔بہت بوریت ہے یہاں پر۔'' اس نے دور تک پھیلے کھیتوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

''ٹھہرے کہاں پر ہیں؟''

''اس حویلی کے ایک پورشن میں،یہ سارا یونٹ یہیں اس ڈیرے پر ہوتا ہے۔'' وہ بولا پھر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''سناؤ خبریں کیا ہیں؟'' اس پر ہما نے قہقہہ لگایا اور بڑے مزے سے بولی

''وہ تمہارا یار بڑے غصے میں ہے۔یہ سیریل کرنا چاہ رہا تھا نا،نہیں ملا تو اب تمہارے خلاف بڑی باتیں کر رہا ہے۔''

''کیا۔'' زرق شاہ نے بھی ہنستے ہوئے پوچھا۔

''باتیں کیا ہونی ہیں ۔ وہی کہ زرق شاہ کو کام نہیں مل رہا تھا،وہ اب ختم ہو رہا ہے،وغیرہ وغیرہ....'' ہما نے کہا پھر چونکتے ہوئے۔''تم ایسا کرو، میرے ساتھ ایک سکینڈل بنالو، بڑا مزا آئے گا،خواہ مخواہ کی شہرت اور حاسدوں کو بھی خوب جلائیں گے۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ کیا فائدہ یار ایویں لوگوں کو وضاحتیں کرنا پڑیں گی۔'' اس نے مایوسی میں کہا۔

''یہ بھی دیکھو شہرت کس قدر ملے گی ۔بہت کچھ حاصل کرنے کے لئے ،کچھ نہ کچھ تو کھونا پڑتا ہے۔وضاحتوں کے دوران ہی اس معاملے کو ہوا ملے گی ۔'' اس نے زرق شاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو۔مگر ابھی وقت نہیں ۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''وقت نہیں ہے،تم کچھ اور ہی سوچ رہے ہو؟'' ہما نے بھنویں اچکاتے ہوئے وضاحت طلب انداز میں پوچھا۔

''ارے نہیں یار جو تمہارے ذہن میں ہے وہ بات نہیں ۔میرے کہنے کا مطلب ہے کہ ابھی ہمیں تھوڑا مزید کام کر لینا چاہئے۔اپنی پہچان کو مزید پختہ کر لینا چاہئے ،پھر یہ تو فارغ وقت کی باتیں ہیں نا۔'' اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تمہاری بات کا جواب تو میں بعد میں دوں گی ۔پہلے یہ بتاؤ کہ میرے ذہن

میں کیا ہے،یہ تو بتاؤ۔'' ہما نے اپنی بات پر اڑتے ہوئے کہا۔

''اُو! تم نے غلط مطلب لے لیا،ایسا نہیں ہے کہ میں تمہارے مقام اور عوام میں مقبولیت کچھ کم سمجھتا ہوں یا تمہاری جگہ کسی اور کو دینا چاہتا ہوں ،ایسا نہیں ہے۔'' اس نے وضاحت کی۔

''تو پھر کیا بات ہے؟'' ہما نے تیزی سے پوچھا

''دراصل شہرت کے لئے اب ایسی کوشش بے کار ہے۔زمانہ بدل گیا ہے۔اس کے معیار بدل گئے۔لوگوں کی سوچ بدل گئی ہے۔جدید دنیا میں اب یہ چیزیں کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔کوئی وقت تھا جب اداکاروں کی زندگی بڑی پر اسرار تھی۔لوگ اُن کی نجی زندگی کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔مطلب اداکاروں میں ایک کشش تھی، اب ایسا کچھ نہیں ہے۔'' زرق شاہ نے اپنی سوچ بتائی تو ہما تیزی سے بولی۔

''پھر تو آج کے ایکٹر کو زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اداکاری کے علاوہ اور کچھ کی بھی ضرورت ہے۔تم نے تو میری بات کی تائید کی ہے۔''

''یہ جو تم کہہ رہی ہو نا'' اور بہت کچھ'' اس کے بھی معیار بدل گئے ہیں۔اپنے ملک کی فلم انڈسٹری ختم ہو چکی ہے۔حالانکہ یہ کبھی انڈسٹری تھی ہی نہیں ۔اس کی جگہ ڈراموں نے لے لی ہے۔جو تکنیک کار تھا اب اس طرف آ گیا ہے۔ وہ جنہیں فلم انڈسٹری میں کوئی پوچھتا نہیں تھا، آج ڈرامے کی دنیا میں وہ چھائے ہوئے ہیں۔اپنے رضوی صاحب ہی کو لے لو،یہ کیا تھے؟ آج کیا ہیں؟ کیا یہ اپنے کام،محنت یا تجربے کے باعث اس سطح پر ہیں کہ لوگ کروڑوں روپے ان پر لگا رہے ہیں۔نہیں میری جان ایسا نہیں ہے۔یہ سب گروپ بازی کا کمال ہے۔گروپ سے باہر نکل کر جتنے مرضی سکینڈل بنالو،کام نہیں ملے گا ،میں یہ کہنا چاہتا ہوں ۔'' اس نے تفصیل سے ہما کو سمجھایا۔

''کاش میں تعلیم حاصل کر لیتی ،تمہاری طرح تجزیہ تو کر لیتی ۔'' ہما نے یوں کہا جس کی زرق شاہ کو سمجھ نہ آ سکی کہ وہ واقعی اپنی خامی کا احساس کر رہی ہے یا اس پر طنز کر رہی ہے۔

''یار تیرا حسن ہی ساری ڈگری ہے۔'' اس نے یونہی بات کہہ دی۔

''تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''نہیں، میں بالکل درست کہہ رہا ہوں ۔ جب تک ہم سکرین کے معیار پر پورے

اترتے رہے، یہاں رہیں گے۔اس کے بعد ہماری جگہ لینے کے لئے بہت سارے لوگ ہیں۔ میں نے معیار بدل جانے کی بات کی ہے، وہ غلط نہیں ہے۔دیکھو۔ !سیدھی سی بات ہے۔ ہم لوگ تفریح سے تعلق رکھتے ہیں۔وہ بندہ جو اپنی روزی روٹی کے چکر میں ہے، پریشان حال ہے، اسے تفریح سے کیا؟ یا دوسرے لفظوں میں ہم سے کیا؟‘‘

’’لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے شاہ جی، کہ وہ اپنا غم بھلانے کے لئے ہمیں دیکھتا ہے۔‘‘ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

’’چلو میں تمہاری بات ہی مان لیتا ہوں ،مگر کب تک؟ کب تک دیکھے گا۔بھوک ایک حقیقت ہے۔جبکہ مجموعی طور پر ملکی صورت حال یہ ہے، انڈسٹری نہیں، بجلی نہیں، معیشت بے حال ہے تو ہمیں سپانسر کون کرے گا۔ پروڈیوسر تو گھاٹے کا سودا نہیں کرے گا نا اور چینل کہاں سے اتنا سرمایہ دیتے رہیں گے؟‘‘ زرق شاہ نے اپنی رائے دی تو ہما نے سر جھٹکتے ہوئے کہا

’’چلو چھوڑو۔!تم تو خوف ناک باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے تھوڑے فاصلے پر کھڑے اپنے سیکرٹیری کی طرف دیکھا اور اشارے سے اپنے سگریٹ منگوائے وہ تیزی سے آگے بڑھا اور سگریٹ لائٹر اسے تھما کر چلا گیا۔ہما نے ایک سگریٹ سلگایا اور باقر رضوی کی طرف دیکھنے لگی جو کافی دور اپنے یونٹ کے ساتھ شوٹنگ میں مصروف تھا۔زرق شاہ نے بھی سگریٹ سلگایا تو ان کے درمیان خاموشی آن ٹھہری ۔ پھر ہما ہی نے اس خاموشی کو توڑا۔’’یار بھوک لگ رہی ہے۔ یہ لنچ بریک کب ہوگا؟‘‘

’’ہو جائے گا،میرے خیال میں یہ سین شوٹ ہوتے ہی۔‘‘ زرق شاہ نے اپنا اندازہ بتایا تو ہما نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا

’’ویسے نا اس ملک میں فن اور فنکار کی قدر نہیں ہے۔وہ جتنا بھی شہرت یافتہ ہو جائے ، معاشرے کے ایک خاص طبقے ہی میں شمار ہوتا ہے۔تمہاری بات ٹھیک ہے کہ اب وہ قدر نہیں رہی ،معیار بدل گئے ہیں،ایسا کیوں ہوا جانی؟‘‘

’’میں نے شوبز کی دنیا میں آکر تھوڑا بہت اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔مگر لگتا ہے تم نے کچھ نہیں سیکھا۔فن اور فنکار کی قدر تب ہوتی جب صحیح معنوں میں فن کو پیش کیا جائے اور فنکاروں کو ان کی جائز محنت ملے۔یہ فن اور فنکار والی ساری بحث ہی فضول ہے۔اب

اصل تو ہے دولت کمانا، جس کے لئے یہ ساری بھاگ دوڑ ہے۔فن کے بارے میں بھی تو ہم لوگوں نے اپنا معیار بدلا ہے۔پہلے کہتے تھے کہ فن روح کو جولانی بخشتا ہے۔آج کہتے ہیں کہ وہ فن اتنا ہی اعلیٰ ہوگا جس کے جتنے پیسے ملتے ہیں۔اب فن کا معیار دولت ہے۔‘‘ زرق شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ ہما اس کی بات کا جواب دیتی ،اس نے باقر رضوی کو دور سے آتے ہوئے دیکھا تو فوراً ہی کھڑی ہوگئی ۔زرق شاہ اس کی اضطراری کیفیت کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔اس نے سوچا اب تک جو اس نے اتنی باتیں کی ہیں ساری فضول بحث تھی۔ ہما اچھی طرح سمجھتی ہے کہ اس نے کیا کرنا ہے۔

❁......❁......❁

اس روشن صبح جب وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ پہنچی تو سعدیہ اس کی منتظر تھی۔وہ تھوڑی سی پریشان دکھائی دے رہی تھی ۔شبانہ اس کے قریب پہنچی تو علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا

’’کیا بات ہے چہرے پر خوشگواریت نہیں ہے؟‘‘

’’یہ گھر والے بھی نا، اچانک کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کردیتے ہیں۔بس اسی وجہ سے۔‘‘ وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

’’کیا ہوگیا؟‘‘ اس نے ہمدردی سے پوچھا

’’فارن سے رشتہ آگیا ہے، وہ لوگ جلدی چاہ رہے ہیں۔گھر والے بھی راضی ہیں۔ان کا فرمان ہے کہ چھوڑو یہ سب اور چلی جاؤ اس کے ساتھ جسے میں پسند نہیں کرتی۔‘‘ سعدیہ نے یوں کہا جیسے وہ لڑنا چاہتی ہو۔اس پر شبانہ نے چند لمحے سوچا اور بولی

’’اگر تمہارے والدین راضی ہیں،وہ اگر اچھا سمجھتے ہیں تو۔۔۔‘‘

’’اُونہیں ! وہ اپنا بوجھ اتارنا چاہ رہے ہیں۔اس معاشرے میں بیٹیاں بوجھ نہیں ہیں کیا؟‘‘ وہ جلے ہوئے لہجے میں بولی

’’اچھا خیر صبح صبح اسی بحث کو مت چھیڑو، جس کا حاصل کچھ نہ ہو۔ اپنا موڈ ٹھیک کرو‘‘ شبانہ نے کہا تو اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے خاموش رہی۔تبھی شبانہ نے پوچھا،’’میڈم آئیں ہیں کیا؟‘‘

’’ہاں ،اپنے آفس میں ہیں۔‘‘اس نے ہولے سے کہا

"چلو آؤ، ان سے ملتے ہیں۔" وہ بولی

"تم جاؤ، میں یہیں ٹھیک ہوں۔" سعدیہ نے کہا تو شبانہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ گئی۔ اسے سعدیہ کا رویہ اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں بنائی دنیا میں آباد رہنا چاہتی تھی۔ جس کا حقیقت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا۔ یہ کوئی ایک دن کی بات نہیں تھی۔ ایسی خیالی دنیا میں رہنے والی لڑکیاں ایک ہی دن میں اپنا ماحول خود نہیں بنالیتی۔ اس معاشرے میں رہتے ہوئے آہستہ آہستہ ان کے ذہنوں میں یہ خیالی دنیا تخلیق ہوتی ہے۔ اس خیالی دنیا کی تعمیر میں جو بھی رنگین ساز و سامان اکٹھا کیا جاتا ہے، وہ اسی معاشرے کی حقیقی دنیا سے لیا جاتا ہے۔ ناآسودگی کا احساس اس خیالی دنیا میں رہ کر ہی ختم کیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ خود مالک ہوتی ہیں۔ جو چاہیں سو کریں۔ تشنہ خواہشوں کی تسکین یہیں ہو جائے تو پھر حقیقی دنیا کی تلخیاں کون برداشت کرے۔ اس نے سوچا کہ وہ سعدیہ سے اس موضوع پر بات کرے گی۔

"میڈم۔! کیا میں آسکتی ہوں۔" اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر اجازت چاہی۔ تو میڈم نے اپنی عینک میں سے جھانکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور پھر خوشگوار سے انداز میں بولی۔

"آؤ۔ آؤ۔۔۔ شبانہ آؤ۔!"

"شکریہ میڈم۔" اس نے میز کی دوسری جانب پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا اور بڑے احترام سے پوچھا، "آپ کے پاس وقت ہے۔۔۔ تو میں اپنی ریسرچ رپورٹ کے حوالے سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں بولو۔ یقیناً تم اپنا موضوع بدلنا چاہ رہی ہو گی۔" میڈم نے ہنستے ہوئے کہا جیسے اسے یہی امید تھی۔

"نہیں میڈم، بلکہ میں اس پر بنیادی کام کر کے آئی ہوں۔" شبانہ نے کہا تو میڈم چونک گئی۔

"واہ۔! مطلب کیا تمہارے گھر والوں نے اجازت دے دی؟"

"جی۔" اس نے اختصار سے کہا اور اپنی فائل میں سے چند کاغذ نکال کر میڈم کے سامنے رکھ دیئے اور بولی۔ "یہ ایک خاکہ ہے، آپ دیکھیں اور میری راہنمائی کریں کہ کیا میں

اس پر کام کر لوں، یا مزید کوئی۔۔۔؟"

"ویسے مجھے یقین نہیں تھا کہ تمہیں گھر سے اجازت مل جائیگی، میں آپ کے والد صاحب کے بارے میں جانتی ہوں۔ وہ شہر کے معروف بزنس مین ہیں۔ لیکن اچھے خاصے مذہبی بھی ہیں۔"

"اچھی بات ہے نا میڈم وہ مذہبی ہیں۔ آپ کو بھی اور مجھے بھی مذہبی تو ہونا چاہئے۔" شبانہ نے صاف لفظوں میں کہا

"مذہبی ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ بندہ دائروں میں بند ہو کر رہ جائے۔" میڈم نے بحث چھیڑنا چاہی تو وہ فوراً بولی۔

"اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرے والد صاحب نے مجھے دائروں میں بند نہیں کیا۔ میں ان فضاؤں میں آزاد اُڑ سکتی ہوں۔ اب یہ میرا کام ہے نا کہ میں اپنی حدوں کو پہچانوں، انہوں نے مجھے تعلیم دے دی۔ اچھا بھلا سمجھا دیا۔ مذہب بندے کو قید نہیں کرتا اور خصوصاً دینِ اسلام تو ہر طرح کی غلامی سے آزاد کراتا ہے۔ اب انسان اپنے آپ کو اپنی خواہشوں کے مطابق غلام بنالے تو الگ بات ہے۔" شبانہ نے دبے دبے جوش سے کہا مگر احترام ملحوظ خاطر رکھا۔ اس پر میڈم نے اس کے حجاب میں لپٹے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا، پھر مسکراتے ہوئے بولیں۔

"یہ تم اپنی وکالت کر رہی ہو یا پھر اس خاص طبقے کی جسے مذہبی کہا جاتا ہے؟"

"میں ان اصولوں کی بات کر رہی ہوں جو ہمارے دین نے ہمیں دیئے۔ بلاشبہ میں کوئی ایسا اختیار نہیں رکھتی کہ فتویٰ جاری کر دوں۔ لیکن تجزیے کے لئے، غور و فکر کرنے کے لئے سوچ تو رکھتی ہوں۔ اس کے مطابق میں یہی سمجھتی ہوں کہ جو اصولوں پر کاربند رہا وہ کامیاب ٹھہرا، جو انحراف کرتا ہے، وہ چاہے کوئی بھی ہو وہ ناکام رہتا ہے۔" شبانہ نے اپنی رائے دے دی۔

"اس کا مطلب ہے تم سمجھتی ہو کہ وہ خاص طبقہ کہیں نہ کہیں انحراف کرتا ہے۔" میڈم نے اپنی بات منوانا چاہی۔

"اس کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔ نتیجہ ظاہر کر دیتا ہے کہ فیصلہ کیسا تھا؟" اب کے شبانہ نے خاصے محتاط انداز میں کہا۔

''خیر۔! مجھے خوشی ہوئی کہ تم مثبت سوچ رکھتی ہو اور تمہارے والدین کو تم پر اعتماد ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میڈم نے اس کے لکھے ہوئے کاغذات پر نگاہ ڈالی۔ پھر کچھ دیر پڑھتے رہنے کے بعد سر اٹھاتے ہوئے کہا۔'' بالکل ٹھیک ہے۔ اس میں کچھ انٹرویوز ہوں گے تاکہ رپورٹ جاندار بن جائے۔''

''جی میڈم۔! یہی تو میں چاہ رہی تھی کہ آپ راہنمائی کریں کہ مجھے کن لوگوں کے انٹرویوز کرنا ہوں گے۔ باقی اخبار اور میگزین وغیرہ تو میں لائبریری سے دیکھ لوں گی۔''

''ہاں، وہ بتاتی ہوں۔ ویسے اس میں سروے رکھ کر تم نے اچھا کیا۔'' میڈم نے کاغذات پر دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر سر اٹھاتے ہوئے وہ کچھ دیر تک اسے بتاتی رہی کہ کیا کچھ کرنا ہے۔ شبانہ مطمئن ہوگئی تو میڈم نے پوچھا۔''تم فکر نہ کرو، یہاں سے میرا خیال دو تین اور سٹوڈنٹ ہیں۔ جن کی ٹی وی کے متعلق ریسرچ ہے۔ آپ لوگ اکٹھے چلے جانا۔''

''وہ میں دیکھ لوں گی کہ کس طرح سہولت رہتی ہے۔ آپ بس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے لیٹر بنوا دیں۔'' اس نے کہا

''ہاں، وہ کل مل جائے گا تمہیں۔ اور کوئی بات؟'' میڈم نے پوچھا

''بہت شکریہ۔'' شبانہ نے کہا اور اٹھ گئی۔

وہ آفس سے باہر نکلی تو اس کی توقع کے مطابق سعدیہ وہیں راہداری میں کھڑی سوچوں میں گم تھی۔ وہ اس کے قریب چلی گئی۔ سعدیہ نے اس کا احساس کر کے زخمی سی مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

''ارے واہ۔! لگتا ہے کہ اس وقت دنیا کی مظلوم ترین مخلوق تم ہی ہو۔'' شبانہ نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''مجھے کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا ہے، اس لئے کیا کروں؟'' وہ اکتاتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''آؤ، چلو لان میں بیٹھتے ہیں۔ وہیں باتیں کرتے ہیں۔'' شبانہ اسے ساتھ لے کر کاریڈور سے نکلی۔ راستے میں دونوں خاموش رہیں اور لان میں آگئیں۔ لان کے گوشے میں ایک سنگی بینچ خالی تھا۔ وہاں اور سٹوڈنٹ بھی تھے۔ وہ دونوں اس سنگی بینچ پر جا بیٹھیں تو شبانہ نے کہا۔

''دیکھو سعدیہ، تمہیں مظلوم بننے کی ضرورت نہیں اور نہ میں یہ کہوں گی کہ تم اپنے والدین سے کوئی بدتمیزی والا رویہ اپناؤ۔ انہیں بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو۔ میرا نہیں خیال کہ وہ تمہاری بات رد کریں گے۔''

''تم پتہ نہیں کس طرح سوچتی ہو۔ میں اپنے والدین کو زیادہ جانتی ہوں۔ ان کا معیار امارت ہے۔ جس لڑکے سے وہ میری شادی کر دینا چاہ رہے ہیں۔ اس کا بزنس تین ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے لئے تو میرے والدین مجھے قربان کر دیں گے۔'' سعدیہ نے کہا۔

''تم اپنی بات دلائل سے ثابت کرو کہ تم اس کے ساتھ اچھا وقت نہیں گزار پاؤ گی۔'' شبانہ نے کہا

''اس معاملے میں وہ مجھے جاہل اور احمق کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دولت سے ہر شے خریدی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ سکون بھی۔ تیز دھوپ میں، اے سی کے پرسکون ماحول میں وقت، وہی وقت گزار سکتا ہے، جس کے پاس دولت ہے۔ غریب آدمی یا تو گرمی جھیلے گا یا پھر تیرے جیسے ناصحوں کے دیئے قناعت کے درس کو یاد کرتے ہوئے وقت گذارے گا۔ دولت ایک حقیقت ہے۔ میں بھی مانتی ہوں مگر بندے کا کوئی کردار تو ہونا چاہیے۔'' سعدیہ نے تیز لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ بولی

''وہ شراب پیتا ہے، عورتوں کی محفلوں میں خوش رہتا ہے، یہ ان کے ماحول کی عام سی باتیں ہیں۔ ان کی عورتیں کیا کرتی ہیں۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ میں اس ماحول میں خود کو ایڈجسٹ کر پاؤں گی۔'' سعدیہ نے تقریباً رو دینے والے انداز میں کہا تو وہ چونک گئی۔ یقیناً وہ کچھ دیر پہلے غلط سوچ رہی تھی۔ وہ اسے محض خیالی دنیا میں رہنے والی لڑکی تصور کر کے بدگمانی کر چکی تھی۔ یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا۔ تب اس نے سوچتے ہوئے پوچھا

''تمہیں اس ماحول سے نفرت ہے یا اس بندے کے کردار سے؟''

''ظاہر ہے بندہ، اس کا کردار ہی ماحول بناتا ہے نا۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بڑے کرب سے بولی ''شبانہ، تم زندگی کو دو اور دو چار کے حساب سے دیکھ رہی ہو، لیکن ایسا ہے نہیں۔ ہر عورت کے من میں ایک گھر کا تصور موجود ہوتا ہے۔ اور گھر پرسکون اور

محبت کی لطافتوں سے رچا بسا ہوتا ہے۔ ان ساری چیزوں کو انسان بناتا ہے۔ اگر میری حیثیت ایک شوپیس کی ہے تو اس میں میری مرضی کا تھوڑا بہت دخل تو ہوگا۔'' وہ اجنبی سے لہجے میں بولی۔

''ویسے میں یہی سمجھتی تھی کہ تم ایک خیالی دنیا میں رہنے والی لڑکی ہو اور۔۔'' شبانہ نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹ کر بولی

''خیالی دنیا سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کے ذہن میں ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تو وہ زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔ میرے من میں بھی ہے اور تمہارے من میں بھی یقیناً ہو گی۔ اسے ہم مختلف نام دے دیتے ہیں۔ قدرت نے یہ بڑا اچھا کیا ہے کہ انسان کو یہ صلاحیت بھی دے دی ورنہ تو گھٹ کر مر جاتا۔ اب یہ مت پوچھنا کہ میرے من میں کیا ہے۔''

''ایسا بھی نہیں ہو سکتا تا کہ معاشرتی پابندیوں سے ماورا ہو کر ایک انسان کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جو چاہے سو کرے۔'' شبانہ نے جان بوجھ کر یہ کہا تا کہ اس کے اندر کا غبار صاف ہو جائے۔

''انسان کبھی بھی آزاد نہیں رہ سکتا۔ اس کی اپنی جسمانی ساخت ہی اسے دوسروں کا محتاج کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے ہی تو اس نے معاشرتی زندگی کو اپنایا ہے۔ آزادی کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں پر جبر کیا جائے۔ آزادی تو یہ ہے کہ انسان کو مثبت قوتوں کو اظہار کے ایسے مواقع ملیں کہ وہ آزادی سے اپنی صلاحیتیں آزما سکے۔ اب مجھے وہ ماحول پسند نہیں اور نہ ہی میں اس ماحول میں جینا چاہتی ہوں لیکن مجھے اس جانب دھکیلا جا رہا ہے۔ میں اس پر بات کروں گی تو یہی معاشرہ مجھے سب سے پہلے مطعون قرار دے دے گا کہ میں اپنے والدین سے بغاوت کر رہی ہوں۔ ایک شاندار زندگی کو ٹھوکر مار رہی ہوں۔ لوگ تو ترستے ہیں۔ بھئی وہ ترستے رہیں، میرے لئے وہ شاندار نہیں ہے۔'' سعدیہ الجھے ہوئے انداز میں کہتی چلی گئی۔

''تو پھر تم کیا کرو گی؟'' شبانہ نے ہولے پوچھا۔

''میں نے کیا کرنا ہے، ایک مشرقی لڑکی کی مانند وہی کروں گی جو میرے والدین چاہیں گے۔ پھر ساری زندگی عذاب بھگتوں گی۔ اپنی مرضی سے ہٹ کر جیوں گی۔ اپنی نا آسودہ خواہشوں کی تکمیل میں زندگی گذارتے ہوئے ایک دن یونہی ختم ہو جاؤں گی۔'' اس

نے انتہائی مایوسی سے کہا۔ لیکن شبانہ کے لئے ایک سوچ چھوڑ گئی۔ وہ چند لمحے اس نکتے کو ذہن میں بٹھانے کے لئے خاموش رہی، پھر بولی۔

''اتنا مایوس بھی نہیں ہوتے۔ اپنی ساری سوچوں کو جھٹک دو۔ آؤ، تمہیں ایک مزے کی کافی پلاؤں۔ اپنا موڈ خوشگوار کرو کل اس پر بات کریں گے۔ کل تک کے لئے اس کو بھول جاؤ۔''

''ایسے ہوگا نہیں۔ لیکن تم کہتی ہو تو کوشش کرتی ہوں۔'' سعدیہ نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کر اس کے ساتھ چل دی۔

اس دن کیمپس سے آنے کے بعد شبانہ نے ظہر کی نماز ادا کی اور اپنے بیڈ پر ایک جانب سمٹ کر بیٹھتے ہوئے سعدیہ کے بارے میں سوچنے لگی کہ وہ جتنی آزاد ہے، اپنے ماحول میں اس قدر روشن خیال تصور کی جاتی ہے۔ لیکن اس کا خمیر تو مشرقی ہے، مشرقی عورت اپنی سوچ اور ماحول کے تابع جتنی مرضی آزاد ہو جائے لیکن اس کی کہیں نہ کہیں ایک حد اسے شرم یا حیا کا احساس دے جاتی ہے۔ اور پھر سعدیہ ایسی لڑکی نہیں ہے جو مکمل طور پر مغربی ثقافت کی دلدادہ ہے یا اس طرز کی زندگی چاہتی ہے۔ کچھ ایسا ہے، جس کے باعث وہ کسی ایسے شخص سے متنفر ہے اپنی ازدواجی زندگی میں بھی آزادی کا قائل ہے۔ اس نے کہا کہ اس کے والدین ایسی سوچ رکھتے ہیں کہ دولت سے ہر شے خریدنا ممکن ہے۔ تو بھلا حیا یا شرم بھی خریدی جا سکتی ہے؟ پاک دامنی دولت سے لا سکتے ہیں؟ لیکن ان کے ہاں اس کا احساس نہیں ہے، قدر و قیمت نہیں ہے۔ ایسی باتوں کی تو وہ گنتی میں ہی نہیں لاتے۔ شبانہ کو یہ سب سوچتے ہوئے حیرت ہو رہی تھی کہ سعدیہ کے جو بھی خیالات رہے ہوں وہ اس سے جتنا مرضی بحث کرتی ہے۔ نجانے کہاں کہاں سے دلائل اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیتی ہے۔ اس کے حجاب کا، گھٹے ہوئے ماحول کا، مذہبی تنگ نظری کا یا جو بھی وہ اس کی مخالفت میں کہتی تھی۔ دراصل وہ اسکے اپنے ہی الجھے ہوئے خیالات ہیں۔ اس کے پاس غور و فکر کے لئے جو مرکزی نقطہ نہیں ہے۔ جس کے محیط پر وہ اپنے سوچ کو پختہ کر سکے۔ ابھی اس کی مٹی میں نم ہے۔ وہ زرخیز ہے، اس کی زمینِ فکر پر اگر جھاڑ جھنکاڑ اُگا ہوا ہے تو اس میں قصور اس کا نہیں، اس ماحول کا ہے۔ جس نے درست فصل کا بیج نہیں بویا۔ ورنہ فکر ثمر آور ضرور ہوتی۔ اب اگر اس سے یہ توقع کی جائے کہ فوراً زرخیز زمین ثمر آور فصل دے دے گی تو یہ

سوچ درست نہیں ہے۔پہلے جھاڑ جھنکاڑ صاف کرنا ہوگا۔پھر کہیں جا کر زمین تیار ہوگی اور تب بیج ڈالا جائے گا۔یہ اس کی غلطی تھی کہ وہ سعدیہ کو پہچان نہیں سکی۔اس نے کبھی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کے من کو ٹٹول سکے۔بس اپنی ہی کہتی رہی تھی۔اس کا ظاہر دیکھ کر طے کر لیا کہ وہ ایک خواب زدہ لڑکی ہے۔شبانہ کے اندر اپنی غلطی کا احساس ابھرنے لگا۔یہ اس کی اپنی کوتاہی تھی کہ وہ اسے سوچ فکر نہیں دے سکی۔اگرچہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ کسی وقت اسے بتائے گی کہ میں حجاب کیوں لیتی ہوں۔پھر سعدیہ کا جی چاہے تو اسے قبول کرے یا نہ کرے۔اورطرح کی بہت ساری باتیں تھیں جو ان کے درمیان ہوتی رہتی تھیں۔یہ اچھا ہوا کہ وہ ایسے اپنے خیالات بتا دیتی تھی۔لیکن جہاں وہ ہٹ دھرمی پر اترتی تو خاموش ہو جاتی۔اب وقت اور حالات نے اسے ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں وہ ٹھٹک کر کھڑی تھی۔اور یہی وہ لمحہ تھا جب اس کی بھرپور رہنمائی کی جاسکتی تھی۔

شبانہ نے یہ سب بڑے خلوص سے سوچا اور پھر اپنے طور پر ایک فیصلہ کر لیا۔وہ سعدیہ کی مدد ضرور کرے گی۔یہ اس کا حق ہے اور فرض بھی۔یہ فیصلہ کر کے اسے بہت آسودگی محسوس ہونے لگی تھی۔

❁......❁......❁
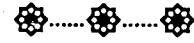
زرق شاہ کو آؤٹ ڈور پر آئے ہوئے تیسرا دن تھا۔اگرچہ گاؤں کا وہ سادہ ماحول، خوشگوار اور دلفریب نظارے بہت بھلے لگ رہے تھے لیکن دن رات کی شوٹنگ سے وہ تنگ آ چکا تھا۔ہما جو اس کے ساتھ اسکینڈل بنوانے اور خلوص سے دوستی نبھانے کی باتیں کرتی رہی تھی، دوسرے دن ہی واپس چلی گئی تھی۔اس نے بڑے سکون سے کہہ دیا تھا کہ شوٹنگ ہے یار کیا کروں لوکیشن پر جانا ہے۔اور وہ بڑے سکون سے سنتا رہا اور اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔جیسے ہی وہ گئی تو زرق شاہ کا یہ احساس مزید بڑھ گیا کہ دنیا کس قدر خود غرض ہے۔صرف اپنے مطلب کے لئے کتنی میٹھی زبان استعمال کرتی ہے۔وہ ہما کی ساری باتیں مان لیتا تو شاید وہ ایک دن مزید اس کے لئے رک جاتی۔پھر خود ہی یہ سوچ کر مسکرا دیا کہ وہ کس ناطے رک جاتی۔ان میں نہ تو کوئی دوستی ہے اور نہ ہی کوئی ایسا تعلق جس پر مان کیا جاسکتا ہو۔اسے اتنے لوگوں کے درمیان بھی شدید تنہائی کا احساس ہوا اور یہ احساس تیسرے دن مزید بڑھ گیا۔تب اس نے باقر رضوی سے پوچھا

''رضوی۔!میرے کتنے سین رہ گئے ہیں؟''

''بس ایک ہی ہے میری جان،آج شام تم واپس چلے جاؤ گے۔''اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''تو کرلیں ناوہ،میں جاؤں۔''زرق شاہ نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا لیکن لہجہ اکتاہٹ بھرا تھا۔

''بس تھوڑا صبر، کر لیتے ہیں وہ بھی۔''باقر رضوی نے کہا۔

''ٹھیک ہے رضوی صاحب،جیسے آپ کہیں۔''اس نے کہا اور الگ سے جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس وقت حویلی کے اندر ایک سیٹ پر''بے جی''کے سین تھے۔زیادہ تر سین ہو چکے تھے۔بس صحن میں ایک جذباتی سا سین رہتا تھا۔بے جی کا کردار کرنے والی ایکٹر بڑی دھانسو قسم کی عورت تھی۔وہ ابھی تک تیار ہو کر باہر نہیں نکلی تھی۔سارا یونٹ اس کا انتظار کر رہا تھا۔زرق شاہ کی ذہنی رو اس عورت کی طرف چلی گئی۔وہ اس ڈرامہ سیریل میں اس کی ماں بنی ہوئی تھی لیکن حقیقی دنیا میں وہ شاید اسے احترام کا درجہ بھی نہ دیتا۔فطری طور پر شوبز کی دنیا میں بھی طاقت ہی چلتی تھی۔جس ایکٹر کی دوسرے فنکار کی پشت پر کوئی جتنا طاقتور ہوتا تھا وہ اس دنیا میں اتنا زیادہ ہی دکھائی دیتا ہے۔اصل میں یہاں سرمایہ کاری کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو خود طاقتور ہوں۔انہیں تو وہی لوگ عزیز ہوں گے جو نہ صرف ان کے لئے سرمایے کی حفاظت کریں بلکہ ان کے بھی خیر خواہ ہوں۔کسی زمانے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ جس نے کالے دھن کو سفید کرنا ہے وہ یہاں سرمایہ کاری کرے۔بڑا منافع بخش کاروبار ہے۔اور یہی وجہ بنی کہ فلم انڈسٹری زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔پھر اداکاروں کی کھیپ میں سارے وہی لوگ تو نہیں ہوتے جو فن ہی کے لئے آتے ہیں۔اس کے علاوہ اور بڑے مقصد ہوتے ہیں جنہیں حاصل کیا جاتا ہے۔زرق شاہ نے سوچتے سوچتے پھر وہی پرانی بات سوچنے لگا کہ آخر میں کیوں اس دنیا میں اتنی محنت کرتا چلا جا رہا ہوں؟

وہ ایک امیر باپ کا بیٹا تھا۔جس کا بزنس پھیلا ہوا تھا۔دولت کی اس کے پاس کمی نہ تھی۔عزت تو اس کے اردگرد رہنے والے سبھی لوگ کرتے تھے۔ایک شہرت تھی جس کے لئے اس نے یہ راستہ چنا۔شوبز کی دنیا میں چکاچوند ہی تو ہوتی ہے۔اسے گمان بھی نہیں

تھا کہ گلیمر کی اس دنیا میں کس قدر اکتاہٹ اور پریشانی ہے۔سکرین پر دکھائی دینے والی دنیا اس کے دماغ پر اس طرح چھا گئی کہ اس نے اداکار بننے کا فیصلہ کر لیا تھا۔شروع شروع میں اس نے بڑی دولت لگائی تھی۔اس دور میں ایک جنون تھا کہ میں یہ مقام حاصل کر کے رہوں گا جس کی تمنا میرے دل میں ہے۔یہی جنون اسے آگے ہی آگے لے جاتا رہا اور اس وقت وہ اپنے طے کئے مقام کے لب بام تھا۔وہ اکثر سوچتا کہ اس راہ میں گنوایا کیا ہے؟صرف اور صرف اپنے والدین اور بہن کے ساتھ گذارا جانے والا وہ وقت جو انہیں دینا چاہیے تھا۔گذرتے وقت کے ساتھ گھر والوں نے بھی نظر انداز اسے کرنا شروع کر دیا۔تاہم اس نے پایا بھی بہت کچھ تھا۔مطلب نکل جانے پر فوراً آنکھیں پھیر جانے والے،دوسرں کو لتاڑنے اور ان کا حق غصب کرنے والے،سازشیں کر کے اپنی جگہ بنانے والے،سادہ اور پر خلوص لوگ جو اسے سراہتے تھے،کبھی کبھی تو وہ ایسی دنیا میں پہنچ جاتا جہاں وہ خود حیراں رہ جاتا کہ لوگ ایسی محبت سے بھی ملتے ہیں۔شوبز کی دنیا کو وہ جس قدر جانتا چلا جا رہا تھا۔اس کا اپنا آپ بھی ویسا ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔اس ماحول کا رنگ ڈھنگ وہ اختیار کر چکا تھا۔وہ بھی اس دنیا کو وہی کچھ لٹا رہا تھا جو اس نے دیا تھا۔وہ اگر کبھی بہت پریشان ہوتا تو پرانی یادیں دہراتا تھا،جن میں وہ بہت سادہ تھا۔اپنے دوستوں کو یاد کرتا جو اب نجانے کہاں تھے۔ان دنوں میں جو زندگی کے رنگ تھے،اسے زیادہ بھلے محسوس ہوتے تھے۔

''شاہ جی آجائیں۔''کسی نے اسے پکارا تو وہ اپنے خیالات سے نکل آیا اور پھر شوٹنگ میں مصروف ہو گیا۔

اس وقت سہ پہر ہو رہی تھی،جب وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ اس گاؤں سے نکلا۔ ان تین دنوں میں اسے یہاں زیادہ تنہائی ملی تھی اور اس نے بہت سوچا تھا۔اس لئے واپس شہر کی جانب آتے ہوئے اس پر یہی سوچیں سوار تھیں۔صورت حال یہ نہیں تھی کہ وہ مایوس تھا۔بلکہ وہ اس دنیا پر غور و فکر کرنے کے بعد مزید آگے بڑھنے کے راستے تلاش کرتا تھا۔اس دنیا کے رنگ ڈھنگ پر سوچتا۔تعلقات کو مزید وسعت کے بارے میں نئے نئے پہلو ڈھونڈتا رہا تھا۔اس کے ساتھ بیٹھا سیکریٹری خاموش تھا۔آدھے سے زیادہ سفر طے ہو گیا تو اس نے خاموشی کو توڑا۔

''سر جی کیا بات ہے،بڑے خاموش ہیں آپ؟''

''بس یار،بڑی بوریت ہوئی یہاں پر آکر،یہ رضوی کی سیریل نہ ہوتی نا تو کبھی نہ آتا۔''زرق شاہ نے اکتاہٹ سے کہا تو اس نے دبے بے جوش سے کہا

''لیکن سر جی،یہ سیریل بڑی ہٹ جائیگی،آپ کو ابھی سے بتا دوں۔آپ شاید اس سیریل کے رائٹر سے نہیں ملے۔میں نے اس سے بڑی لمبی گپ شپ کی ہے۔اس سے پوری کہانی سنی اور اسکرپٹ بھی دیکھے ہیں۔''سیکریٹری نے یوں کہا جیسے بہت بڑا معرکہ مارا ہو۔

''تو۔!''اس نے ہنکارا بھرا

''یہ بڑی منفرد سی کہانی ہے۔لیکن اس بے چارے رائٹر کے نام سے نہیں جائے گی۔یہ پروڈیوسر کے نام سے جائے گی؟''سیکریٹری نے افسوس سے کہا تو زرق شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''میں نے رضوی کی باتیں سن لی تھیں۔وہ ایک دن فون پر بات کر رہے تھے۔اصل میں اس رائٹر کا نام نیا ہے۔اور رضوی اس پر رسک نہیں لینا چاہتے،اس لئے اپنی سیریل کے ساتھ ایک بڑا نام لیں گے۔''سیکریٹری نے کہا تو وہ بولا

''بس یار،اس دنیا میں یہی چلتا ہے،دوسرں کا فن غصب کر کے اپنا مطلب نکالتے ہیں۔اور پھر اس پر شرمندگی بھی محسوس نہیں کرتے۔اصل میں ہر بندہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے کھڑا ہونے کے لئے دوسرں کا سہارا لیتا ہے۔لیکن اس کا کاندھا دبا کر رکھنا چاہتا ہے تاکہ اپنے جگہ قائم رہے۔حالانکہ اصل شے تو رائٹر کا خیال ہے،جس پر باقی لوگوں نے رنگ بھرنے ہوتے ہیں۔''

''سر جی یہ اب ہی ایسا ہو رہا ہے۔ورنہ پہلے رائٹر کی اہمیت ہوتی تھی۔طویل نشستیں ہوتی تھیں،کہانی پر بحث ہوتی پھر کہیں آگے کام بڑھتا تھا۔لیکن اب تو۔۔۔'' سیکریٹری نے مایوسی سے کہا

''ایسا تو بس اسی ملک میں چل رہا ہے،ورنہ دنیا کو دیکھو۔اس شعبے میں کہاں سے کہاں چلی گئی ہے۔بلکہ میں نے تو ایک عالمی ہدایت کار کی یہ بات پڑھی تھی۔ایک صحافی نے اس سے تازہ فلم کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں تک پہنچی ہے۔کیونکہ اس فلم کو چند سال لگ گئے تھے۔اس پر ہدایت کار نے جواب دیا تھا کہ سب مکمل ہو گیا،اب فقط شوٹنگ

رہتی ہے۔اور یہاں عالم یہ ہے کہ رائٹر بھی سیٹ پر آ کر لکھتے ہیں۔ظاہر ہے،اس میں بھی تو پڑھے لکھے اور تحقیقی لوگ آئیں گے تو اعلیٰ درجے کی بزنس والی فلمیں بنیں گی۔''

''پھر تو میرے جیسے بندے کی روزی روٹی ختم ہے سر جی؟'' سیکریٹری نے ہنستے ہوئے کہا تو زرق شاہ بھی کھلکھلا کر ہنس دیا

''ارے نہیں یار،کم از کم اس ملک میں ایسا دور نہیں آنے والا،یہاں بہت سارے عوامل ہیں جو میڈیا کو آگے نہیں بڑھنے دے رہے،جیسا شوبز کو آگے بڑھنا چاہیے تھا۔'' زرق شاہ نے کہا

''لیکن شوبز کی کشش تو ختم نہیں ہوئی ۔ یہ بزنس تو اب بھی اچھا خاصا منافع بخش ہے۔'' سیکریٹری نے سمجھنے والے انداز میں کہا

''ہے،ابھی تک منافع دیتا ہے یہ بزنس۔تفریح کے نام پر ہو کیا رہا ہے۔سینما ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ چھوٹی سکرین نے لے لی ہے۔جو اپنے اثرات کے لحاظ سے چھوٹی نہیں ہے۔دنیا بھر کی ثقافت اس چھوٹی سکرین میں سمٹ آئی ہے۔بجائے اس کے کہ ہم اپنی ثقافت پیش کریں،ہم نقالی پر اتر آئے ہیں۔جو ظاہر ہے دوسرے ملک کی ثقافت کو آگے بڑھانے والی بات ہو گی۔اس طرح لاشعوری طور پر ہم اپنی ثقافت کو تاریکیوں میں دھکیل رہے ہیں۔'' زرق شاہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''سر جی،میری سمجھ میں تو ایسی باتیں نہیں آتیں۔آپ ٹھہرے پڑھے لکھے بندے،آپ ان باریکیوں سے واقف ہیں۔ہمارا جو کام ہے،اسے ہم محنت سے کر رہے ہیں۔'' سیکریٹری نے اپنی طرف سے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

''بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی،اس سے آگے تک جاتی ہے۔خیر،تم جو کہہ رہے ہو وہ ٹھیک ہے۔'' زرق شاہ نے کہا اور سکون سے سیٹ کی پشت پر اپنا سر لگا دیا۔سفر کٹ رہا تھا اور وہ اپنے طور پر سوچنے لگا کہ چاہے بڑی سکرین ہو یا چھوٹی ۔اس میں دولت وہی کماتا ہے جو عوام کے مزاج اور جذبات کے مطابق چیز دیتا ہے۔یہاں صرف تفریح دی جا رہی ہے۔اس میں ہماری ثقافت ہو یا نہ ہو،ایسے میں اصل مقصد فن یا ثقافت کو پیش کرنا تو نہیں ہے نا۔اس کے علاوہ کچھ اور ہو سکتا ہے۔یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سارے لوگ فن کی خدمت کے لئے یا کسی مقصد کے لئے اکٹھے ہیں۔اس کے علاوہ اور بہت ساری دلچسپیاں

ہوں گی ۔جس کے باعث وہ اس شعبے سے منسلک ہیں اور وہ جانتا تھا کہ کیسے کیسے لوگ ہیں جو شوبز کا لیبل لگا کر کیا کچھ کرتے پھر رہے ہیں۔وہ ان سب کو دیکھتا اور پھر اپنے محنت کا موازنہ کرتا۔ وہ صرف یہی دیکھ رہا تھا کہ وہ خود ان سب میں نمایاں کیسے رہ سکتا ہے۔ اپنی جدوجہد کے دور میں اس نے بہت سارے لوگوں کو پرکھا بھی تھا۔کئی لوگوں نے اگر اس کی انگلی پکڑ کر آگے جانے کے لئے رہنمائی کی تھی تو چند لوگوں نے اسے لتاڑا بھی تھا۔وہ ساری یادیں اور سارے رویئے اس کے ذہن میں تھے۔اس وقت اس کی انا کو بڑی تسکین ملتی تھی جو کوئی ایسا بندہ اس کے سامنے جھکا ہوا ہوتا جس نے کبھی اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔اور اس بندے کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا تھا، جسے وہ کسی بھی وجہ سے پسند نہ کرتا ہو۔

وہ اپنی سوچوں میں کھویا ہوا شہر آن پہنچا۔ اگر چہ وہ گھر سے بہت دور تھا لیکن اسے سکون کا احساس ابھی سے ہونے لگا تھا۔اس نے ساری سوچوں کو جھٹکا اور باہر کی رنگینیوں میں کھو گیا۔

❀......❀......❀
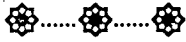
اس وقت شبانہ وقار ٹی وی اسٹیشن کے جنرل مینیجر کے پاس بڑے اعتماد سے بیٹھی ہوئی تھی۔ان کے درمیان رسمی سی گفتگو ہو چکی تھی اور شبانہ نے تفصیل سے اپنا مقصد بتا دیا تھا۔تب جنرل مینیجر نے اسے سامنے پڑی ہوئی لسٹ پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''بڑی خوشی ہوئی مس شبانہ کہ آپ ایک مختلف پہلو سے شوبز کو دیکھ رہی ہیں۔امید ہے کہ آنے والے طالب علم بھی شوبز کو اہمیت دیں گے۔آپ کی میڈم میری کو لیگ رہی ہیں۔ میرے لئے بہت محترم ہیں۔ان کا فون آیا تھا اور انہوں نے خصوصی طور پر آپ سے تعاون کرنے کے لئے کہا تھا۔جس حد تک ممکن ہو سکا،میں آپ سے تعاون کروں گا۔''

''جی بہت شکریہ!'' شبانہ نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا تو جنرل مینیجر نے دوبارہ لسٹ کو دیکھا اور کہا

''اگرچہ ہماری لائبریری آپ کے لئے حاضر ہے تاہم آپ نے چونکہ زیادہ تر انٹرویو کرنے ہیں اور آپ کی اس فہرست میں جو چند مخصوص شخصیات ہیں۔میں آپ کو ان کے نمبر دے دیتا ہوں۔آپ خود بھی رابطہ کر لیجے گا۔ میں بھی کہہ دیتا ہوں۔''اس نے اطمینان بھرے انداز میں کہا اور انٹر کام پر کسی کو اندر آنے کے لئے۔

"جی بہت بہتر۔" شبانہ بولی تو ایک سیکریٹری نما لڑکی کمرے میں آ گئی جسے دیکھتے ہی جنرل مینیجر نے کہا

"یہ فہرست لیجئے۔" اور ان کے نمبرز مس شبانہ کو دے دیں۔ انہوں نے ان سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ آپ ان سب سے کہہ دیں کہ میں نے کہا ہے۔"

"جی، میں کہہ دیتی ہوں۔" اس لڑکی نے فہرست پکڑتے ہوئے کہا

"اور ہاں، پتہ کریں کہ اس فہرست میں شامل، کوئی صاحب ابھی ادھر ہیں تو مس شبانہ کو ان سے ملوا دیں۔" جنرل مینیجر نے کہا اور شبانہ کی جانب دیکھ کر بولا، "آپ ان کے روم میں جائیں ان کے ساتھ۔ یہ آپ کو اچھی سی کافی پلوائیں گی۔"

"جی تھینک یو۔" شبانہ نے اُٹھتے ہوئے کہا اور لڑکی کے ساتھ چل دی۔ وہ دونوں ایک کمرے میں پہنچیں تو سیکرٹری نے کہا

"تشریف رکھیں، میں پتہ کرتی ہوں، آپ اتنی دیر میں کافی پئیں۔"

"کافی کے لئے بہت شکریہ، میں نہیں پیئوں گی، آپ معلوم کریں" شبانہ نے سکون سے کہا تو سیکرٹری انٹرکام کی جانب متوجہ ہو گئی۔

کچھ دیر بعد سیکرٹری نے شبانہ وقار کو ایک سجے ہوئے کمرے میں قریشی صاحب سے ملوا دیا۔ وہ ان دنوں ایسے پروڈیوسرز میں شمار ہوتے تھے، جن کا نام تھا اور بے شمار کام ان کے کریڈٹ پر تھا۔ سیکرٹری تعارف وغیرہ کے بعد چلی گئی۔ قریشی ایک موٹا سا گنجا شخص تھا۔ اس نے سنہری کمانی دار عینک لگائی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے کافی سارے کاغذ پھیلے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے کہ ان میں کوئی بات شروع ہوتی۔ دروازہ کھلا اور زرق شاہ کے ساتھ نوخیز سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے ایک دبلا پتلا سا شخص تھا۔ ان تینوں نے بڑی معنی خیز نگاہوں سے حجاب میں لپٹی شبانہ وقار کو دیکھا، پھر حیرت اور تجسس ملی نظروں سے اردگرد پڑی خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ قریشی نے ان سب کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"آپ زرق شاہ ہیں۔ اس وقت اداکاروں میں ان کا بڑا نام ہے۔ ممکن ہے سکرین پر آپ نے انہیں دیکھا ہو اور ان کے نام اور کام سے آپ واقف ہوں گی۔ یہ ساتھ میں نیہا ہیں۔ یہ بھی اب اپنا نام بنا رہی ہیں۔ بہت تھوڑے وقت میں انھوں نے اپنا نام بنا لیا

ہے۔ اور ساتھ میں مشہور ڈرامہ نگار رازی صاحب ہیں۔" یہ کہہ کر وہ ان تینوں سے شبانہ کا تعارف کروانے لگے۔ اس دوران شبانہ کی نگاہیں نیہا پر ٹک گئیں جو انتہائی تنگ اور مختصر سے لباس میں موجود تھی۔ اس کے چہرے پر اچھا خاصا میک اپ تھا اور نگاہوں میں اکتاہٹ بھرا تاثر تھا۔ اس کے ساتھ زرق شاہ تھا جو چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ اور نگاہوں میں ہلکی سی ہتک آمیز رمق لئے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ البتہ رازی کا نہ صرف چہرہ بے تاثر تھا بلکہ نگاہوں میں بھی کوئی جذبہ ہویدا نہیں تھا۔ شبانہ وقار کے لئے یہ طرزِ عمل کوئی نیا نہیں تھا۔ یہاں آتے ہوئے بہت سوں نے اسے ایسی ہی حیرت ملی اور تجسس بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ تعارف کا مرحلہ طے ہو جانے کے بعد قریشی نے کہا۔

"اچھا ہے کہ یہ بھی یہیں موجود ہیں اور آپ اپنی تحقیق کے حوالے سے ان کے تجربات اور معلومات سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔"

"جی بہت بہتر!" اس نے کہا تو رازی نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"مس۔! آپ نے تحقیق کے لئے جو موضوع چنا ہے، اس کے بارے میں بھی کچھ جانتی ہیں آپ؟"

"جی میں نے اس پر ہوم ورک تو کیا ہے، مزید سیکھنے کے لئے ہی تو یہاں تک آئی ہوں، ویسے آپ راہنمائی کریں گے کہ آپ کس پہلو کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔" شبانہ نے پوچھا

"میرا مطلب ہے آپ ثقافت کے بارے میں کیا جانتی ہیں؟" اس نے طنزیہ سے لہجے میں اپنی علمیت جتائی۔ تب شبانہ نے بڑے اعتماد سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو ثقافت کی حتمی تعریف نہیں ملی، اگر آپ کے علم میں ہے تو بتائیں۔"

"اس کا مطلب ہے آپ نے ہوم ورک کیا ہے، لیکن پھر بھی آپ بتائیں کہ آپ کے خیال میں ثقافت کیا ہے؟" رازی نے متاثر ہوتے ہوئے پوچھا تو وہ بولی۔

"میرے خیال میں ثقافت اکتسابی، شعوری یا ارادی طرزِ عمل کا نام ہے، مطلب ہماری تمام عادات، افعال، خیالات، رسوم واقدار اس میں شامل ہوتے ہیں جنہیں ہم ایک منظم معاشرے کے رکن کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس پر عمل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، اس میں بہت حد تک تاریخی اثرات بھی ہوتے ہیں۔"

"بہت خوب۔!" رازی نے سر ہلاتے ہوئے کہا جسے وہ اس کی معلومات کا اعتراف کر رہا ہو۔تب پروڈیوسر نے زرق شاہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا

"زرق شاہ،تم بھی کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ یہ حجاب میں لپٹی ہوئی مس شبانہ،آخر کس کلچر کی بات کرنے یہاں آئی ہیں۔یہ تو خود اپنے کلچر سے انحراف کر کے ہمارے سامنے بیٹھی ہیں ۔ایسے میں تو بات کرنا ہی فضول ہے،یہ تو نری منافقت ہے نا؟" اس کے لہجے میں طنز کے ساتھ ہتک آمیز احساس چھلک رہا تھا۔

"نہیں شاہ جی،یہ حجاب تو اسلامی ثقافت کا حصہ ہے۔" رازی نے تیزی سے کہا۔

"تو پھر اسلامی ثقافت پر تحقیق کریں۔ہماری روایت تو یہ نہیں ہیں اور نہ ہی ہماری یہ ثقافت ہے۔ اسلامی ثقافت،شوبز، اور یہ حجاب۔۔۔ موضوع بنتا نہیں ہے سر جی۔فضول موضوع پر مغز کھپانا، وقت ضائع کرنے والی بات ہی ہے نا۔" زرق شاہ تیزی سے بولا تو قریشی نے شبانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ زرق شاہ کی رائے پر آپ کیا کہیں گی؟"

"دیکھیں یہ انسانی حق ہے کہ وہ اپنے تحریر اور تقریر میں آزاد ہے۔میں ان کی سوچ کو غلط یا درست کہنے کی مجاز نہیں ہوں۔یہ ان کا حق ہے کہ جیسی بھی سوچ رکھیں۔" شبانہ نے کمال تحمل سے کہا تو اس پر وہ نوخیز تنگ کپڑوں والی اداکارہ نیہا تیزی سے بولی۔

"اصل میں ان بی بی صاحبہ کے پاس جواب نہیں ہے،ورنہ ضرور کہتیں۔"

"جواب تو ہے اور وہ بڑا تفصیلی جواب ہے لیکن میں آپ لوگوں پر اپنی رائے مسلط نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی بحث کرنا چاہتی ہوں۔میں تو اپنے موضوع کی مناسبت سے آپ کی رائے لینے آئی ہوں۔" وہ بڑے نرم لہجے میں بولی

"جواب !۔۔۔کیا دے سکتی ہیں یہ جواب ۔اور پھر انسانی حقوق کی بات۔ حالانکہ خود یہ جس طبقے کی نمائندگی کر رہی ہیں۔وہاں انسانی حقوق کو بے دردی سے پامال کیا جاتا ہے۔اس کا ثبوت یہ خود ہیں۔حجاب میں لپٹی ہوئی لڑکی ، بلکہ نقاب میں چہرہ چھپائے لڑکی۔" زرق شاہ نے طنزیہ انداز سے کہا۔اس کے لہجے میں کافی حد تک احتجاج چھلک رہا تھا۔ایک دم سے کمرے کا ماحول بوجھل ہو گیا۔شبانہ نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔بلاشبہ

زرق شاہ وجیہہ تھا۔مردانہ وجاہت ایسی کہ کوئی بھی لڑکی اسے نظرانداز نہیں کر سکتی تھی۔وہ جو ایک خاص کشش ہوتی ہے، کافی حد تک جذباتی ہو جانے کی وجہ سے مزید بڑھ گئی تھی۔شبانہ نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔اب اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ اور آنکھوں میں تمسخرانہ انداز تھا۔جیسے وہ شبانہ کا مذاق اڑا رہا ہو کہ وہ کیسی باتیں کر رہی ہے۔ پتہ نہیں کیوں شبانہ کو اس شخص پر غصہ نہیں آ رہا تھا۔وہ چاہتی تو اتنی ہی تلخی سے بات کا جواب دے سکتی تھی مگر یہی وہ مواقع ہوتے ہیں، یہاں پر دی گئی تربیت کام آتی ہے۔وہ انہیں اپنی ہی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔وہ پہلی بار ایسے کسی ماحول میں آئی تھی اور وہ سمجھنا چاہ رہی تھی کہ ان لوگوں کی نفسیات کیا ہے۔ایسی کیا چکا چوند ہے جس سے لوگ متاثر ہو جاتے ہیں۔اس نے بڑے ہمدردانہ نگاہوں سے زرق شاہ کو دیکھا تا کہ بہت اچھے انداز میں اسے کوئی ایسا جواب دے کہ نہ صرف ماحول کا بوجھل پن ختم ہو جائے بلکہ وہ جس مقصد سے آئی ہے وہ پورا ہو جائے۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی رائٹر رازی نے کہا۔

"قریشی صاحب،آپ اس بچی کو پھر وقت دے دیں یا ہم دوبارہ آ جاتے ہیں۔ شاید اب مزید بات کرنے کے لئے ماحول نہیں رہا۔"

"کیوں کیا خیال ہے مس شبانہ؟" قریشی نے یوں کہا جیسے وہ بھی اس ماحول سے جان چھڑا لینا چاہتا ہو۔تب شبانہ نے کہا

"سر،میرے پاس سوالوں کی ایک فہرست ہے۔ آپ چاہیں تو ان کے جواب دے دیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" رازی نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔پھر لمحہ بھر توقف کے بعد بولا۔"اگر آپ مناسب خیال کریں تو وہ سوال نامہ مجھے دے دیں۔میں اس پر آپ کے لئے کوشش کروں گا۔"

"مس شبانہ، میرے خیال میں بھی یہ ٹھیک رہے گا۔" پروڈیوسر قریشی نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تو شبانہ نے اپنے بیگ سے فائل نکالی، اس میں سے سوال نامہ نکالنے لگی۔تبھی زرق شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"قریشی صاحب،انہوں نے کرنی تو شوبز کی مخالفت ہی ہے،ظاہر ہے نقاب پوش لڑکی تو اپنے انداز ہی سے ثقافت اور اس میں موجود روایات کو دیکھے گی۔"

''نہیں مسٹر شاہ ،آپ شاید موضوع کو نہیں سمجھ پائے ۔میں نے کہا تھا،شوبز کی روایات۔'' شبانہ نے فوراً تصیح کرتے ہوئے کہا۔''ویسے اگر آپ پڑھ سکتے ہیں تو یہ سوال نامہ دیکھ لیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے کاغذ اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔انداز ایسا تھا جس پر وہ تلملا اٹھا اور تقریباً غراتے ہوئے بولا

''آپ جس یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہیں۔اس کے سٹوڈنٹ وہاں کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتے،جہاں میں پڑھا ہوں۔عالمی معیار ہے اس کا۔''

''کیسی تعلیم ہوتی ہے وہاں مسٹر زرق شاہ،جس میں عورت سے بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں سکھایا جاتا۔کیا یہ اچھی بات نہیں ہے کہ میں آپ کی ہر تلخ بات کا تحمل سے جواب دے رہی ہوں۔'' شبانہ نے کہا تو زرق شاہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا،اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا وہ بولی۔''میرے خیال میں کوئی بھی ایسی ثقافت نہیں ہے جہاں انسان کو اپنی آگہی کا درس نہ ملتا ہو۔''

''کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟'' زرق شاہ نے طنزیہ انداز میں پوچھا

''یہی کہ ابھی آپ نے یہ کہا کہ آپ کی روایات یا ثقافت میں حجاب یا نقاب کرنے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے،کیا میں درست کہہ رہی ہوں شاہ جی؟'' اس نے بہت نرم لہجے میں پوچھا

''ہمارا کلچر اسلامی نہیں ،بلکہ دوسرے لفظوں میں کہا جائے تو عربی کلچر نہیں ہے،ہمارا کلچر ہندوستانی ہے،جس کے آثار قدیم موہنجوڈارو، ہڑپہ یا ٹیکسلا میں پائے جاتے ہیں۔شاید آپ اس سے واقف ہوں۔یہ زمین کئی صدیوں سے اپنی ثقافت اور روایات رکھتی ہے۔ممکن ہے اس وقت عربی کلچر اپنی شناخت بنا رہا تھا۔کیا اب آپ سمجھی ہیں؟'' اس نے شبانہ کی طرف دیکھتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''مان لیتی ہوں۔! جبکہ میرے موضوع میں ایسی کوئی بات نہیں جو حجاب کا تاثر دے،یا نقاب میں رہنے والا بات نہیں کر سکتا۔میرا موضوع ثقافت ہے۔ہماری ثقافت اور شوبز کی روایات'' شبانہ نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تا کہ اس کا ردعمل جانچ سکے۔

''آپ فقط موضوع کی بات کر رہی ہیں جبکہ میں اس کی روح سمجھ گیا ہوں۔'' اس نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ اپنے آپ کو اب تک نہیں سمجھ پائے۔شاید آپ کو بھی نہیں معلوم کہ آپ نے اپنی اب تک کی ساری گفتگو بے فائدہ کی ہے؟'' شبانہ نے پر اعتماد لہجے میں کہا تو وہ ایک دم سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا

''ظاہر ہے،آپ کو سچی بات تو اچھی نہیں لگے گی۔''

''اور سچ یہ ہے کہ آپ کو میرے موضوع سے نہیں ،میرے نقاب سے تکلیف ہوئی ہے۔'' اس نے اعتماد سے کہا

''بالکل۔! آپ ایک خاص طبقے کی نمائندہ ہیں۔یہ آپ ظاہر کر رہی ہیں۔یہ منافقت ہی تو ہے کہ آپ مردوں میں بیٹھی ہوئی ہیں مگر حجاب کے ساتھ۔یہ ایک اسلامی کلچر ہے؟'' زرق شاہ نے طنزیہ انداز میں کہا

''تو دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ بنا حجاب کے مردوں کے ساتھ بیٹھنا ہی آپ کا کلچر ہے۔'' شبانہ نے دبے دبے جوش سے کہا جبکہ اس کا انداز دھیما تھا۔اس پر زرق شاہ نے لمحہ بھر توقف کیا، پھر بولا

''بی بی۔! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں مگر اب واضح انداز میں کہے دیتا ہوں کہ آپ جس طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔اس کا کام سوائے تنقید کرنے کے اور کچھ نہیں ہے۔''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔'' وہ ایک دم سے اَڑ گئی۔

''تو پھر آپ سمجھ لیں کہ ہمارا کلچر تو یہی ہے۔'' وہ حتمی انداز میں بولا

''چلیں اب آپ نے لکیر کھینچ دی اور اندازہ ہو گیا کہ آپ لکیر کے اُس طرف ہیں۔میں مان لیتی ہوں کہ حجاب کے ساتھ یا نقاب کے ساتھ ہم اپنے معاشرے میں منافقت کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے،اس کا فیصلہ پھر آپ نہیں کر سکتے کہ آپ کا تو یہ کلچر نہیں ہے۔اس لئے آپ کو رائے زنی کا کوئی حق نہیں۔مگر آپ کو احساس ہے کہ آپ بذاتِ خود کھلے عام منافقت کر رہے ہیں ،اس پر فیصلہ بھی خود ہی دے رہے ہیں۔اس کا احساس ہے آپ کو۔'' اس بار شبانہ خاصی جذباتی ہو گئی تھی

''کیا مطلب ؟ آپ کہنا کیا چاہ رہی ہو؟'' اس نے پھر غراتے ہوئے یوں کہا جیسے اس کی انا پر کاری ضرب لگی ہو۔

''میں ایسی بات کہنا نہیں چاہتی ۔اگر کہہ دوں گی تو آپ کی بہت برا لگے گا۔اور

دوسری بات کہ یہ پھر جواب الجواب ہو جائے گا کہ آپ نے مجھے منافق کہا تو میں نے بھی آپ کو کہہ دیا۔ میرے خیال میں اس بحث کو یہیں سمیٹ کر بلکہ ختم کر کے اپنے بارے سوچا جائے کہ واقعی ہم کہیں منافقت تو نہیں کر رہے ہیں۔ اپنے ساتھ، دوسروں کے ساتھ۔'' شبانہ نے فائل میں سے مزید کاغذ نکالتے ہوئے کہا اور انہیں رائٹر اور پروڈیوسر کے آگے رکھتے دیئے۔ تب رائٹر رازی نے کہا

''آپ کی بات بہت حد تک ٹھیک ہے مس شبانہ، مگر ذہن میں رہ جائے گا کہ آخر شاہ جی کیا منافقت کر رہے ہیں آپ کے حساب سے۔''

''جی۔۔۔جی۔۔۔کہیے آپ۔'' قریشی نے بھی بدلے ہوئے لہجے میں کہا

''ان سے پوچھ لیں، کیا اجازت دیتے ہیں کہ میں کہہ دوں۔'' شبانہ نے یوں کہا جیسے وہ کہنا نہ چاہتی ہو لیکن ان کے کہنے پر مجبوراً کہنا پڑ رہا ہو۔

''ڈونٹ وری، آپ کہہ دیں۔'' زرق شاہ نے پہلو بدلتے ہوئے کہا

''آپ اپنے کو شاہ کہلواتے ہیں۔ کیا آپ سیّد ہیں، یا ویسے ہی نام رکھا ہوا ہے؟'' شبانہ نے یوں پوچھا جیسے تصدیق کر رہی ہو۔

''نہیں، یونہی نہیں کہلواتا۔ میں سیّد ہوں، سیّد زرق شاہ۔'' اس نے فخر سے کہا

''تو پھر آپ اپنے آپ پر غور کیجئے، آپ کون ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ آپ کی نسبت اسلامک کلچر سے بنتی ہے یا نہیں۔ اگر آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کس ثقافت سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ جہاں چاہیں، میں اس پر بات کرنے کو تیار ہوں۔ تفصیل سے بات کر سکتی ہوں۔ میں نے جو نقاب لیا ہے تو کم از کم میں اپنی نسبت سے منافقت نہیں کر رہی۔ فیصلہ آپ کر لیجئے۔'' شبانہ نے زرق شاہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا جو بری طرح چونک گیا تھا۔ اس کے چہرے پر لمحوں میں کئی رنگ آ کر بدل گئے تھے۔ وہ کتنی دیر تک سناٹے میں رہا۔ اسے کوئی جواب فوری طور پر نہ سوجھ سکا۔ تب شبانہ نے کہا ''میں پھر آؤں گی، اب میں جا رہی ہوں۔'' اس نے کہا اور اپنا بیگ سمیٹنے لگی۔ تب قریشی نے تیزی سے کہا

''آپ بیٹھیں نا، میرا مطلب، آپ اچانک چل دیں۔''

''نہیں سر، میں اچانک نہیں جا رہی ہوں۔ سوالنامہ آپ کو دے دیا ہے۔ آپ کا

رابطہ نمبر میرے پاس ہے۔ میں فون کر کے آجاؤں گی۔ اب میرا کام ختم ہے یہاں پر۔ ویسے میرا فون نمبر اس سوال نامے پر درج ہے۔ فی امان اللہ۔'' وہ اٹھتے ہوئے صاف انداز میں بولی۔

''میں آپ کو کال کر دوں گا۔'' قریشی نے کہا اور وہاں سے نکلتی ہوئی شبانہ کو دیکھتا رہ گیا۔ زرق شاہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

زرق شاہ کافی دیر سے اپنے کمرے میں ایزی چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑا ایش ٹرے سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ٹی وی چل رہا تھا۔ کمرے میں مدہم روشنی تھی۔ اس کی نگاہیں تو ٹی وی اسکرین پر تھیں مگر ذہن میں پروڈیوسر قریشی کے کمرے میں آنے والی شبانہ تھی۔ اسے اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ اسے تو یہ بھی احساس نہیں تھا کہ وہ اتنی دیر سے صرف اور صرف ایک ہی بات سوچے چلا جا رہا ہے۔ اس کے حواسوں پر ایک ہی چہرہ سوار تھا جو سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ اس کی ایک ایک بات کو وہ سوچ رہا تھا۔ یہاں تک کہ نہ جانے کتنی بار وہ ان باتوں کو اپنے من میں دہرا چکا تھا۔ وہ جب بھی اس بات پر پہنچتا کہ اپنے آپ پر غور کریں۔۔۔ آپ کون ہیں؟ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ آپ کی نسبت اسلامک کلچر سے بنتی بھی ہے یا نہیں۔'' تو نجانے اسے کیوں لگتا کہ جیسے ایک تازیانہ ہے اوراس کی روح تک گھائل ہوتی جا رہی ہے۔ یہ احساس زیادہ بڑھتا تو وہ سوچنے لگتا کہ وہ ایسا سوچ ہی کیوں رہا ہے؟ تب اس کے سامنے لفظ دھواں سے بن جاتے اور سوچیں ایک دوسرے میں الجھ کر رہ جاتیں۔ اسے کوئی بات بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس وقت کے لئے پچھتا رہا تھا جب وہ قریشی کے کمرے میں گیا اور اس لڑکی سے ملاقات ہو گئی۔ اسے بات ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میں اپنے نام کے ساتھ منافقت کر رہا ہوں۔ یہ کیا بات ہوئی۔ وہ غلط کہہ رہی تھی یا درست کہہ رہی تھی۔ کیا ہے یہ سب؟ وہ جھنجھلا جاتا اور پھر سے ایک نئی سگریٹ سلگا کر نئے سرے سے سوچنے لگتا۔ پھر اچانک اس نے ساری سوچوں کو جھٹک دیا اور سوچنے لگا۔ اگر وہ لڑکی نقاب کے بغیر آتی تو کیسی دکھائی دیتی؟ وہ کتنی دیر تک سوچتا رہا۔ اس کے ذہن میں کوئی سا بھی خاکہ نہ بن سکا۔ ایک ہیولا سا اس کے سامنے رہا، مگر وہ اپنے شعوری کوشش کے باوجود ایسا کوئی چہرہ نہ بنا سکا، جس پر وہ خود ہی مطمئن ہو جاتا۔ بہترے چہرے اس کے ذہن میں بن کر یوں مٹتے رہے جیسے عکس برآ۔

ہوتا ہے یا پھر ایک مصور کی مانند جو کینوس پر چہرہ بناتا ہے،اسے پسند نہیں آتا۔ پھر اپنے خیال کا عکس اس چہرے میں نہیں پاتا تو اسے مٹا دیتا ہے۔ بہت دیر تک وہ اسی لا حاصل کوشش میں ہلکان ہوتا رہا۔مگر کبھی بھی ایک چہرے پر وہ مطمئن نہ ہو سکا۔اس کے اپنے چہرے پر ٹی وی کے مختلف رنگوں کی روشنی پڑ رہی تھی اور اسے ہوش بھی نہ تھا کہ ٹی وی کی اسکرین پر کیا ہو رہا ہے۔اس نے انگلیوں پر سگریٹ کے جلنے کی حدت محسوس کی تو دیکھا سگریٹ ختم ہو چکا تھا۔اس نے ٹکڑا ایش ٹرے میں مسلا اور اٹھ کر بیڈ کی جانب بڑھا۔ لاشعوری طور پر اس نے کلاک پر نگاہ ڈالی تو بری طرح چونک گیا۔رات کے دو بج رہے تھے۔

''اتنا وقت گزر گیا؟'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے بولا'' میں یہ کیا اوٹ پٹانگ سوچ رہا ہوں۔خواہ مخواہ اس لڑکی کے بارے میں فضول سوچتا چلا جا رہا ہوں، جس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔فضول اتنا وقت ضائع کیا اس کے لئے۔''اس نے بیڈ پر لیٹے ہوئے تلخی سے سوچا۔

''مگر یہ حقیقت ہے کہ تم اس کے بارے میں اتنا سوچ رہے ہو۔کوئی بات تو ضرور ہے نا۔'' اس کے من سے آواز ابھری

''بات۔! کیا بات ہو سکتی ہے،میرے خیال میں تو کوئی بات نہیں ہے؟''اس نے لاپرواہی سے سوچا

''تو پھر اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہو؟''

''پریشان؟نہیں تو۔۔۔''

''بے سکون تو ہونا۔''

''چلو مان لیا میں بے سکون ہوں۔۔۔تو پھر؟''

''تو وجہ تلاش کرو نا۔۔۔جس کے باعث پریشان ہو۔''

''وجہ؟ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''میں نے اس کے حجاب پر ضرورت سے زیادہ ہی تنقید کر دی تھی اور اس نے مجھے خاصی بدتمیزی سے بہت کچھ کہا۔بس یہی ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی ہونے کا مارجن لے گئی۔ مجھے باتیں سنا گئی اور میں اسے کچھ نہ کہہ سکا۔حالانکہ میں ٹھیک کہہ رہا تھا۔ بھلا اس کا وہاں کیا کام؟ اسے وہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''تو گویا تم اپنی انسلٹ ہو جانے کی وجہ سے بے سکون ہو؟''

''یس۔!میں چاہتا تو اسے مزید کھری کھری سنا سکتا تھا،جس طبقے سے وہ تعلق رکھتی تھی میں اس کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتا مگر۔۔۔وہ لڑکی تھی نا۔''

''نہیں یہ بات نہیں۔تم نے تو کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔اسے منافق تک کہہ دیا۔کیا تم یہ توقع کر رہے تھے کہ وہ تمہارے سامنے زبان ہی نہ کھولتی۔لڑکی تھی تو کیا ہوا؟اس میں اتنی ہمت تھی،اعتماد تھا کہ وہ وہاں تک آ گئی۔ پھر کیا واقعی وہ ایسے طبقے سے تعلق رکھتی تھی جس کے بارے میں تم نے فرض کر لیا۔وہ میڈیا کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ شوبز سے متعلق ریسرچ کرنے آ گئی ہے۔وہ بولڈ لڑکی تھی،تبھی تمہاری ہر بات کا سلیقے سے جواب دیا۔یہ تو تم مانو نا۔''

''ہاں۔!سچی بات تو یہی ہے کہ ابتداء میں نے کی۔ورنہ شاید وہ کوئی بات نہ کرتی۔تبھی اس نے میری ذات تک کو نشانہ بنا لیا۔جب اور کچھ نہ سوجھا تو میرے سیّد ہونے پر اعتراض کر دیا۔اور یہ نسبت کیا ہوتی ہے؟''

''تمہیں تو خود پر بڑا ناز ہے کہ تم بہت پڑھے لکھے ہو،اسے سمجھتے ہو؟''

''یار۔۔۔یہ ذات پات،رنگ،نسل۔۔۔اسلام میں تو نہیں ہیں نا۔سب برابر ہیں،مساوات ہے۔اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی نا۔اس لئے فوراً ذات پر اتر آئی۔اب اگر خدا نے مجھے سیّد فیملی میں پیدا کر دیا تو اس میں میرا کیا قصور؟''

''اگر تم اپنے سیّد ہونے پر فخر کرتے ہو تو کیوں کرتے ہو؟ شاید وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ اتنی اعلیٰ وارفع ذات کے بندے کو یہاں نہیں ہونا چاہیے۔کیوں نہیں ہونا چاہیے؟''

''تو کیا تم اسی وجہ سے پریشان ہو؟''

''یار، میں پریشان نہیں ہوں۔مجھے غصہ آ رہا ہے اس پر،بندے کا دوہرا معیار نہیں ہونا چاہیے؟خود کو پیش اس طرح کرتا کہ۔۔۔''

''نہیں یار،اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔اگر وہ حجاب میں تھی تو یہ اس کا حق ہے،تمہیں قبول کرنا چاہیے۔انسانی آزادی ہے۔تم خود کہہ رہے کہ ان کا طبقہ انسانی حقوق کی پامالی کرتا ہے۔اس طرح تو تم بھی کر رہے،کیا اس کے عورت ہونے کی وجہ سے تم اسے کمتر خیال کر رہے ہو؟''

"نہیں، یہ سب باتیں نہیں ہیں۔" اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے سوچا۔

"تو پھر کیا ہے، کیوں بے سکون ہو؟"

"اصل میں مجھے اس کی تکبرانہ انداز بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ میرے سامنے تو لوگ بچھ جاتے ہیں۔ میری دولت، میری شہرت کو ایک جانب رکھو۔ میرے خیال میں مجھے کوئی لڑکی ایسی نہیں ملی جو میری وجاہت کو نظرانداز کر جائے۔ اور اس نے۔۔۔ اس نے تو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ بلکہ اس نے تو مجھے میری ذات سمیت رگید کر رکھ دیا۔ جیسے میں اور میری وجاہت، میری شخصیت کا اس پر ذرا برابر بھی اثر نہ ہوا ہو۔"

"تو یہ بات ہے تمہیں اپنا آپ نظرانداز ہو جانے کا دکھ ہے۔"

"بالکل۔۔۔ خود کو بڑی شے سمجھنے والی لڑکیاں میرے سامنے موم ہو جاتی ہیں اور یہ مجھے نظرانداز کرے، میں یہ بہرحال برداشت نہیں کر سکتا۔ اور وہ جسے میری ذات پر بات کرنے کا کوئی حق نہیں وہ کیوں؟"

"مطلب، تم خود بات کر سکتے ہو۔ کسی کو بات کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ پھر یہ کہاں کی مساوات ہے۔ نہیں تم اب بھی خود فیصلہ نہیں کر سکے ہو کہ ڈسٹرب کیوں ہو؟"

"پتہ نہیں کیوں۔ مگر یہ سچ ہے کہ میں ڈسٹرب ہوں، بے سکون ہوں اور خود کو عجیب سا محسوس کر رہا ہوں۔"

"اس کی تو سمجھ نہیں آ رہی ہے مگر یہ طے ہے کہ وہ مجھے بالکل بھی اچھی نہیں لگی۔ بلکہ غصہ آ رہا ہے۔ مجھے اس پر نفرت سی ہو رہی ہے مجھے۔ آخر وہ کیا تحقیق کرے گی۔ یہی نا کہ اس کے من ہی من میں شوبز کی دنیا کو دیکھنے کی خواہش ہوگی اور اس خواہش سے مجبور ہو کر یہاں تک آ گئی ہے۔ من میں کچھ اور چل رہا ہوتا ہے اور اوپر سے کچھ اور کہہ رہی ہوتی ہیں۔ اور پھر خود نمائی کا شوق، لوگ بڑی پارسا کہیں، نمایاں دکھائی دیں۔ اپنے آپ کو عیاں کرنے کے لئے یہ حجاب کا سہارا لیتی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں، میں چاہوں تو۔۔۔ میں چاہوں تو۔۔۔"

"کیا چاہو تم؟"

"میں چاہوں تو۔۔۔ ایسی لڑکی کو چند دنوں میں اپنے اشاروں پر نچا سکتا ہوں۔ یہ دبی ہوئی، گھٹن زدہ لڑکیاں۔۔۔ انہیں تو بس اشارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تو کچے

دھاگے سے بندھی ہوتی ہیں۔ جب چاہے کھینچ لیا جائے انہیں۔"

"شاید تم اس لڑکی کے بارے میں ایسا نہ کر سکو جو انتہائی سخت قسم کے لفظ کہہ کر اپنے جذبات کا اظہار کر گئی ہے۔ اگر ایسی لڑکی ہوتی۔ جیسا تم سوچ رہے ہو، تب کچھ نہ کچھ تو اس کے لہجے میں سے، لفظوں میں سے یا کسی بھی اعتبار سے اندازہ لگا سکتے۔ اب تم خوامخواہ اس کے بارے میں غلط سلط سوچ کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ جو چاہے اس سے منوا سکتے ہو۔ تسلیم کر لو کہ وہ ایک بولڈ لڑکی تھی اور تمہیں تمہاری حیثیت بتا گئی ہے۔ بات ختم۔"

"بات ایسے ختم نہیں ہو جاتی۔ اب قریشی یا رازی جیسے بندے بھی اس کی پاک بازی اور پارسائی سے متاثر ہوں اور مجھے ہی غلط ہونے کی بابت کہیں۔ صرف یہ کہ وہ حجاب کے باعث اپنا تاثر بنا گئی۔ میں اس کی پارسائی ختم کر کے رکھ دوں گا۔ میں ایسا کر سکتا ہوں۔"

"آج تمہیں اس کا قلق ہو رہا ہے، کل تک تم اسے بھول جاؤ گے۔ یونہی آپ اپنا وقت ضائع کرو گے۔ اب بھی کیا کر رہے، فضول سوچتے چلے جا رہے ہو۔ نیند جو تمہارے لئے بہت قیمتی ہے، اسے برباد کر رہے ہو۔ چھوڑو اسے اور سب کچھ بھلا کر سو جاؤ۔ تمہارا وقت قیمتی ہے۔ آج پروڈیوسر وقت مانگ رہے ہیں۔ کل تمہارا شمار ان آرٹسٹوں میں سے ہوگا جن کے وقت کے حساب سے سارے کام طے کئے جاتے ہیں۔ اور تم ہو کہ ایک معمولی لڑکی کے لئے اتنا سوچ کر وقت برباد کر چکے ہو"

اس نے خود کو مطمئن کیا اور سونے کی کوشش کرتے ہوئے ٹی وی ریموٹ سے آف کر دیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے تکیے پر سر رکھا تو وہ پھر سے نگاہوں کے سامنے آ گئی۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"یہ کیا۔! وہ پھر میرے ذہن پر مسلط ہے۔ نہیں چھوڑوں گا۔ میں اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لوں گا۔ انہی لوگوں کے سامنے، جن کے سامنے اس نے اتنی باتیں کی ہیں۔"

اس نے فوراً ہی فیصلہ کر لیا۔ جس پر اس کی انا کو تھوڑی سی تسکین ملی۔ تب وہ سمجھ گیا کہ آخر وہ پریشان کیوں تھا۔ اتنی بے سکونی فقط اسی وجہ سے تھی کہ وہ اس سے بدلہ لینا چاہ رہا تھا۔ یہ سوچتے ہی وہ مسکرایا۔ اسے خود پر پورا اعتماد تھا کہ یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اس بار اس نے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کیں تو وہ نہیں تھی جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئی ہو۔ اس نے

سارے خیالات کو ذہن سے نکالا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

❀......❀......❀

اس صبح شبانہ وقار کی جب آنکھ کھلی تو عادت کے مطابق اس نے دیوار پر لگے کلاک کو دیکھا۔تب وہ بری طرح چونک گئی۔فجر کا وقت بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔اس کے دل میں جیسے درد سا ہوا۔ایک ٹیس سینے میں پھیلتی چلی گئی۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ایسا کیوں ہوا؟وہ جلدی سے اٹھی تا کہ وضو کر سکے۔نماز پڑھ لینے کے بعد بھی اس کے دل میں کھٹکا رہا تھا۔اسے افسوس ہونے لگا کہ وہ رات اس اداکار کے بارے میں اتنا کیوں سوچتی رہی ہے کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ وقت پر بیدار نہیں ہو سکی۔یونیورسٹی جانے میں ابھی بڑا وقت تھا۔سو وہ پھر سے اپنے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔اسے یقین ہی نہیں آ رہا کہ جس بندے کے ساتھ اتنی تلخ کلامی ہوگئی ہے،وہ اسے اس قدر سوچے گی؟

کل جب وہ ٹی وی اسٹیشن سے پلٹ کر آئی تو اس کا من بوجھل تھا۔اسے یوں ہو رہا تھا کہ جیسے بندہ کچھ دیر انجان گلیوں سے بھٹک کر،بے مراد سا واپس پلٹ آئے۔اگرچہ جس توقع کے ساتھ وہ وہاں پر گئی تھی،وہ تو پورا ہو گیا تھا لیکن اس کا من کیوں بوجھل تھا۔یہی وجہ ٹٹولتے ہوئے اسے زرق شاہ ہی یاد آیا۔جس نے اس کے ساتھ بہت سخت لہجے میں گفتگو کی تھی۔وہ پہلی نگاہ میں اسے منفرد سا ضرور لگا تھا مگر پھر بعد میں اس کی وجاہت کا دھیان ہی نہیں رہا۔جب تک اس نے بات نہیں کی تھی۔اس وقت تک وہ کتنا اچھا،پرکشش اور وجیہہ دکھائی دے رہا تھا۔مگر پھر جیسے ہی اس نے اپنی بات کی،تب اس کا من ظاہر ہو گیا۔اس کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ کیسی سوچ رکھتا ہے؟اتنا تضاد تھا اس کی شخصیت اور سوچ میں؟

وہ زرق شاہ کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔مگر ایک افسوس بھرا احساس اس کے لپٹ گیا تھا۔اس بھرپور احساس نے زرق شاہ کے لفظوں ہی سے جنم لیا تھا۔لفظ بھی تو اپنی مہک رکھتے ہیں۔لفظوں کی مہک جب انسان کے احساس سے ٹکراتی ہے تو اپنا تاثر ضرور منواتی ہے۔وہ جب بھی اس کے لفظوں اور باتوں پر غور کرتی تو افسوس اس وقت فزوں تر ہو جاتا۔اس کے لہجے میں سے اٹھتی حقارت،استہزا اور نفرت کے تاثر کا احساس کرتی رہی۔وہ ایسا کیوں ہے؟اس کی تو اسے سمجھ آ رہی تھی لیکن نجانے کیوں اس کا ذہن یہ تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہو رہا تھا کہ جیسا اس نے کہا ہے،وہ ویسا نہیں ہے۔

''تم کیوں سوچتی ہو ایسا؟'' اس نے اپنے آپ سے سوال کر دیا تھا۔

''بس میرا دل گواہی دے رہا ہے،ورنہ میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔''

'دلیل تو اس وقت دی جاتی ہے نا جب کوئی بات منوانی ہو،یہ تو اس سے بھی پہلے کی بات ہے کہ باوجود برا لگنے کے وہ پھر بھی برا نہیں لگ رہا ہے،ایسا کیوں؟''

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایسا کیوں ہوا ہے،بس نہیں لگ رہا ہے وہ برا۔''

''یہ تو کوئی بات نہیں ہے کہ بس لگ برا تو نہیں لگ رہا،کوئی وجہ تو رہی ہوگی،اس وجہ کو تلاش کیوں نہیں کر رہی ہو؟''

''میرے خیال میں تو ایسی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''تم خود سوچنا نہ چاہو تو الگ بات ہے،مگر یہی وہ لمحات ہوتے ہیں جب بندہ خود فریبی میں مبتلا ہوتا ہے۔''

''خود فریبی۔۔۔یہ کیا سوچ رہی ہو تم؟''

''ظاہر ہے،یہ خود فریبی ہی تو ہے۔کوئی اس کا اچھا پن ہے ضرور جس کے باعث تم اس میں کشش محسوس کر رہی ہو۔اچھائی اور برائی میں تم فرق محسوس نہیں کر پا رہی ہو۔''

''اس کا اچھا پن۔۔۔کیا ہو سکتا ہے جو مجھے متاثر کرے گا۔''

''دیکھو،سچ کو جان بوجھ کر چھپانا بھی تو غلط بات ہے۔اپنے آپ سے چھپانا ،بہت بڑی ٹھوکر کا باعث بھی تو بن سکتا ہے؟''

''ہاں۔!یہ تو ہے۔''

''پھر سوچو نا۔۔۔کم از کم اپنے آپ کو تو مطمئن کرو۔حالانکہ تم نے اسے بڑے سخت جواب دیئے ہیں۔اس نے تمہاری ذات تک کی نفی کر دی ہے۔''

''میں مانتی ہوں۔جیسا رویہ اس کا تھا،مجھے تو خود اس سے نفرت کرنی چاہئے۔مگر یہ حقیقت ہے کہ مجھے اس سے ذرا سی بھی نفرت محسوس نہیں ہو رہی۔اب میں جتنا بھی اس کے بارے میں سوچتی ہوں،دل یہی چاہتا ہے کہ اسے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

''یہ حقیقت بھی تو ہے نا کہ وہ ایسا ہے۔یہ حقیقت کیوں جھٹلا رہی ہو تم؟''

''ہاں۔۔۔شاید وہ ایسا لگتا نہیں''

''تو پھر کیسا لگتا ہے۔''

''کہیں ۔۔۔کہیں تم اسے صرف ایک لڑکی ۔۔۔فقط ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے تو نہیں دیکھ رہی ہو۔اس کی وجاہت، جنسِ مخالف کی کشش اور شخصیت نے تجھے اس قدر متاثر کردیا ہے کہ سارے لفظ اور اس میں موجود تاثر سب اپنی اہمیت کھو گئے ہیں۔''

''یہ حقیقت ہے کہ میں ایک لڑکی ہوں، میرا تعلق کسی اور مخلوق سے تو نہیں ہے،عورت ہونے کے ناطے جنسِ مخالف میں کشش محسوس کرنا ایک فطری امر ہے اور میں اسے جھٹلا نہیں سکتی۔ بلاشبہ اس میں کشش ہے۔اور شاید ایسی ہی کوئی بات ہو۔مگر لگتا نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسی شخصیت رکھتا ہے کہ میں اس سے متاثر ہو جاؤں۔''

''اور متاثر ہونا کیسے کہتے ہیں۔اس کی ساری شخصیت کو تم نے اپنی سوچوں میں بسا لیا ہے۔ جہاں افکار تھے،تمہاری اپنی سوچ تھی۔اب وہاں پر اس کا خیال ہے۔وہ پوری طرح سے تمہارے خیالوں میں براجمان ہے اور تمہیں احساس نہیں ہے اور مسلسل انکار کیئے جا رہی ہو۔''

''اگر وہ وجیہہ ہے، پرکشش ہے تو اپنی جگہ، میرے افکار تو نہیں بدل سکتا، افکار اپنی جگہ،لیکن کسی بھی نظارے سے لطف اندوز تو ہوا جا سکتا ہے۔میں اس سے نفرت کیوں کروں۔''

''لیکن نفرت نہ کرنے کا کوئی جواز تو نہیں ہے نا۔تم یہ تسلیم کیوں نہیں کر لیتی کہ اس کی سحر انگیز شخصیت نے تمہیں متاثر کیا ہے۔تم کون سا کسی دھات کی بنی ہوئی ہو، گوشت پوست کی ایک لڑکی ،جو دل کے ساتھ جذبات ،من کے ساتھ خواہش اور دماغ کے ساتھ حقیقت کا ادراک بھی رکھتی ہو۔مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ دل جو لاپرواہی برت رہا ہے۔اس پر کوئی نہ کوئی اثر ضرور ہوا ہے۔''

''ہاں۔!میں لڑکی ہوں۔میں بھی جذبات رکھتی ہوں۔مجھے بھی کوئی اچھا لگ سکتا ہے۔''

''لیکن تمہارے وہ افکار،وہ سوچ اور تربیت کیا ہوئی ،کیا اس نے تمہیں نہیں سکھایا کہ اپنی ذات کا حصار کہاں تک ہوتا ہے۔''

''میں سب سمجھتی ہوں ۔لیکن میں کون سا اس کے زیرِ اثر آ گئی ہوں....میں مانتی ہوں کہ اس کی شخصیت کا سحر کسی بھی لڑکی کو پاگل کر دینے کے لئے کافی ہے۔میں اس کے لئے مری تو نہیں جا رہی ہوں۔انسانیت کے ناطے ،میری اپنی ذاتی خواہش یہ ہے کہ اس

قدر وجیہہ بندے کو اتنا کھردرا اور ہٹ دھرم نہیں ہونا چاہئے۔''

''اگر وہ وجیہہ نہ ہوتا تو پھر اسے کھردرا اور ہٹ دھرم ہونے کا حق تھا۔بات تو پھر وہیں آن ٹکی نا شاہانہ وقار۔اگر اس کے افکار متاثر کرتے تو بات دوسری تھی۔تم اس کی شخصیت سے متاثر ہوئی ہو۔یہ تو جسم کی پکار ہوتی ہے،انسانی خواہش۔۔۔''

''خدا نہ کرے۔۔۔میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''تم سوچ رہی ہو۔تم اس آدھے ادھورے کپڑوں والی لڑکی سے کیوں ہمدردی محسوس نہیں کر رہی ہو کہ وہ ایک لڑکی ہے اور اسے ایسا ہی ہونا چاہئے۔اس نے تمہاری اتنی مخالفت بھی نہیں کی۔''

''بعض فطری جذبات اور احساسات ایسے ہوتے ہیں کہ بندے کو ان پر قابو نہیں رہتا۔میں اپنے فطری جذبات اور احساسات یا خواہشات کو اپنے اندر سے نکال کر باہر نہیں پھینک سکتی۔یہ تو قدرت کی طرف سے ہیں۔انہوں نے بھی تو اپنا آپ منوانا ہے۔میں ان سے انکار کس طرح کروں۔ہاں ان پر قابو پا سکتی ہوں۔''

''تو یہ طے ہے کہ زرق شاہ نے تمہیں متاثر لیا۔اور تمہارے اندر کی عورت اس سے مرعوب ہو گئی۔اس سارے معاملے کو کیا کہتے ہیں۔ان کا کیا ہو گا یا کیوں ہو گا۔یہ سارے معاملے الگ ہیں۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ میری ذات پر،میری تربیت پر یا میرے افکار پر حاوی ہو گیا ہے۔بس وہ اچھا لگا ہے مگر اس کے افکار اچھے نہیں لگے۔یہ بھی تو ہے نا کہ میں اس حوالے سے اسے سوچتی جا رہی ہوں کہ اتنا اچھا اور وجیہہ نوجوان ایسے جذبات رکھتا ہے۔''

''اب تم خود غرضی کی بات کر رہی ہو۔یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ،وہی سب کچھ سوچے جو تم سوچتی ہو،کیا یہ ضروری ہے کہ وہ تیرے جیسے افکار رکھے،تمہاری طرح کا نکتہ نظر ہو۔کیا پتہ وہ تم سے بھی اچھا مسلمان ہو۔تمہیں کیا معلوم کہ تم بھی درست ہو یا نہیں۔تمہارے افکار بھی تو۔۔۔''

''نہیں ۔۔۔میرے افکار،میری سوچ غلط نہیں ہو سکتی۔''

''چلو مان لیتے ہیں۔تب ایسا حق تم دوسرں کو بھی تو دو۔وہ اختلاف کریں گے تو معلوم ہو گا کہ کوئی کیا سوچ رہا ہے۔محض اپنی سوچ کو مسلط نہیں کرنا چاہیے۔کسی شے کو

بھرنے کے لئے اسے پہلے خالی کیا جاتا ہے۔ ورنہ سب کچھ گڈمڈ ہو جاتا ہے۔"

"مجھے اس کے انکار سے کیا لینا دینا۔۔۔ جب میرا یہ فرض ہی نہیں ہے، مجھے تو اپنا کام کرنا ہے۔ اب ایک اچھی دکھائی دینے والی چیز کو میں اپنی یادوں سے کھرچ کر کیسے نکال سکتی ہوں۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ خود ہی کم اہمیت ہو کر ختم ہو جائے گی۔ مجھے اس پر خود اپنے آپ سے اتنی بحث وتمحیص کرنی ہی نہیں چاہیے۔"

"اب تم ٹھیک سوچ رہی ہو، اپنی فطری جبلت کے تحت تم نے اس میں کشش محسوس کی۔ لیکن اپنے انکار کے باعث وہ تیرے معیار کا نہیں۔ سو اس فضول جنگ کو خود پر مسلط نہ کرو، ورنہ تم اپنے فرض کو بھول جاؤ گی۔"

ساری سوچیں جھٹک کر وہ تھوڑی دیر کے لئے خالی الذہن بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر یونیورسٹی جانے کی تیاری کرنے لگی۔ تیار ہونے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ آج اس نے آئینے کے سامنے معمول سے کچھ زیادہ ہی وقت لگا دیا ہے۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی بہت دیر تک اپنے آپ کو دیکھتی رہی تھی۔

❁......❁......❁

زرق شاہ کے دماغ سے شبانہ سے ہونے والی ملاقات اور باتیں نکل ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ انہیں بھلا دینا چاہتا تھا مگر وہ تھیں کہ نکل ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ احساس جو اس کے دماغ میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا، وہی اسے بھلانے نہیں دے رہا تھا۔ شبانہ کا اس کی ذات کی نفی کر دینے والا رویہ ہی تھا جس نے اسے بری طرح جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا۔ کہیں سے بھی کوئی ایسا پہلو دکھائی نہیں دے رہا تھا جس سے شبانہ نے اس کی ذات کا اثبات کیا ہو۔ اپنی سوچوں کا زہر اس میں محرومی کا احساس اجاگر کر رہا تھا۔ وہ جو غرور کے پَروں سے شہرت کی فضاؤں میں اُڑان بھر رہا تھا۔ اچانک اسے یہ احساس ہوا کہ کوئی ہے جو اس کی ذات کی بری طرح نفی کر سکتا ہے۔ یہ اس کے لئے حیرت انگیز بات تھی کہ اس نے اپنی فطرت کا جو پہلو بھی شبانہ کے سامنے کھولا، اس نے اسی پہلو پر لکیر پھیر دی۔ اپنی ذات کی نفی ہو جانے اور بے دردی سے لکیر پھر جانے پر شکست کا احساس بڑا جان لیوا ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت پوری طرح عیاں تھی کہ شبانہ ایسا کر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ اسی صورت میں واضح ہو رہا تھا کہ اس کے اندر محرومی کا احساس اٹھ رہا تھا۔ بالکل ایسے کہ جس طرح کہیں کوئی چنگاری سلگ اٹھی ہو اور اس کا دھواں اپنی کڑواہٹ کا احساس دلا رہا ہو۔ اس کے فن میں احساس کا دھواں آہستہ آہستہ پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ اور اسے لگ رہا تھا کہ اس غبار میں اس کی اپنی شخصیت گم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

من میں چلتی ہوئی جنگ میں انسان خود تماشائی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جب بھی جنگ ہوتی ہے تو میدان کارزار میں توڑ پھوڑ ہونا تو یقینی امر ہے۔ اور پھر جنگ میں بندہ خود شریک ہو تو فتح یا شکست کا فیصلہ ہو جانے سے قبل دفاع بھی کرتا ہے اور آگے بڑھ کر بھرپور وار بھی کرتا ہے۔ احساس محرومی اسے شکست کی طرف دھکیل رہی تھی۔ شبانہ اسے فاتح کی حیثیت سے دکھائی دے رہی تھی۔ یہ فطری امر ہے کہ اس کے ساتھ آگے بڑھ کر وار کرنے اور شکست کو فتح میں بدلنے کی خواہش شدت اختیار کرتی چلی جا رہی تھی۔ وہ کسی ایسے حملہ آور سے شکست قبول کرنا اپنی توہین تصور کر رہا تھا جو اسے بالکل بھی پسند نہ ہو۔ وہ شبانہ کو اپنے سامنے جھکا لینا چاہتا تھا۔ انتقام کی چنگاری سلگ اٹھی تھی اور اسے بے چین کئے ہوئے تھی۔ یوں وہ جس قدر محرومی میں ڈوبتا، اس قدر انتقام اسے ابھرنے کی جانب مائل کرتا۔ اب فقط اس کی انا کو تسکین اسی وقت ہوتی جب وہ اپنے فیصلے پر عمل درآمد کرتا، اب یہ کیسے ممکن تھا؟ وہ اتنے دنوں تک یہی سوچتا رہا تھا۔

وہ تیسرے دن کی ایک خوشگوار سہ پہر تھی۔ دھوپ خاصی چمک رہی تھی۔ اوائل فروری کی یہ دھوپ بھی کینو کی مانند کھٹی میٹھی تھی۔ اس دن شیڈول میں پروڈیوسر قریشی سے ملنا تھا۔ اسی لئے اسے شبانہ بڑی شدت سے یاد آئی تھی۔ لیکن کوئی راہ ایسی سجھائی نہیں دے رہی تھی، جس سے وہ اپنا فیصلہ منوا سکتا۔ وہ آئینے کے سامنے ٹائی کو گرہ لگا رہا تھا کہ اچانک اس کے دماغ میں یہ سوچ در آئی کیوں نا شبانہ سے ملا جائے۔ اس نے خود ہی تو کہا تھا کہ وہ کہیں بھی بیٹھ کر بات کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کوئی تعلق ہو گا تو ہی میں اسے اپنے سامنے جھکا سکوں گا اور اپنی ذات کی نفی کر دینے کا انتقام لے پاؤں گا۔

"ٹھیک ہے، تم اس سے مل لو گے، وہ تم سے مل بھی لے گی، لیکن تم بات کیا کرو گے۔ کیا کہو گے تم؟"

اس سوال نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ ملاقات کرنے آ بھی گئی تو وہ کیا کرے گا۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے خود سے کہا

''دو ہی راستے ہیں۔ایک یہ کہ جو وہ سوچ رہی ہے۔جن افکار کی بنیاد پر اُس نے میرے خیالات کی نفی کر کے میری ذات کو نظر انداز کیا ہے۔میں یہ ثابت کروں گا وہ غلط ہیں اور میں درست ہوں۔وہ اگر اپنی شکست قبول کر لیتی ہے تو بلاشبہ یہ میری فتح ہے۔جس سے نہ صرف میری انا کی تسکین ملے گی بلکہ میں مطمئن رہوں گا کہ میں درست سوچ رکھتا ہوں۔''

''اور دوسری راہ۔۔۔''

''یہ ہے کہ میں اپنے ذات کی سحر انگیزی کا جادو اس کے اندر بیٹھی لڑکی پر طاری کر دوں گا۔یہاں تک کہ وہ اپنا آپ کھول دے گی۔یہ حجاب اور نقاب کی کیا حیثیت ہے۔ جب میں اس کا دل ہی اپنے قابو میں کر لوں گا تو پھر جس طرح چاہوں اس کی تعمیر وتخریب کروں۔ پھر وہ چاہتے ہوئے بھی مجھے نہیں روک پائے گی۔اس کے سارے بدن پر میرا تسلط ہوگا۔''

''اگر یہ تم نہ کر پائے تو؟''

''ا ا ہو نہیں سکتا، میں جس راہ پر بھی چلوں گا کامیاب ٹھہروں گا۔''

''کامیابی تو اس صورت میں ہوتی ہے نا جب بندہ پوری یکسوئی سے کسی مقصد کے لئے شروعات کرے۔تم تو ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے ہو کہ کون سی راہ پر چلو گے؟''

''ہاں۔!میں مانتا ہوں۔میں ابھی فیصلہ نہیں کر پایا۔مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''پہلی صورت میں تم کھل کر اس کے سامنے آجاؤ گے۔چونکہ بات افکار وخیالات کی ہے، اس کے لئے دلیل کی جنگ ہوگی،تم جیت گئے یا ہار گئے۔اس میں تمہارے وقت کا بڑا نقصان ہوگا۔اس کے لئے تمہاری توجہ بٹ کر رہ جائے گی۔اور آخر میں کیا ہوگا؟ چاہے فتح ہو یا شکست، وہ تمہاری دسترس میں نہیں ہوگی۔تم اسے شکست بھی دے دو گے تو کیا وہ تمہاری بات مان لے گی؟ جبکہ دوسری صورت میں وہ مکمل تمہارے اختیار میں ہوگی۔''

''کیا دوسری صورت میں دھوکا دہی نہیں ہے۔''

''محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔''

''یہ وہ فقرہ ہے جو اپنے شکست کا خود اعتراف کرتا ہے۔کیا تمہیں اپنے آپ پر، اپنے افکار پر بھروسہ نہیں ہے۔تم اگر دوسری راہ اپنا لو گے تو پہلے قدم پر اپنے شکست قبول کر لو گے۔تمہارے افکار ایسے نہیں ہیں جو تمہیں فتح دلا سکیں۔ اسی لئے دھوکہ دینے کے بارے

میں سوچ رہے ہو۔وہ بھی ایک عورت کے مقابلے میں۔اس کی جذباتی زندگی میں ہلچل پیدا کرنا تمہارے خیالات کی، تمہاری سوچ وفکر کی واضح شکست ہے۔اس کا مطلب ہے تمہارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے جس کے بارے میں تم وضاحت کر سکو۔پھر تو وہ ٹھیک تھی۔اور پھر یہ مردانگی تو نہ ہوئی۔اس طرح تم اپنی سوچ وفکر پر خود ہی لکیر پھیر رہے ہو۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔معقول بھی ہے۔اس طرح تو میں بھی منافقت کروں گا نا۔ یوں تو میری شکست ہوگی۔''اس نے چونکتے ہوئے سوچا۔ ان لمحوں میں وہ خود پر گذرنے والی کیفیت کو سمجھ رہا تھا کہ جنگ سے پہلے قبول کی جانے والی شکست کس قدر اذیت ناک ہوتی ہے۔لڑی گئی جنگ کی فتح یا شکست اطمینان بخش ہوتی ہے۔

''بس وہ میرے دماغ سے نکل جائے۔وہ جب تک مجھے یاد آتی رہی۔اس وقت تک مجھے بے چین رکھے گی۔''اس نے اکتائے ہوئے انداز میں سوچا۔انہی لمحات میں سیل فون کی آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔تب وہ خود پر حیران ہوا کہ وہ اب تک آئینے کے سامنے کھڑا سوچ رہا ہے۔کیا اس کی یاد اس قدر حاوی ہوگئی ہے کہ اسے اپنا آپ بھلا دے۔ وہ چونکتے ہوئے بے بس سا ہو کر صوفے پر آن بیٹھا۔فون کی مسلسل آواز اسے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔اس نے بے دلی سے فون اٹھا کر دیکھا تو وہ پروڈیوسر کا تھا جس کی آواز اسے یوں لگی جیسے پرسکون ماحول میں کوئی گدھ چیخنے لگے۔

''یار ابھی تک تم آئے کیوں نہیں ہو۔ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں؟''اس نے برہم لہجے میں کہا

''میں بس نکلنے ہی والا تھا۔کچھ دیر میں آپ تک پہنچ جاؤں گا۔''اس نے اپنے لہجے کو اس حد تک نرم کیا تو وہ خوشامدی انداز بن گیا۔

''ٹھیک ہے،پہنچو،''پروڈیوسر نے کہا اور فون بند کر دیا۔

زرق شاہ کو اس کا لہجہ اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے اکتائے ہوئے انداز میں فون جیب میں رکھ لیا اور اٹھنے لگا۔انہی لمحات میں اس کے دماغ میں خیال آیا۔

''کیا میں فیصلہ ہی نہیں کر پاؤں گا کہ مجھے اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔کیا مجھے ابھی سے شکست مان لینی چاہیے۔ اسے بھلا دینا چاہیے۔یا پھر۔۔۔''یہاں تک سوچتے ہوئے اس کے سارے لفظ تحلیل ہوگئے۔ جیسے وہ خلا میں آگیا ہو۔ جہاں کسی بھی قسم کی کوئی

کشش نہیں ہوتی۔

ڈرائیور تیزی سے کار بھگائے چلا جا رہا تھا اور وہ عقبی نشست پر خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا۔اس کی نگاہوں کے سامنے وہی دو آنکھیں تھیں، جو نہ صرف بولتی تھیں بلکہ لفظوں کے مفہوم کی ادائیگی میں معاون بھی تھیں۔یوں جیسے لفظوں میں روح، ان آنکھوں کی ادا سے ہے۔مجھے اس لڑکی کو بھول جانا چاہیے۔جو ہوا سو ہوا، زندگی میں پتہ نہیں کتنے لوگ ملتے ہیں اور ان سے نجانے کیا کیا باتیں ہوتیں ہیں۔کیسے کیسے تاثر ذہن میں بنتے ہیں۔پھر ذرا سا وقت گذرتا ہے تو وہ سب بھول جاتا ہے۔یوں کسی کے بارے میں سوچتے رہنا، ماضی میں پڑے رہنے کے مترادف ہے، مجھے تو آگے دیکھنا ہے۔اس نے سوچا اور پھر باہر کے مناظر میں کھو گیا۔

وہ پروڈیوسر قریشی کے کمرے میں پہنچا تو وہاں فقط باقر رضوی ہی تھا۔اسے ایک دم جھٹکا سا لگا۔یہاں تو کافی سارے لوگوں کو ہونا چاہیے، بہرحال وہ اپنے تاثرات کو چھپاتے ہوئے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجا کر پاس بیٹھ گیا۔کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد قریشی نے کہا۔

''زرق شاہ۔!سنا ہے تم نے رضوی صاحب سے تعاون نہیں کیا، آؤٹ ڈور سے جلدی آ گئے ہو۔''

اس نے یہ سنتے ہی حیرت سے رضوی کی جانب دیکھا جو اپنا چہرہ دوسری طرف کئے بیٹھا تھا۔فوری طور پر زرق شاہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ اس لئے بولا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، میں ان کی اجازت ہی سے آیا تھا۔انہوں نے ہی کہا تھا کہ اب کوئی کام نہیں ہے''

''یہ آپ کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک یونٹ وہاں ہے، ادھر رہنا چاہیے تھا آپ کو۔'' قریشی نے کہا تو وہ فوراً سمجھ گیا کہ بات کیا ہو سکتی ہے اس لئے مسکراتے ہوئے بولا۔

''آپ وہ بات کہیں جو رضوی صاحب جو کہنا چاہتے ہیں۔''

''مطلب۔!'' قریشی نے کہا۔

''مطلب یہی ہے کہ میں نے ان سے بھرپور تعاون کیا ہے۔اب جو بھی مجھے سائن کرے گا، میں نے تو اس سے تعاون کرنا ہے۔'' وہ چھپے ہوئے لفظوں میں اپنی بات

کہہ گیا۔

''دیکھیں جب ایک بندے کا کام مکمل نہیں ہوا تو آپ دوسرے بندے کا کام کیوں پکڑتے ہیں۔اور وہ بھی۔۔۔'' قریشی نے کہا تو زرق شاہ بولا۔

''ان سے میری بہت پہلے کی بات ہو چکی تھی۔لیکن جو تاریخیں میں نے رضوی صاحب کی دی ہیں۔ان میں تو خلل نہیں پڑا نہ۔۔۔''

''بہرحال آپ محتاط رہیں اور پہلے یہ سیریل ختم کروائیں، پھر بعد میں کسی اور طرف دیکھیے گا۔'' قریشی نے احساس دلا کر اپنی بات کہہ دی تو زرق شاہ کو ان لمحات میں وہ لوگ ڈکٹیٹر سے کم نہیں لگے جو فقط اپنا فیصلہ مسلط کرنا چاہتے ہیں۔اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا قریشی کا فون بج اٹھا۔وہ کال سننے میں مصروف ہو گیا۔کچھ دیر بعد اس نے فون میز پر رکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔''یہ وہی حجاب والی لڑکی کا فون تھا۔یاد ہے آپ کو زرق شاہ جس کے ساتھ آپ نے بڑی بدتمیزی کی تھی۔''

''بدتمیزی۔!میں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔'' اس نے کہا

''خیر۔!آپ رضوی صاحب سے ملیں، اور اگر کوئی انہیں گلہ شکوہ ہے تو دور کر دیں۔وہ لڑکی کچھ دیر میں آنے والی ہے، میں اس کا پرفارمہ پر کر دوں۔اس بے چاری کے بہت فون آ چکے ہیں۔'' قریشی نے کہا، اور دراز میں سے کاغذات نکال کر انہیں دیکھنے لگا۔اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ دونوں اٹھ جائیں۔ان دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور ایک دوسرے سے کچھ کہے بنا اٹھ گئے۔

❁......❁......❁

اس دن شبانہ ٹی وی چینل کے اسٹوڈیو کے لئے کیمپس سے نکلنا چاہتی تھی کہ اسے سامنے سے سعدیہ آتی ہوئی دکھائی دی۔وہ حیران ہوئی کہ یہ اس وقت یہاں کیوں آئی ہے۔وہ دونوں ملیں تو شبانہ نے یہی سوال اس سے کر دیا وہ اکتاتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''یار گھر میں بور ہو رہی تھی، کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، اس لئے سوچا کہ ایک چکر کیمپس کا لگا آؤں۔''

''مطلب، کوئی کام نہیں ہے؟'' شبانہ نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''ہاں، مگر تم کہاں جا رہی ہو، آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' سعدیہ نے اس کی

جانب دیکھ کر کہا۔

''سعدیہ، میں بیٹھ تو جاتی لیکن ابھی مجھے ٹی وی چینل پر سے ایک پروڈیوسر کا فون ملا ہے۔انہوں نے وہ کام مکمل کرلیا ہے۔میں چاہتی ہوں کہ وہ لے لوں۔اور کچھ دوسرا ملے تو یاد دہانی کروادوں۔'' شبانہ نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

''کتنا وقت لگے گا تمہیں اپنا کام ختم کرنے میں؟''اس نے پوچھا

''یہی دو تین گھنٹے۔میں نے کون سا وہیں بیٹھے رہنا ہے۔''شبانہ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر بولی

''چلو تم جاؤ۔''اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ شبانہ چونک گئی۔

''بات کیا ہے اتنی بجھی بجھی سی کیوں ہو؟''

''کچھ نہیں۔۔۔تم جاؤ۔۔۔جلدی آگئی تو ٹھیک ورنہ کل بات کریں گے''سعدیہ نے کہا اور پھر کوئی بات سنے بغیر آگے نکل گئی۔شبانہ کو بڑا عجیب سا لگا تھا،اس نے راہداری میں ہولے ہولے قدم اٹھاتی سعدیہ کی جانب دیکھا اور پھر طویل سانس لے کر پارکنگ کی جانب بڑھ گئی۔اس نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے پرس اور فائلوں کو پچھلی سیٹ پر رکھا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا جو پرس میں تھا۔اس نے فون نکالا اور سکرین پر نگاہ ڈالی، اجنبی نمبر تھے۔اس نے کال ریسو کرتے ہوئے ہیلو کہا۔

''میں زرق شاہ بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ۔!تو یہ آپ ہیں۔فرمایئے؟''

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''اس نے انتہائی نرم لہجے میں خمار بھرتے ہوئے کہا۔

''کہیے، کب اور کہاں ملنا چاہیں گے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''جہاں آپ پسند کریں۔میرا مطلب ہے جہاں آپ ایزی ہوں،سکون محسوس کریں۔''وہ اسی خمار آلود لہجے میں بولا

''ٹھیک ہے،اس وقت میں اسٹوڈیو کی طرف جا رہی ہوں۔اب دیکھیں وہاں کتنا وقت لگتا ہے۔'' وہ پرسکون سے بولی۔

''اگر آپ وہاں پر ٹھہریں تو میں وہیں آجاتا ہوں۔یا پھر کسی بھی ریستوران

میں۔۔۔''اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اگر وہاں آسکتے ہیں تو ٹھیک ،ورنہ ہم پھر طے کر لیں گے۔''شبانہ نے الوداعی فقرے کہہ کر فون بند کر دیا۔پھر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کی ذہنی رو زرق شاہ کی طرف چلی گئی۔اس نے محسوس کیا کہ اس کا فون آنا اسے اچھا لگا ہے۔اپنی تحقیق کے لیئے اس نے کچھ ڈرامے دیکھے تھے جن میں وہ بھی تھا۔خاصی اچھی اداکاری کر لیتا تھا وہ۔لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہی زرق شاہ ہے جس سے وہ مل چکی ہے۔پھر جیسے ہی یہ خیال آیا کہ اس نے بات کیا کرنی ہے تو اس کی تلخی بھری باتیں اور نفرت آمیز لہجہ اسے یاد آگیا۔بڑی سڑک تک پہنچتے ہوئے اس نے اسے ذہن میں رکھا اور پھر اسے ذہن سے نکال دیا۔

وہ پروڈیوسر قریشی اور جنرل مینیجر سے مل کر،ان سے پرفارمہ وصول کر کے ٹی وی اسٹوڈیو سے باہر نکلی۔چند لوگوں کو اس نے یاد دہانی کروائی۔وہ خوش تھی کہ چلو کام کی ابتداء تو ہوئی۔وہ جس وقت پارکنگ میں لگی اپنی گاڑی تک آئی تو اس کا سیل فون بجا،سکرین پر زرق شاہ کے نمبر جگمگا رہے تھے۔

''جی،فرمائیں۔''

''سوری میں ٹی وی نہیں پہنچ سکا،اس لئے آپ۔۔۔''

''بتائیں، مجھے کہاں آنا ہوگا؟''اس نے فوراً پوچھ لیا۔تبھی اس نے ایک فائیو سٹار ہوٹل کی لابی کے بارے بتایا تو اس نے فوراً کہہ دیا''ٹھیک ہے،میں آرہی ہوں۔''یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

وہ لابی میں پہنچی تو بہت ساری نگاہیں اس کی طرف اٹھیں تھیں۔مگر وہ بے نیازی سی اس میز کی جانب بڑھ گئی جہاں زرق شاہ موجود تھا۔وہ وہاں پہنچی تو زرق شاہ احتراماً کھڑا ہو گیا اور بڑے ہی نرم لہجے میں بولا۔

''خوش آمدید، یہاں آکر آپ نے میرا مان بڑھایا،تشریف رکھیں۔''

''اسلام وعلیکم۔''شبانہ نے کہا اور پھر اپنا پرس میز پر رکھتے ہوئے بیٹھ گئی۔زرق شاہ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ذرا سی خفت محسوس کی اور وہ سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔تو اس نے کہا،''جی فرمائیں۔؟''

''میں دراصل آپ سے اس دن کے رویے پر معذرت کرنا چاہ رہا ہوں،ممکن

ہے آپ کا دل دکھا ہو؟'' وہ آہستگی سے بولا

''اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں کہ آپ کو معذرت کرنی چاہیے تو ٹھیک ہے۔آپ کا یہی احساس ہی کافی ہے۔'' وہ نرم لہجے میں بولی۔

''دیکھیں جہاں تک میرے نکتہ نگاہ کی بات ہے، مجھے اس پر کوئی ملال نہیں ۔اس پر میں قائم ہوں۔میں نے تو اس لئے معذرت چاہی تھی کہ آپ لڑکی ہیں اور صنف نازک سے بہت اچھا رویہ رکھنا چاہیے۔اسی تناظر میں۔۔۔'' وہ بہ مشکل اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔جبکہ شبانہ اس کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔اسے یوں مشکل سے لفظ ادا کرتا ہوا زرق شاہ اچھا لگا تھا۔اس کے ساتھ ساتھ وہ انسانی ہمدردی بھی شامل ہو چکی تھی کہ بندہ اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا ہے۔

''ٹھیک ہے، میں سمجھ گئی،اور کوئی بات؟'' اس نے پوچھا

''نہیں۔!اور کوئی بات نہیں ہے،'' اس نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

''تو مجھے اجازت دیں۔'' شبانہ نے پرس اٹھاتے ہوئے کہا تو زرق شاہ نے چونکتے ہوئے لجالت سے بولا۔

''ابھی سے؟'' وہ حیرت سے بولا

''جب کوئی مزید بات ہی نہیں ہے تو میرے خیال میں یہاں بیٹھنا فضول ہے۔'' شبانہ نے یوں کہا جیسے وہ خود بھی نہ اٹھنا چاہ رہی ہو۔اس کا من کہہ رہا تھا کہ وہ کوئی مزید بات کرے۔لیکن وہ کوئی قوت تھی جو اسے اٹھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

''مطلب،کوئی بھی بات نہیں ہو سکتی کیا؟'' اس نے پوچھا

''میں آپ کے بلانے پر آئی ہوں کہ آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔میرے خیال میں آپ نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔اگر آپ مزید کوئی بات کہنا چاہیں تو میں یہاں ہوں، ورنہ۔۔۔'' اس نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔دوسرے لفظوں میں اس نے باور کرا دیا کہ فضول بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

تب زرق شاہ نے سیاہ حجاب میں ملبوس اس لڑکی کی جانب دیکھا، جس کی بولتی آنکھیں اس پر مرکوز تھیں۔اس نے پہلی بار شبانہ کی آنکھوں کو غور سے دیکھا اور چونک گیا۔ اسے لگا کہ یہ آنکھیں منفرد سی ہیں۔ان میں کچھ ایسا ہے جو سب سے ہٹ کر ہے۔کیا ہے وہ

لمحوں میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا لیکن اس نے اپنے من میں ایسے محسوس کیا جیسے گرم تپتے ہوئے صحرا میں اچانک خوشگوار ٹھنڈی ہوا کا جھونکا موسم ہی کو بدل کر رکھ دے۔اسے اپنے آپ پر حیرت ہوئی۔وہ اپنے آپ کو سوچے یا ان آنکھوں کو دیکھے۔تبھی اس نے خود کو نظر انداز کرتے ہوئے،ان آنکھوں کو غور سے دیکھا۔وہ خود پر تو بعد میں توجہ دے سکتا تھا لیکن وہ آنکھیں تو اوجھل ہو جانے والی ہیں۔اس نے شعوری کوشش کے ساتھ ان آنکھوں میں دیکھا تو پہلا خیال یہی آیا''انسان کی دو آنکھوں میں زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا۔میں نے یکے بعد دیگرے دونوں آنکھوں کو دیکھنے کی کوشش کی ہے تو ایک آنکھ میں دنیا نظر آئی اور دوسری آنکھ میں آخرت فاصلے پر تھی اور میں درمیان میں معلق ہو گیا ہوں....'' وہ چونک گیا،یہ کیسا خیال آیا ہے مجھے،یہ دنیا اور آخرت کا تصور کیوں؟ وہ ایک دم سے گڑبڑا گیا۔تبھی وہ بے ساختہ بولا۔

''آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' اس نے اعتماد سے یوں کہا جیسے یہ بات اس کے لئے نئی نہ ہو۔حالانکہ زرق شاہ کے لہجے نے اس کے اندر یوں ہلچل پیدا کی تھی جیسے ساحل پر آنے والی لہر زور سے آئے اور پھر شور مچا کر پُرسکون ہو جائے۔

''شبانہ۔!میری زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئی ہیں اور اب بھی ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں لڑکیوں ہی میں دلچسپی رکھتا ہوں۔یہ میری پیشہ وارانہ مجبوری بھی ہے۔لیکن آپ میں ایک خاص بات ہے۔آپ ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بااعتماد بھی ہیں۔ایسا کیوں ہے؟'' اس نے بات کو یوں سنبھالا جیسے فرش پر گرنے والے شیشے کے گلاس کو ٹوٹنے سے پہلے بچا لیا جائے۔

''محترم شاہ صاحب۔!بات یہ ہے کہ میں کوئی ماورائی مخلوق نہیں ہوں۔ایک عام سی لڑکی ہوں۔لیکن میری تربیت کرنے والوں نے مجھے بتایا ہے کہ میں کیا ہوں اور مجھے کیسا ہونا چاہئے۔شاید اس لئے میں آپ کو منفرد سی لگی ہوں۔'' وہ نرم انداز سے بولی

''کیا بتایا انہوں نے؟'' زرق شاہ نے دلچسپی سے پوچھا

''یہی کہ سب سے پہلے میں انسان ہوں۔اس کے بعد میں عورت ہوں اور اس کے بعد میں مسلمان ہوں۔پھر اسی طرح میری حیثیت کا تعین ہے۔انسان ہونے کے ناطے میرا تعلق پوری دنیا کے انسانوں سے ہے۔وہی خوبیاں،وہی صلاحیتیں میرے اندر بھی ہیں،

جو دنیا بھر کے انسانوں میں ہیں ۔میری جسمانی ساخت میرے عورت ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ اور عورت رہنا میری فطری مجبوری ہے۔کاروبارِ زندگی میں میرا حصہ ایک عورت ہونے کی حیثیت ہی سے ہے۔مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک عورت ہونے کے ناطے میرا رویہ، میرے ذمے داری اور میرا مقصد کیا ہونا چاہیے ۔ جو ایک فطری تقاضا ہے۔اور زندگی گذارنا، یا اس دنیا کے ساتھ ربط و تعلق یا معاشرتی کیسے ہونی چاہیے ۔ یہ مجھے اس وقت معلوم ہوتا ہے جب میں خود کو مسلمان کی حیثیت سے دیکھتی ہوں ۔پھر میں ایک بیٹی ہوں، بہن ہوں۔"شبانہ نے بڑے تحمل سے کہا۔

"ظاہر ہے تربیت یافتہ انسان بااعتماد تو ہوتا ہے۔جب اسے خاص انداز میں تربیت دی جائے۔"زرق شاہ پوری طرح بحث کے موڈ میں آگیا۔اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی۔ان کے پاس ویٹر آگیا۔زرق شاہ نے مینو شبانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"آپ اپنی پسند۔۔۔"

"میں کچھ نہیں لوں گی۔"اس نے حتمی انداز میں کیا تو زرق شاہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اپنے لئے جوس منگوالیا۔ویٹر کے چلے جانے کے بعد شبانہ نے کہا۔

"آپ نے کچھ زیادہ ہی انداز لگا کیا ہے،لفظ"تربیت یافتہ" نے شاید آپ کے تصور نے کچھ ایسے معنی دے دیئے ہوں ۔ایسا کچھ نہیں۔میں نے وہی عام تعلیم حاصل کی ہے۔لیکن خاص یہ ہے کہ مجھے احساس دیا گیا ہے۔اسے آپ شعور کہہ لیں یا پھر خیال کہ میں کیا ہوں۔اور میں نے اسے پورے دل سے قبول کیا ہے۔"وہ پراعتماد لہجے میں بولی۔

"وہ احساس ،شعور یا خیال آخر کیا ہے،وہی تو میں پوچھنا چاہ رہا ہوں۔"زرق شاہ نے تحمل سے پوچھا

"ہمارے لئے زندگی گزارنے کا بہترین لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے۔جس سے دوسرں کا نقصان نہ ہو اور خود بھی تحفظ سے رہے،بس اتنی سی بات ہے۔"شبانہ نے کہا۔

"وہ تو ہر بندے کو معلوم ہے۔یہ کوئی نئی بات تو ہے نہیں۔میرے خیال میں آپ بات چھپا گئی ہیں۔"وہ مسکراتے ہوئے بولا

"دیکھیں شاہ صاحب۔! بہ حیثیت انسان نہ چاہتے ہوئے بھی سیکھتا ہے۔اس کا ماحول اسے سکھاتا ہے۔پھر وہ اپنے کردار سے اظہار کرتا ہے کہ اس کے اندر کیسے خیالات

ہیں۔اس نے کیا سیکھا،کیسی پرورش پائی ،یا پھر وہ انسانیت کے کس درجے پر ہے۔کردار ہی معیار ہوتا ہے۔اگر تو کردار ٹھیک ہے تو ظاہر ہے اس کے خیالات یا دوسرے لفظوں میں زندگی گزارنے کا لائحہ عمل درست ہے۔اور اگر نہیں تو کہیں نہ کہیں کمی کوتاہی ضرور ہے۔اس پر سوچنا چاہیے۔"وہ پرسکون انداز میں بولی۔

"میں اب تک آپ کی بات سے یہ سمجھا ہوں کہ بندے کا ماحول ہی اسے بناتا یا دوسرے لفظوں میں بگاڑتا ہے۔یعنی بناؤ یا بگاڑ ماحول ہی کی وجہ سے ہے، اس تناظر میں، میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ اگر آپ کا ماحول مذہبی نہ ہوتا تو کیا آپ یوں حجاب یا نقاب میں ہوتیں؟"اس نے تیزی سے پوچھا

"ممکن ہے۔!ایسا ہی ہوتا، میں بھی سلیولیس شرٹ میں پھرتی یا جو بھی میرا ماحول ہوتا۔۔۔لیکن میں آپ کو ایک بات بتا دوں ، مجھے کبھی کسی نے حجاب پہننے پر مجبور نہیں کیا۔یہ میں نے اپنی مرضی سے پہنا ہے۔کیونکہ میں جانتی ہوں کہ یہ میرے لئے درست ہے۔" شبانہ نے بڑے تحمل سے کہا۔

"لیکن یہ تو ایک خاص مذہبی ہونے کی علامت بھی تو ہے نا؟"زرق شاہ نے کہا۔

"اچھی بات ہے نا۔"شبانہ نے تحمل سے ہی کہا۔

"اسی بات سے تو آپ کٹڑ قسم کی مذہبی لگ رہی ہیں۔" وہ بولا

"شاہ جی ،میں نے اب تک مذہب کے حوالے سے بات نہیں کی۔میں نے اس پہلو کو چھوا تک نہیں ہے کہ دین اور انسان کا تعلق کیا ہے۔میں نے تو اب تک عام معاشرتی حوالے سے باتیں کی ہیں۔تو اس میں میرے کٹڑ ہونے یا یہ ہونے کا کیا پتہ چلتا ہے۔معاف کیجئے گا ،ابھی آپ کا وژن وہ نہیں، جو ہونا چاہیے۔اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔کیونکہ آپ نے بھی تو وہی سوچنا ہے جو خیال آپ کی دیئے گئے ہیں۔"شبانہ نے کہا

"میں سمجھا نہیں،آپ بات کو گھما رہی ہیں۔"وہ تیزی سے بولا

"میں نے بات کو کہیں بھی نہیں گھمایا بلکہ آپ میری بات سمجھ نہیں رہے۔ابھی کچھ لمحے پہلے میں نے کہا تھا کہ انسان اپنے کردار ہی سے اظہار کرتا ہے۔چلیں مجھے بتائیں،کیا آپ کے اور میرے جسم کا کوئی مذہب ہے؟"اس نے اچانک پوچھا تو زرق شاہ نے سوچتے ہوئے کہا

''میرے خیال میں کسی جسم کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔''

''بالکل ایسے ہی جیسے آپ بنیادی طور پر زرق شاہ ہیں، سید زرق شاہ۔۔۔لیکن جب آپ کو کسی ڈاکٹر کا کردار ملتا ہے تو آپ ڈاکٹر بن جاتے ہیں۔غریب بے روزگار بن جاتے ہیں یا ایسے کوئی بھی کردار۔۔۔تو یہ کیوں اپناتے ہیں آپ سارے کردار؟''

''ظاہر ہے مجھے وہ کردار ملتا ہے۔رائٹر اسے لکھتا ہے۔ڈائریکٹر مجھے دیتا ہے اور میں خود پر طاری کر لیتا ہوں۔''

''یعنی ایک خیال جو رائٹر نے سوچا،آپ نے اسے عملی صورت دے دی،وہ بن گئے۔اصل شے کیا ہوئی۔ وہ خیال،جو رائٹر نے سوچا تھا۔اب اسی بات کا دوسرا پہلو دیکھیں۔سید زرق شاہ مختلف کردار بدلتا ہے۔اسی طرح آپ کسی غیر مسلم کا کردار بھی بدل سکتے ہیں۔کبھی کوئی کبھی کوئی۔تو پھر آپ سید زرق شاہ ہی کیوں رہتے ہیں؟ ہونا تو یہ چاہئے کہ آپ بے نام رہیں۔لیکن آپ اپنے نام کے لئے،اپنے پہچان بنانے کے لئے دن رات محنت کرے چلے جا رہے ہیں۔۔۔کیوں؟ تا کہ آپ کو لوگ،آپ کی ذات کے حوالے سے، آپ کی شخصیت کے حوالے سے جانیں۔ایسا کیوں ہے؟''شبانہ نے تفصیل سے کہتے ہوئے سوال چھوڑ دیا۔

''یہی کہ میں ہوں،مطلب میری ذات اور۔۔۔''وہ کہہ نہ سکا اور سر جھٹک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''میں بتاتی ہوں شاہ صاحب،وہ خیال،وہ شعور اور وہ احساس۔۔۔جس نے آپ کو اپنی پہچان دی ہے۔وہ چاہتا ہے کہ نام کمایا جائے اس کا کوئی سا بھی ذریعہ اپنائیں اس سے تو کسی نے نہیں روکا آپ کو۔اسی پہچان کو اجاگر کرنے کے لئے کئی کردار بدلتے ہیں۔''

''یہ تو ہے۔۔۔آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''وہ بولا۔

''اس طرح میں اگر اپنے خیالات کا اظہار اپنے حجاب سے کرتی ہوں...تو آپ نے اسے مذہبی کہہ دیا۔مذہب تو بہت دور کی بات ہے شاہ جی،اگر ہم بہ حیثیت انسان ہی اپنے آپ پر توجہ کر لیں تو کسی کی طرف انگلی نہ اٹھائیں۔بات لمبی ہو جائے گی،ورنہ میں آپ کو بتاتی کہ زندگی گذارنے کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے۔''

''آپ بتائیں۔''وہ تیزی سے بولا

''میرے خیال میں ساری باتیں میں نے ہی کی ہیں،حالانکہ آپ نے مجھے بلایا تھا۔''اس نے یاد دلایا

''اوہ ہاں۔!''اس نے یوں اظہار کیا جیسے اسے یاد آ گیا ہو۔پھر بولا۔''آپ کی ایک بات ہی نے مجھے بہت پریشان کیا ہوا ہے کہ میری نسبت کیا ہے۔کلچر کے حوالے سے بات ہوئی نہیں،جو میں کرنا چاہتا تھا۔آپ نے تو ایک نئی بات میرے سامنے رکھ دی۔خیر وہ پھر سہی۔لیکن یہ بات تو آپ مانیں کہ حجاب لینے والی خواتین مذہبی ہوتی ہیں اور انہیں اور ان کی سوچ کو مذہب کے دائرے ہی میں بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔آپ پوری دنیا کے ساتھ رابطے کی سوچ رکھی ہیں۔لیکن دُنیا تو مختلف مذاہب،روایات،کلچر،ماحول،تہذیب،اور پتہ نہیں کیا کیا۔۔۔ان سب کا مجموعہ ہے۔جبکہ آپ کسی کے ساتھ بیٹھ کر کھا پی نہیں سکتیں،کیا شوشل رویہ ہو گا آپ کا۔یہ خواہ مخواہ کی رکاوٹ اس لئے بنائی گئی ہے کہ ایک خاص طبقے کی علامت ابھرے۔کیا اس کے بغیر کردار کا اظہار نہیں ہو سکتا؟''وہ سکون سے بولا مگر اس کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔

''شاہ صاحب۔!آپ نے اپنی بات میں کئی ساری باتیں کر دی ہیں جو بہر حال ایک طویل بحث کی متقاضی ہیں۔اور میرے پاس اتنا وقت نہیں۔میں اپنی دوست کے ساتھ وعدہ کر کے آئی ہوں کہ اسے وقت دوں گی۔میں کوشش کروں گی کہ آپ کے ہر سوال کا جواب دوں۔آپ اپنے سوال اکٹھے کر رکھیں۔''شبانہ نے خوشگوار انداز میں کہا تو زرق شاہ نے کہا

''اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کی ریسرچ میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں......''

''کیسے کریں گے آپ میری مدد؟''اس نے پوچھا

''جو اور جس طرح چاہیں۔''یہ کہتے ہوئے وہ فوراً بولا''دیکھیں،یہ میں آپ پر احسان نہیں کر رہا ہوں،بلکہ اپنے فائدے کی سوچ رہا ہوں۔''وہ مسکراتے ہوئے بولا

''وہ کیسے؟''اس نے پوچھا

''ظاہر ہے میں آپ سے وقت لوں گا تو اس کے عوض آپ کا وہ وقت تو بچا دوں جو آپ نے ریسرچ کے معاملے میں لگانا ہے۔اس طرح دونوں کا فائدہ ہو جائے گا۔''زرق شاہ نے خمار آلود لہجے میں کہا

"ٹھیک ہے۔" شبانہ نے چونکتے ہوئے کہا اور پھر تیزی سے اپنا پرس اُٹھا کر کھڑی ہوگئی۔ "میں اب چلتی ہوں، اللہ حافظ۔" اس نے کہا اور زرق شاہ کی بات سنے بغیر باہر کی جانب بڑھ گئی۔

وہ ہوٹل کی پارکنگ میں آئی اور اپنی گاڑی سٹارٹ کرنے سے پہلے سعدیہ سے رابطہ کیا۔ مسلسل بیل جانے کے باوجود وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی۔ یقیناً وہ ناراض ہو گئی تھی ورنہ وہ اس کا فون سن لیتی۔ اس نے سیل فون ڈیش بورڈ پر رکھا اور پارکنگ سے نکلتی چلی گئی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ سعدیہ کا دل ضرور دکھا ہو گا کہ وہ وعدہ کرنے کے باوجود پہنچ نہیں پائی تھی۔ اس نے یہ سوچ کر خود کو مطمئن کر لیا کہ وہ کل ڈھیر سارا وقت سعدیہ کو دے گی۔

❀......❀......❀
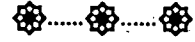
نیلے آسمان پر سورج سفید بادلوں کی اُوٹ میں آیا تو جیسے زمین پر سے دھوپ سمٹ گئی ہو۔ سعدیہ نے محسوس کیا کہ اس کے کمرے میں روشنی کم ہو گئی ہے۔ اس نے وال کلاک کی جانب دیکھا تو سہ پہر ہونے والی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور بیڈ پر پہلو بدل لیا۔ اس کے کمرے میں ہر شے بے ترتیب تھی۔ یہاں تک کہ اس نے کتنے دنوں سے بیڈ شیٹ بھی تبدیل نہیں کی تھی۔ کسی ملازمہ کی جرات نہیں تھی کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے کمرے میں آجائے۔ یہی کمرہ اگر ترتیب سے سجا ہوتا تو اچھا لگتا۔ لیکن اس وقت تو قیمتی سے قیمتی شے بھی معمولی لگ رہی تھی۔ اس کا اپنا من بوجھل تھا۔ اس لئے وہ باہر کسی شے پر بھی توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ ایسے میں نہ اس نے اپنے کمرے پر توجہ دی تھی اور نہ خود پر۔ حالانکہ یہ ایسا وقت تھا جب اسے ہر طرح سے تیار ہونے اور بہت اچھا تاثر دینے کی ضرورت تھی۔ مگر وہ بے نیازی سے کمرے میں پڑی کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔ جہاں دھوپ اور چھاؤں کی آنکھ مچولی چل رہی تھی۔ ایسے لمحات میں اس کا سیل فون بج اٹھا۔ وہ کچھ دیر بجتا رہا۔ اسے لگا جیسے فون کرنے والا اس سے بات کر کے ہی رہے گا۔ وہ کسلمندی سے اٹھی اور سائیڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھایا سکرین پر شبانہ کے نمبر جگمگا رہے تھے۔ اس نے کال ریسور کرتے ہی کہا

"ہاں بولو! کیوں کیا ہے فون۔۔۔؟" اس کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

"اسلام علیکم! بعد از سلام عرض ہے کہ۔۔۔" شبانہ نے شوخی سے کہا تو وہ بات

کاٹتے ہوئے بولی

"میں جب ناراض ہوں اور میرا دل چاہ رہا ہے کہ تم جاؤ بھاڑ میں۔ تب میں تمہیں سلامتی کی دُعا کیسے دے سکتی ہوں۔" وہ ناراض لہجے میں بولی۔

"اچھا میری بات سنو گی۔ مجھے دیر کیوں ہو گئی تھی؟" شبانہ نے تحمل سے کہا۔

"وجہ کچھ بھی رہی ہو لیکن مجھے تو وقت نہیں دیا نا، حالانکہ آج مجھے تمہاری سخت ضرورت تھی۔" وہ اسی ناراضگی سے بولی۔

"خیریت سعدیہ؟" شبانہ نے تشویش سے پوچھا

"خیریت نہیں ہے نا۔ مجھے آج بہت حوصلے اور ہمدردی کی ضرورت تھی۔ یہی مجھے نہیں مل پا رہی ہیں۔" وہ مرجھائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ہوا کیا ہے۔ کچھ بتاؤ گی تبھی تمہیں حوصلہ یا ہمدردی مل سکتی ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"وہ میرا منگیتر ہے نا جمال ناصر۔۔۔! وہ، اس کی ماں اور بہن یہاں ہمارے گھر میں موجود ہیں۔ جس وقت میں تمہیں کیمپس میں ملی تھی، اس وقت وہ ائیرپوٹ سے آنے والے تھے۔ میرا دل نہیں چاہا کہ میں ان کا سامنا کروں اور اُدھر کیمپس چلی گئی۔" اس نے بتایا۔

"یہ بات مجھ سے کہتی تو میں کہیں نہ جاتی۔ جبکہ وہ تمہارے گھر میں آگئے ہیں۔ آمنا سامنا تو اَب بھی ہو گا۔ کب تک بچ پاؤ گی۔ اب میں تمہیں چھپانے سے رہی۔" اس نے کہا۔

"وہ تو کوئی بات نہیں۔ لنچ سب نے اکٹھے لیا ہے۔ میں تو بس انہیں احساس دلانا چاہتی ہوں کہ ان کے لئے میرے دل میں کوئی گرم جوشی نہیں ہے۔" اس نے صاف انداز میں کہا

"پاگل۔! اب جبکہ تم نے احساس دلانے کا نہ صرف فیصلہ کر لیا ہے اور ایسا رویہ دکھا بھی دیا تو اب حوصلے کی کیا ضرورت۔ ہمدردی وہ حاصل کرتے ہیں، جن میں خود کوئی صلاحیت نہ ہو۔ میری جان۔! تمہیں اپنی جنگ خود ہی لڑنا ہو گی۔ اس کا نتیجہ دو صورتوں ہی میں ہے نا، شکست یا فتح۔! تیسرا کوئی آپشن نہیں ہے۔" شبانہ نے کہا۔

"میں جانتی ہوں۔۔۔ وہ صرف آج کی رات یہاں رہیں گے۔۔۔ کل فیصلہ دینا ہے کہ میری قسمت کا۔ یہاں فتح و شکست کی بات ہی بعد کی ہے۔ مجھے اپنی جنگ لڑنے کا

اِذن بھی نہیں ملے گا اور میں مشرقی لڑکی۔۔۔والدین کی خوشنودی کے لئے وہاں چلی جاؤں گی جہاں ساری زندگی فرسٹیٹڈ ذہن کے ساتھ سمجھوتے کرتے گذار دوں گی ۔زیادہ بغاوت کروں گی تو بے حیثیت ہو کر رہ جاؤ گی۔“ وہ مایوسی میں بولی۔

”ارے میری جان۔!جب فرسٹیٹڈ ہونا ہے وہ تب کی بات ہے۔تم ابھی سے بکھر رہی ہو۔دیکھو۔!پہلے تمہیں خود اپنے آپ میں مضبوط ہونا ہے اور ذات کی مضبوطی یکسوئی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔“شبانہ نے سمجھایا۔

”یار کبھی کبھی مجھے تمہاری باتیں ،تمہاری طرح عجیب سی لگتی ہیں۔اَن پریکٹیکل، بلکہ جن کی سمجھ ہی نہ آسکے۔مطلب تم یکسوئی کی بات کر رہی ہو۔میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تمہیں یہ سوجھ رہا ہے۔“ سعدیہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”اچھا ساری باتیں بھول جاؤ ،صرف ایک بات کا جواب دو۔آخر وہ تمہیں اچھا کیوں نہیں لگ رہا۔نہ۔۔جواب مجھے مت دینا۔بلکہ پورے خلوص کے ساتھ اپنے آپ سے پوچھنا۔ انتہائی صاف گوئی سے اپنے آپ ہی کو جواب دینا۔تمہیں نہ صرف یکسوئی کی سمجھ آجائے گی بلکہ وہ وجہ بھی جو تمہارے لاشعور میں تو ہے لیکن تمہیں اس کا ادراک نہیں۔“

وہ نرم انداز میں لفظ لفظ بولی تو سعدیہ چند لمحوں تک خاموش رہی۔پھر بولی

”بات تو تمہاری دل کو لگتی ہے، مجھے اصل میں وہ بات تلاش کر لینی چاہیے،جس کے باعث میں ناصر جمال سے متنفر ہوں۔ٹھیک ہے، میں سوچتی ہوں،لیکن اگر پھر بھی سمجھ نہ آئی تو میں ۔۔۔۔“

”تمہیں کوئی بات پوچھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہو گی۔۔۔سمجھ میں نہ آنے والی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔“ شبانہ نے پرجوش انداز میں کہا۔تبھی سعدیہ کے دروازے پر ہلکے سے دستک ہوئی۔وہ چونک گئی۔

”ٹھیک ہے، میں صبح تم سے ملوں گی ،پھر بتاؤں گی کہ میں نے کیا سوچا۔“ سعدیہ نے کہا اور پھر الوداعی فقروں کے بعد فون بند کر دیا۔

دروازے پر اس کی ماما تھی۔اس نے جونہی سعدیہ کی دیکھا اور حیرت سے بولی۔

”اے لڑکی، تمہیں کچھ ہوش بھی ہے کہ نہیں،یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟“ یہ کہتے ہوئے اس نے اندر جھانکا اور بولی

”یہ تمہارا کمرہ ہے۔۔۔یہ کیا ہے۔۔۔کیوں ایسا رویہ اپنائے ہوئے ہو۔تم جانتی نہیں ہو کہ گھر میں آئے ہوئے مہمان کون ہیں۔اور وہ یہاں پر کیوں آئے ہیں؟“ تیز تیز مگر دبے لہجے میں کہتے ہوئے اس کی ماما کا لہجہ ایک دم سے پھول گیا۔وہ خاموش کھڑی رہی۔

”بولتی کیوں نہیں؟“ اس بار ماما نے تلخ لہجے میں کہا۔

”کیا ہوا ہے مجھے، میں ٹھیک تو ہوں۔“ وہ بولی

”ٹھیک ایسے ہوتے ہیں ۔۔۔تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔۔۔اور پھر تم یہاں کیوں پڑی ہو۔ان کے پاس بیٹھو۔وہ سب لان میں تمہارے پاپا کے پاس بیٹھے ہیں۔۔۔تم ناصر کو کمپنی دو۔۔۔یہ کیا فضول جاہل لڑکیوں کی طرح اِدھر پڑی ہو۔“ اس کی ماما کو کچھ نہ سوجھا تو بے نقط سناتی چلی گئی۔اس پر سعدیہ نے ایک لمبا سانس لیا اور کہا۔

”ٹھیک ہے، میں ابھی آتی ہوں۔“

”ایسے مت آجانا۔“ ماما نے کہا اور چند لمحے اس کی جانب دیکھتے رہنے کے بعد واپس چلی گئی۔وہ کچھ دیر تک وہیں دروازے میں کھڑی سوچتی رہی ، پھر پلٹ کر کمرے میں چلی گئی۔

وہ لان میں جانے کے لئے اپنے کمرے سے نکلی تو ہلکے کاسنی رنگ کی ہاف سلیو قمیض، سفید شلوار پہنی ہوئی تھی اور اسی رنگ کا آنچل گلے میں ڈالا ہوا تھا۔وہ اپنے معمول کے لباس ہی میں تھی۔سفید ہلکے سلیپر پہنے وہ خراماں خراماں لان کی طرف جا رہی تھی۔بوائے کٹ بالوں کے ساتھ کان کے بندے چمک رہے تھے۔وہ اُن کے پاس آگئی۔سبھی نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے سب کو وِش کر کے بیٹھ گئی۔وہ نجانے کس موضوع پر بات کر رہے تھے۔اس کے آتے ہی خاموش ہو گئے۔اس نے درمیان میں رکھی میز پر پڑے برتنوں سے اندازہ لگایا۔وہ سب چائے پی چکے تھے۔ناصر جمال مسلسل اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔تبھی ناصر جمال کی ماما نے کہا۔

”سعدیہ۔!تم اتنی فریش نہیں دکھائی دے رہی ہو،کیا بات ہے؟“

”امتحان سر پر ہیں۔اس لئے دن رات کتابوں میں سر دیئے رہتی ہے۔“ ماما نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا۔

”اُو۔!کب تک ختم ہو رہے ہیں یہ امتحان ۔۔۔“ ناصر جمال نے پوچھا۔

''دو مہینے تو لگ ہی جائیں گے۔۔۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''پھر اس کے بعد کیا کرنا ہے۔۔۔؟'' اس نے عام سے لہجے میں کہا تھا لیکن وہ اس میں موجود مہین سے طنز کو محسوس کیے بنا نہیں رہ سکی۔

''کچھ نہ کچھ تو ہوگا ہی۔۔۔'' اس نے بحث سے بچنے کے لئے گول مول سے انداز میں کہہ دیا۔

''مطلب، تمہارے ذہن میں کوئی آئیڈیا نہیں ہے کہ پڑھنے کے بعد تم کچھ کرنا بھی چاہو گی یا نہیں؟'' وہ بولا

''فی الحال، میں امتحان دوں گی۔اس کے بعد پوری توجہ سے سوچوں گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔'' اس نے گویا بات ختم کرتے ہوئے کہا۔تو ان سب کے درمیان خاموشی آن ٹھہری۔تبھی ناصر جمال نے کہا۔

''سعدیہ۔! مجھے تمہارے اِس شہر کا ایک خاص علاقہ دیکھنا ہے۔ایسے ہی وزٹ کر کے آنا ہے۔کیا تم مجھے وہاں تک لے جاؤ گی۔۔۔؟''

''کیوں نہیں۔۔۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

''تو پھر نکالو گاڑی اور چلیں۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''ہاں ہاں جاؤ بیٹی۔! مجھے ناصر نے کہا تھا کہ اس نے جانا ہے۔میں نے ہی کہا تھا کہ سعدیہ لے جائے گی۔'' ماما نے کہا تو وہ اٹھ گئی۔

سعدیہ نے گاڑی گیٹ سے پار کی تو پسنجر سیٹ پر بیٹھے ہوئے ناصر جمال نے اس کی طرف دیکھا اور پھر بڑے خوشگوار موڈ میں پوچھا۔

''سعدیہ۔! یہ نہیں پوچھو گی کہ میں اس علاقے کا وزٹ کیوں کرنا چاہتا ہوں؟''

''آپ بتا دیں۔'' اس نے ہولے سے کہا تو ناصر نے سڑک پر دیکھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''دراصل میں چند ماہ پہلے میرے چند عربی دوست یہاں آئے تھے۔انہیں یہاں سے اپنی پسند کا فوڈ نہیں ملا۔انہوں نے ایسے کسی ریستوران کو تلاش بھی کیا تھا۔وہ واپس گئے۔جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آئیڈیا دیا۔کیوں نہ یہاں ایک ریستوران بنایا جائے جہاں عربی کھانے ملیں۔''

''ریستوران کے لئے جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اگر اس علاقے میں آپ کو جگہ ہی نہ ملی تو۔۔۔'' اس نے یونہی کہہ دیا۔

''جگہ فائنل ہے۔اس علاقے میں کہیں ہے۔میں ابھی پوچھ بھی لیتا ہوں۔ویسے تمہارے خیال میں یہ آئیڈیا بزنس پوائنٹ آف ویو سے کیسا رہے گا؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا فون نکالا۔

''سرمایہ کاری آپ نے کرنی ہے۔آپ کو بہتر پتہ ہونا چاہیے۔'' اس نے عدم دلچسپی سے کہا۔

''میں نے تمہارا خیال پوچھا ہے۔ورنہ یہ تو کروڑوں کا پراجیکٹ ہے۔'' اس نے تفاخر سے کہا

''ہوگا۔! چاہے اربوں میں ہو۔'' اس نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا تو فون پر نمبر پش کرتے ہوئے وہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔چند لمحے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔

''کیا تمہیں کوئی دلچسپی نہیں کہ یہاں اس شہر میں اتنے بڑے بجٹ کی سرمایہ کاری کر رہا ہوں۔''

''آپ تو بزنس مین ہیں،آپ تو بزنس کریں گے ہی۔'' اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے نرم انداز میں کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ مستقبل میں ہمارا کیا تعلق بن جانے والا ہے،اس حوالے سے بھی نہیں دلچسپی ہوگی؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''آئندہ کیا ہونے والا ہے۔اس کے بارے میں کون جانتا ہے۔'' وہ آہستہ سے بولی اور سرخ بتی پر گاڑی روک دی۔

''مطلب۔! تمہیں کوئی شک ہے؟'' اس نے بات سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

''بات شک یا یقین کی نہیں ہے۔مستقبل میں کیا ممکن ہے یا کیا نہیں۔یہ تو ہم نہیں جانتے نا۔ہمیں آج پر اسی لئے توجہ کرنی چاہیے کہ آج کیا ہے۔'' اس نے کہا اور سبز بتی پر گاڑی بڑھانا شروع کر دی۔

''مستقبل کی پلاننگ بلاشبہ آج ہی کرنا پڑتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

لیکن آج پر اسی لئے توجہ دیتے ہیں تا کہ آنے والا کل بہتر ہو جائے۔'' اس نے کہا تو لگا جیسے اس کا لہجہ تبدیل ہو گیا ہے۔

''اس طرح یقیناً آپ کا نکتہ نظر مجھ سے مختلف ہو گا کہ میں دولت کی خواہش رکھتی ہوں لیکن اس لئے کہ اس سے زندگی کو سکون ملے لیکن ایسی دولت نہیں چاہتی جس سے زندگی بے سکون ہو جائے۔'' وہ سکون سے بولی۔

''کیا تم دنیا کے بارے میں وژن نہیں رکھتی ہو؟ وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کتنا کچھ بدل کر رہ گیا۔ خیر۔! تم ایسے کرو۔ کسی اوپن ایئر ریستوران میں چلو۔ ہمیں تھوڑی سی باتیں کرنا ہے۔ پھر بعد میں وہ جگہ وزٹ کر لیں گے۔'' ناصر نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہم آپ کے بتائے ہوئے علاقے میں آ گئے ہیں۔'' سعدیہ نے بتایا۔

''کوئی بات نہیں، بعد میں سہی۔ ابھی میں نے لوکیشن بھی پوچھنی ہے۔ تم چلو کسی ریستوران میں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو سعدیہ نے کچھ دیر کے بعد ایک اوپن ایئر ریستوران کے باہر گاڑی روک دی۔

اس وقت سورج ڈھل چکا تھا اور شہر کی بتیاں روشن ہو چکی تھیں، جب وہ اوپن ایئر ریستوران میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ تبھی سعدیہ نے ناصر جمال کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا باتیں کرنا چاہتے تھے آپ؟''

''سعدیہ یہاں آنے سے پہلے تمہارے بارے میں میر جو تصور تھا۔ وہ دوسرں کی طرف سے میرے ذہن میں بنایا گیا تھا۔ لیکن ان چند لمحوں کی ملاقات میں مجھے یوں لگا ہے جیسے تم وہ نہیں ہو، جیسا میں نے تمہیں سوچا ہے۔ تم بالکل اجنبی لگی ہو۔''

''تو۔۔۔؟'' سعدیہ نے پوچھا

''میری ماما چاہتی ہیں کہ میری شادی تمہارے ساتھ ہو جائے۔ کیا یہ بات تم جانتی ہو۔؟'' اس نے پوچھا۔

''جانتی ہوں۔۔۔!'' وہ ہولے سے بولی

''ظاہر ہے شادی کے بعد میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا تو زندگی بھی میرے

ماحول میں تمہیں گذارنا پڑے گی۔ اگر ہم دونوں ہم خیال نہیں ہوں گے تو زندگی مشکل نہیں ہو جائے گی۔۔۔؟''

''ہم خیال سے آپ کیا مراد لیتے ہیں۔۔۔؟'' سعدیہ نے پوچھا

''مثلاً! جیسے میں یہاں سرمایہ کاری کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے تمہیں اس کاروبار کو دیکھنا پڑے، لیکن تمہارا نکتہ نظر تو میرے نکتہ نظر سے بالکل متضاد ہے۔ تم دولت کمانا ہی نہیں چاہتی ہو۔۔۔ ایسے میں ہمارے درمیان ہم خیالی کیسے ہو پائے گی۔۔۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا تو سعدیہ کا چہرہ گلابی سے سرخ ہو گیا۔ اس نے دبے دبے غصے میں کہا۔

''تو آپ کو بیوی نہیں۔۔۔ اپنا کاروبار دیکھنے کے لئے مددگار چاہئے۔۔۔''

''تم غلط سمجھی ہو۔۔۔ اس دنیا میں رہنے کے لیے، اس کے ساتھ چلنے کے لئے دولت کی ضرورت ایک حقیقت ہے۔ بیوی تو تم میری رہو گی لیکن اگر تم دولت مند بن جاؤ تو کیا برائی ہے۔ دولت کا حصول کوئی آسان کام تو ہے نہیں کہ اس میں سکون ہو۔ جان مارنی پڑتی ہے۔ اپنا آپ وقف کرنا پڑتا ہے۔'' اس نے پُر جوش انداز میں کہا۔

''یہی بات تو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہی ہوں۔ ایسی دولت کا کیا فائدہ جو سکون ہی نہ دے سکے۔ اس سے اچھی وہ ایک کلاس ٹیچر ہے جو اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت کرتی ہے، بچوں کو تعلیم دیتی ہے اور پھر تھوڑے پیسوں میں سکون سے زندگی گذارتی ہے۔'' سعدیہ نے کہا۔

''کیا مقام ہوتا ہے اس ٹیچر کا اس معاشرے میں؟ کیا وہ اپنی تنخواہ میں سے اندرون ملک ہوائی سفر کر سکتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر کسی اچھے ہسپتال کے اخراجات برداشت کر سکتی ہے۔ بہت افسوس ہے سعدیہ، تمہاری سوچ تو بالکل کم درجے کی ہے۔''

''کم درجے میں اگر ضمیر مطمئن ہو تو میرا خیال ہے یہ زندگی زیادہ اچھی ہے۔ اور رہی آپ کے ماحول کی بات تو مجھے وہ قطعاً پسند نہیں ہے۔ آپ تو دوسری عورت کو اپنی بانہوں میں رکھنا قابل فخر گردان سکتے ہیں لیکن کیا آپ پسند کریں گے کہ آپ کی بیوی کسی غیر مرد کی بانہوں میں ناچتی پھرے۔۔۔'' سعدیہ نے انتہائی تلخی سے کہا۔

''میں پھر تم پر افسوس کروں گا سعدیہ۔! تم پتہ نہیں کس طبقے کی بات کر رہی ہو۔

یہ تو مڈل کلاس لوگوں کی سوچ ہے۔میرے ماحول اور طبقے میں روشن خیالی ہے۔وہاں ایسی فضولیات پر دھیان نہیں دیا جاتا۔ایسی گھٹن اور چھوٹی سوچ کی گنجائش نہیں ہے۔جسے تم لئے بیٹھی ہو۔'' ناصر نے یوں کہا جیسے اس کے سامنے کوئی پچھلی صدی کی عورت بیٹھی ہوئی ہے۔

''ہم کون ہیں، ہماری روایات کیا ہیں؟ایک عورت کی عزت واحترام کیا ہوتا ہے؟اس کی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''میں فرسودہ خیالات کو اپنے ذہن میں جگہ نہیں دیتا۔آج کی روایات کیا ہیں۔ مجھے یہ دیکھنا ہے۔ باقی رہی عزت واحترام کی بات۔جب تم گلے میں ہیروں کا ہار پہن کر مہنگے لباس میں،مہنگی گاڑی پر سفر کرو گی تو سبھی تمہارا احترام کریں گے۔یہی دنیا کی روایات ہے۔یہاں اسی کو جھک کر سلام کیا جاتا ہے کہ جس کے پاس قوت ہوتی ہے۔تمہارے جیسی مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھنے والی۔۔۔سوری۔۔۔تمہارا خاندان مڈل کلاس سے تعلق نہیں رکھتا،لیکن تمہاری سوچ ایسی ہے۔خیر!تم وہ خواب بھی نہیں دیکھ سکتی،جو ہمارا معمول ہیں۔ ایک شاندار زندگی ہے ہماری۔اور اسے برقرار رکھنے کے لئے وقت تو دینا پڑتا ہے۔کیا مڈل کلاس کے لوگ محنت نہیں کرتے۔ان کی زندگی میں کس قدر سکون ہوتا ہے۔ان سے پوچھو دولت کی اہمیت کیا ہے۔'' ناصر اپنے خیالات کی وضاحت میں جذباتی ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ اپنے خیالات جو بھی رکھیں۔یہ آپ کا حق ہے،لیکن کسی دوسرے کو حق نہیں دیتے کہ وہ اپنی رائے جیسی بھی رکھے۔آپ اس سے نفرت نہیں کر سکتے اور نہ ہی اسے کم درجے کا کہہ سکتے ہیں۔اس کا آپ کو کوئی حق نہیں۔'' سعدیہ نے واضح انداز میں کہا۔

''تم ابھی عملی زندگی میں نہیں آئی ہو۔اس لئے تمہیں اس کے تقاضوں کا اندازہ نہیں ہے۔ہمارے طبقے میں کسی کو اس کی ذات پات کے حوالے سے نہیں،اس کے بنک بیلنس سے پہچانا جاتا ہے۔اس لئے مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تمہارے ذہن میں ایسے خیالات کیوں ہیں۔'' وہ لمحہ بھر توقف کے بعد نفرت سے بولا''اوکے!یہ تو اچھا ہوا کہ ہم نے تھوڑی سی گفتگو میں کم ازکم ایک دوسرے کے بارے میں اندازہ تو لگایا۔تمہیں اپنے خیالات پر نظرثانی کرنی چاہیے۔میرا تمہیں یہی مشورہ ہے۔'' ناصر نے طنزیہ لہجے میں کہا

''مجھے آپ کے مشورے کی ضرورت نہیں۔میں سمجھتی ہوں کہ میرے لئے کیا اچھا

ہے اور کیا اچھا نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے بھی چند لمحے توقف کیا اور پھر بولی۔''ہم چلیں یا ابھی کوئی بات رہتی ہے۔''

''میرے خیال میں تو اب مجھے اپنے خیالات پر نظرثانی کرنا پڑے گی۔'' اس نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے کیجئے۔آپ کو کس نے روکا ہے۔میں چونکہ آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتی،اس لئے۔۔۔'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔تب ناصر نے اس کی جانب گہری نگاہوں سے دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

''آؤ چلیں۔''

وہ جیسے ان دو لفظوں ہی کے انتظار میں تھی۔اس لئے فوراً اٹھ گئی۔وہ دونوں خاموشی سے پارکنگ تک آئے۔گاڑی میں بیٹھے تو سعدیہ نے پوچھا۔

''آپ نے وہ لوکیشن پوچھی ہی نہیں۔''

''بعد میں دیکھیں گے،ابھی گھر چلو۔'' ناصر نے کہا اور خاموشی سے باہر کی جانب دیکھنے لگا۔سعدیہ مسکرا دی اور گھر کی طرف جانے کے لئے گاڑی بڑھا دی۔اندھیرا گہرا ہوتا چلا گیا تھا۔

❁......❁......❁

اس دن شبانہ کو کیمپس میں کوئی کام نہیں تھا اور نہ ہی کوئی کلاس تھی۔لیکن اس نے سعدیہ سے وعدہ کر رکھا تھا۔اس لئے وہ جانا چاہتی تھی چاہے کچھ دیر بعد ہی اسے واپس آنا پڑے۔وہ تیار ہو چکی تھی اور باہر جانے کے لئے نقاب اُوڑھ چکی تھی۔انہی لمحات میں اسے زرق شاہ کی کال آ گئی۔وہ سکرین پر نمبر دیکھ رہی تھی اور تیزی سے سوچ رہی تھی کہ اس کا فون ریسو کرے یا نہیں۔وہ چند لمحے دیکھتی رہی،پھر فون اٹھاتے ہوئے کال ریسو کر لی۔

''جی فرمائیں۔!'' یہ کہتے ہوئے یک بارگی اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

''اُو۔!میں نے سوچا آپ اس وقت مصروف ہوں گی جو فون نہیں اٹھا رہی ہیں۔'' زرق شاہ نے یوں کہا جیسے اس کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو۔

''نہیں بس میں کیمپس جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی،فرمائیں۔'' اس نے جلدی سے کہا

''کچھ نہیں ،میں ویسے ہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ اگر آج آپ سٹوڈیو کی طرف آئیں تو۔۔۔'' زرق شاہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''نہیں ۔فی الحال تو نہیں، میں فون پر رابطے میں ہوں۔دو چار دن بعد جانے کا ارادہ ہے۔جب میرا کام مکمل ہو جائے گا۔اتنا وقت نہیں ہوتا کہ میں روزانہ وہاں جاؤں۔''

''ٹھیک ہے۔بس میں نے یہی معلوم کرنا تھا۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔وہ چند لمحے اپنے سیل فون کو گھورتی رہی پھر سوچنے لگی کہ آخر اس نے یوں کیوں پوچھا اس خیال کے ساتھ ہی اسے کل والی ملاقات یاد آ گئی۔

اس وقت اسے زرق شاہ بہت اچھا لگا تھا،جب اس نے بہت اچھے انداز میں معذرت کی تھی۔پہلی ملاقات میں جو اس کا انداز اور لب و لہجہ تھا اس سے تو یہی لگتا تھا کہ وہ بہت مغرور اور خود پسند سا انسان ہے۔وہ کبھی بھی اس طرح معذرت نہیں کرے گا۔یہ اس قدر تبدیلی کیوں۔۔۔؟ آخر ایسی کون سی بات تھی جس نے اسے معذرت کرنے پر مجبور کر دیا؟وہ ان سوالوں پر جتنا بھی سوچتی،اسے کچھ سمجھ نہیں آنے والا تھا۔اس کا جواب تو وہی دے سکتا تھا۔اس نے یہ سوچنا کسی اور وقت پر اُٹھا رکھا اور کیمپس جانے کے لئے نکل پڑی۔تمام راستے وہ یہی سوچتی رہی اور مختلف جواب اس کے ذہن میں آتے چلے گئے۔

گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ اپنا پرس اور فائلیں اٹھائے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھی تو اسے دور سے سعدیہ سیڑھیوں پر بیٹھی دکھائی دی۔ ہلکے پیازی رنگ کے سوٹ پر میرون رنگ کا سوتی کام تھا۔حسب معمول ہاف سلیو میں سے گورے بازو چھلک رہے تھے۔ ڈوپٹہ گلے میں ڈالا ہوا تھا اور میرون رنگ کے چپل میں سے گورے پاؤں دمک رہے تھے۔ وہ اسی طرف دیکھ رہی تھی۔شبانہ کو لگا جیسے معمول سے ہٹ کر آج وہ خاصی خوشگوار دکھائی دے رہی ہے۔وہ اسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی۔قریب آنے پر بڑی گرم جوشی سے ملی اور پرجوش انداز میں بولی۔

''میں آج بہت خوش ہوں۔''

''اللہ تمہیں ہر طرح سے خوش رکھے۔کیا خوشی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔'' شبانہ نے خوشگوار انداز سے کہا۔

''آؤ!تنہائی میں بیٹھتے ہیں۔پھر ساری بات بتاتی ہوں۔'' سعدیہ نے اس کا

ہاتھ پکڑ کر لان کی جانب لے جاتے ہوئے کہا۔وہ دونوں ادھر بڑھ گئیں۔تب سعدیہ نے کل شام کی پوری روداد سناتے ہوئے کہا۔''یقین جانو شبانہ۔!زندگی میں پہلی بار یہ احساس ہوا ہے کہ اگر آپ کے منہ میں زبان ہے اور آپ کو اپنے خیالات پر درست ہونے کا یقین ہے تو اظہار میں کس قدر سکون ہے۔''

''اُس کا ردعمل کیا ہے؟'' شبانہ نے پوچھا

''صرف اس کا نہیں،سب نے اپنا ردعمل دکھانا ہے۔اور میں اس کا سامنا کروں گی۔اب مجھ میں بہت ہمت آ گئی ہے۔ایک لائف سٹائل مجھے پسند نہیں ہے۔کیوں مجھے اس کی جانب دھکیلا جا رہا ہے۔'' سعدیہ نے اعتماد سے کہا تو شبانہ چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھتی رہی،پھر بولی

''سعدیہ۔!کبھی تم نے یہ سوچا کہ جو لائف سٹائل ناصر جمال کا ہے،وہ تمہیں کیوں اچھا نہیں لگتا؟''

''اس لئے شبانہ کہ میں اس میں عورت کی تذلیل محسوس کرتی ہوں۔عورت کی نسوانیت کا تو احترام نہیں،لذت کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔یہ کیسی مردانگی ہے کہ میرا شوہر ہی مجھے کسی کی بانہوں میں جھولتا ہوا دیکھے اور ذرا بھی غیرت محسوس نہ کرے۔'' وہ نفرت سے بولی

''یہ تمہارے اندر کے احساسات ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتی ہو کہ آخر یہ لائف سٹائل ہے کن کا؟'' وہ بولی۔

''کسی کا بھی ہو۔غرض اس سے نہیں ہے۔دیکھنا یہ ہے کہ انسان اور انسانیت کا احترام کہاں پر ہے ۔عورت کو تعظیم کہاں ملتی ہے۔یورپ کا معاشرہ ہو یا ہمارا مشرقی معاشرہ، ہر جگہ عورت کا استحصال کیا جاتا ہے۔انداز مختلف ہیں۔اب میں نے اپنے دل کی بات کہی۔جو میں چاہتی ہوں،اس بارے اظہار کیا ہے تو میں یہ بھی محسوس کر رہی ہوں کہ مجھے خوفناک ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔سچائی کو اہمیت نہیں دی جائے گی۔'' سعدیہ نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

''سعدیہ۔!میں اب تک یہ نہیں سمجھ پائی ہوں کہ آخر تم چاہتی کیا ہو؟'' شبانہ نے پوچھا

''میں چاہتی ہوں کہ عورت کو اس کی نسوانیت کے مطابق احترام دیا جائے ۔ وہ

کیا چاہتی ہے،اس کی اپنی کیا خواہشات ہیں؟وہ کس طرح جینا چاہتی ہے؟اس کا اسے حق دیا جائے کہ اس کی خوشی کس میں ہے؟'' وہ تیزی سے کہتی چلی گئی۔تو شبانہ چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی اور پھر بولی۔

''سعدیہ۔!کبھی تم نے آسمان پر رنگ برنگی پتنگیں اُڑتی دیکھی ہیں؟''

''ہاں۔!'' اس نے چونک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ کسی ڈور سے بندھی ہوئی ہوتی ہیں۔وہ ہوا میں جیسی بھی اڑیں،کسی کے ساتھ پیچ بھی لگ جائے۔لیکن جب تک وہ ڈور سے بندھی رہے گی۔اس وقت تک وہ تیز ہواؤں کا بھی مقابلہ کر سکتی ہے۔جتنی مضبوط ڈور ہو گی،اس قدر وہ ہواؤں میں تیرتی رہتی ہے۔ لیکن جیسے ہی ڈور کٹی،وہ ہواؤں میں بے آسرا ہو جاتی ہیں۔یہاں تک کہ وہ جھولتی جھولتی زمین کی جانب آنا شروع ہو جاتی ہے حتکہ وہ زمین پر گر جاتی ہے۔کسی دوسرے کے ہاتھ میں آ جاتی ہے،یا پھر کئی ہاتھوں کی چھینا جھپٹی میں پھٹ جاتی ہے۔یہاں تک کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔میں نے تمہیں یہ کوئی حتمی مثال نہیں دی۔محض ایک بات واضح کرنا چاہتی ہوں۔اگر تم سمجھ سکو تو۔۔۔'' وہ سکون سے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔تب سعدیہ نے کہا۔

''ان علامتوں کو میں کسی قدر سمجھ تو گئی ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔لیکن پھر بھی مجھے ذرا مزید کھول کر بتاؤ؟''

''اگر ہم پتنگ کو عورت مان لیں تو ڈور اس کی نسبت ہے۔وہ خیالات و افکار ہے،جن کے سہارے اس نے اس دنیا میں رہنا ہے اور معاملاتِ دنیا نبھانے ہیں۔پتنگ اڑانے والا وہ بنیاد ہے جس سے وہ نسبت یا وہ خیالات وافکار لئے جا رہے ہیں۔وہ ہمیں کس حد تک وسعت دے سکتے ہیں۔ایسے ہی ہم اپنے آپ کو دیکھیں تو ہمارے خیالات وافکار کا منبع کہاں پر ہے۔اسی مرکز ومحور ومنبع سے لئے گئے خیالات وافکار کے ساتھ دنیا کی ہواؤں، مطلب، حالات میں آتے ہیں۔یہاں پتہ نہیں کیسے کیسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ڈور کمزور ہوئی تو گئے۔'' شبانہ نے سمجھایا تب سعدیہ چند لمحے سوچتی رہی،پھر بولی۔

''ہاں شبانہ۔!ایسا تو ہوتا ہے،جب تک عورت مضبوط نہیں ہو گی،تب تک اس کا استحصال ہوتا رہے گا۔یہ تو فطری سی بات ہے نا۔''

''میرا سوال یہ ہے پیاری کہ عورت کمزور کیوں ہے؟''

''ظاہر ہے یہ معاشرہ مردوں کا ہے۔'' اس نے سکون سے کہا،پھر لحہ بھر سوچتے رہنے کے بعد اپنی ہی بات کی تصیح کرتے ہوئے بولی۔''اس میں کسی قدر قصور عورت کا بھی ہے۔اسے اپنے حقوق کا پتہ ہی نہیں ہے اور نہ وہ اپنے فرائض بارے جانتی ہے۔کبھی کبھی جب میں انٹرنیٹ پر جاتی ہوں۔میگزین دیکھتی ہوں یا کسی دوسرے ملک کے اخبارات دیکھتی ہوں تو عجیب سا احساس ہوتا ہے۔جیسے عورت ایک کھلونا ہے۔اور عورت خود بھی اپنے آپ کو یوں پیش کرتی ہے جیسے وہ کوئی بازاری شے ہو۔آدھے ادھورے لباس۔۔۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے خاموش ہو گئی۔

''میں تمہاری اس بات سے پوری طرح متفق ہوں کہ عورت کو اگر اپنے بارے میں آگہی مل جائے تو پھر اس کا کوئی بھی استحصال نہیں کر سکتا۔باقی جو تم نے بات کہی ہے کہ بازاری شے والی،یہ سب مادیت کا شاخسانہ ہے۔اصل میں مادیت نے پوری دنیا کو ایک ایسا تصور دے دیا ہے کہ جس میں وہ خود کو بالکل غیر محفوظ سمجھتا ہے۔خوف میں مبتلا کر دیا ہے کہ پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔بات روٹی سے شروع ہو کر آسائشات اور پھر تعیشات تک جا پہنچتی ہے۔یہ ساری باتیں اپنی جگہ،ہماری دنیا میں،ہمارے اردگرد نجانے کتنے کھیل تماشے ہیں۔کتنے افکار ہیں۔کیسے کیسے نظام ہیں۔ان پر غور کیا جائے تو نتیجے میں انسان کی ذاتی زندگی کیا ہے؟اس سے پورے نظام کے اچھے یا برے ہونے کا پتہ چل جاتا ہے۔'' شبانہ نے آہستہ آہستہ سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''لیکن کوئی نظام ہے جس میں عورت کا استحصال نہ ہو رہا ہو؟'' سعدیہ نے پوچھا

''ہاں ہے۔!لیکن میں اس وقت اس پر بحث نہیں کروں گی۔میں تو یہ کہوں گی کہ دنیا میں ہر شے بشمول انسان،مرد عورت،اصل میں ان سب کی ضرورت کیوں ہے؟ ہر شے کا اپنا ایک مقصد بھی ہے۔اسی طرح مرد اور عورت کا ہونا بھی ایک خاص مقصد کے لئے ہے۔ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ عورت کی اصل کیا ہے۔اسے کیوں تخلیق کیا گیا ہے۔پھر ہمیں سمجھ آنا شروع ہو گی کہ اس کے مطابق ہمارے حقوق کیا ہیں۔اور ہمارے فرائض کیا بنتے ہیں۔ اپنی آگہی کے بغیر ہم کیسے اپنے حقوق وفرائض کا تعین کر سکتے ہیں۔'' شبانہ نے کہا۔

''میں سمجھی نہیں،تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' سعدیہ نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میرے کہنے کا مطلب ہے، اپنے عورت پن ۔۔۔بلکہ اپنے آپ یعنی اپنی ذات کی آگہی۔۔۔اپنے عورت ہونے کا احساس ۔۔۔“ شبانہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا

”بالکل ۔!ہونا تو یہی چاہیے کہ ہم یہ جانیں کہ کون سی شے کس مقصد کے لئے ہے۔۔۔عورت کا کیا مقصد ہے۔۔۔“ آخری لفظ اس کے بڑبڑانے والے انداز میں کہا تو شبانہ بولی

”تم سوچو، غور کرو۔۔۔پھر ہم اس پر بات کریں گی۔۔۔اگر ہماری سوچ کو بنیاد درست مل جائے تو پھر خیالات کی عمارت بھی ٹھیک بنتی ہے۔تم گھبراؤ مت۔۔۔اپنے آپ پر اعتماد رکھو، ہوگا وہی جو تم چاہوگی۔اس سے پہلے کہ یہ دنیا ہم پر حاوی ہوجائے، ہم پر اپنے فیصلے مسلط کرنا شروع کردیں۔ہمیں اپنا آپ منوانا ہوگا۔“

”ایسا ہی ہوگا۔“ سعدیہ نے مسکراتے ہوئے عزم سے کہا تو وہ ہنس دی۔”آؤ تمہیں اسی خوشی میں کولڈ ڈرنک پلاؤں۔“ سعدیہ اٹھتے ہوئے بولی تو وہ اٹھ گئی۔

اس وقت وہ دونوں کینٹین میں تھیں۔ان دونوں کے سامنے کولڈ ڈرنک رکھے ہوئے تھے۔شبانہ نقاب کے نیچے سے اسٹرا کے ساتھ کولڈ ڈرنک پی رہی تھی۔سعدیہ اسے پھر سے تفصیل کے ساتھ ناصر جمال کے ساتھ ہونے والی ملاقات کے بارے میں بتا چکی تھی۔

انہی لمحات میں زرق شاہ کا نمبر سکرین پر جگمگا اٹھا۔ایک ہی دن میں دوبار اس کا فون آنا اسے خاصا عجیب لگا تھا۔صبح بھی اس نے کوئی خاص بات نہیں کی تھی۔لیکن اپنا احساس یوں چھوڑ گیا تھا جیسے کمرے میں کوئی خاص قسم کی خوشبو پھیل جائے اور بندہ اس سے اچھا محسوس کرنے لگے۔فون لگاتار بجتا چلا جارہا تھا۔تبھی سعدیہ نے کہا۔

”کس کا فون ہے جو اٹھا نہیں رہی ہو؟“

”ایک اداکار ہے، میں نے اسے سوالنامہ دیا تھا سروے کے لئے۔اسی کا فون ہے۔“ شبانہ نے کہا۔

”تو پھر سن لو۔!“ اس نے کہا تو شبانہ نے کال ریسو کرتے ہوئے فون کان سے لگا کر کہا۔

”ہیلو، اسلام علیکم ۔!“

”جی وعلیکم اسلام۔!کہاں ہیں آپ۔۔؟“

”میں کیمپس میں ہوں۔۔آپ فرمائیں۔۔“ وہ ہولے سے بولی

”وہ میں نے آپ کا دیا ہوا سوالنامہ پُر کرلیا ہے۔اور وہ میں آپ کو دینا چاہتا ہوں۔۔۔“ اس نے تیزی سے کہا

”جی میں لے لوں گی وہ۔۔۔“ شبانہ نے کہا۔دراصل اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ جواب کیا دے۔اس لیے یونہی کہہ دیا۔اس کے خود ذہن میں نہیں تھا کہ وہ سوالنامہ اس سے کیسے لے گی۔تبھی زرق شاہ نے کہا۔

”میں دراصل آپ کے کیمپس ہی کے پاس کے گذر رہا ہوں۔صبح آپ نے بتایا تھا کہ آپ ادھر جارہی ہیں۔سو اگر آپ کہیں تو میں آپ کو ابھی دیتا جاؤں۔۔۔“

”دے دیں۔۔۔“ وہ بولی۔

”آپ کہاں پر ہیں۔۔تھوڑا گائیڈ کریں گی۔۔۔“ اس نے پوچھا تو شبانہ نے بتا دیا کہ وہ کینٹین میں ہے۔وہ چاہیں تو ادھر آجائیں یا پھر ڈیپارٹمنٹ میں ملاقات ہوجائے گی۔یہ بتا کر اس نے فون بند کر دیا۔پھر سعدیہ سے پوچھا

”وہ ادھر آنا چاہتا ہے، یہیں مل لیں یا ڈیپارٹمنٹ میں؟“

”ادھر بلائیں گے تو یہاں بٹھانا پڑے گا۔کچھ کھانے پینے کو آفر کرنا پڑے گا۔یوں کچھ وقت اس کے ساتھ گذارنا پڑے گا۔اگر تم چاہتی ہو کہ۔۔۔“ وہ تفصیل سے کہنا چاہتی تھی کہ شبانہ نے اسے ٹوک دیا اور بولی۔

”کہیں بھی نہیں، چلو باہر نکلیں۔یہیں کہیں اس سے مل لیتے ہیں۔تاکہ بیٹھنے کی نوبت ہی نہیں آئے ،اٹھو۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔سعدیہ اپنا پرس سنبھال کر اٹھ گئی۔وہ دونوں کینٹین سے باہر نکلی ہی تھیں تو سامنے سے انہیں زرق شاہ آتا دکھائی دیا۔وہ حیران رہ گئیں کہ اتنی جلدی وہ یہاں کیسے پہنچ گیا۔وہ انہیں دیکھ چکا تھا۔یوں کینٹین کے باہر ہی ان کی ملاقات ہوگئی۔علیک سیک کے بعد زرق شاہ نے وہ سوالنامہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہ لیں جی۔!میں نے دراصل آج چند دنوں کے لئے آوٹ ڈور چلے جانا ہے۔اس لئے سوچا کہ دے دوں، کہیں آپ کے کام کا حرج نہ ہو۔“

”بہت شکریہ شاہ صاحب۔!“ اس نے کہا۔اب مزید بات کرنے کا کوئی بہانہ

نہیں رہا تھا۔تبھی وہ بولا

"یہ آپ کی دوست ہیں؟" اس نے سعدیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔تو وہ تیزی سے بولی۔

"جی۔!میں اس کی بہت اچھی دوست ہوں۔"

"اسی لئے آپ بہت اچھی دکھائی دے رہی ہیں۔" زرق شاہ نے بے باکی سے کہا۔صاف لگتا تھا کہ وہ بات بڑھانا چاہتا ہے۔اس سے پہلے کہ شبانہ کوئی الوداعی بات کہتی، قریب سے گذرنے والی چند لڑکیاں ٹھٹک کر کھڑی ہوگئیں۔ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہائے۔!یہ زرق شاہ تو نہیں۔۔۔؟"

اس پر اس نے گھوم کر دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"جی۔!میں ہی زرق شاہ ہوں۔۔۔"

یہ سنتے ہی وہ ساری قریب آگئیں اور اس سے باتیں کرنے لگیں۔یونہی عام سے سوال تھے۔سعدیہ اور شبانہ نے ایک دوسری کی جانب دیکھا۔ان دونوں کو کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔کیونکہ ان میں سے ایک لڑکی اسے کولڈ ڈرنک کی آفر کر چکی تھی اور زرق شاہ نے خوش دلی سے آفر قبول کرتے ہوئے شبانہ سے کہا۔

"دیکھئے۔!یہ ہماری میزبان ہیں۔اصولی طور پر تو انہیں آفر کرنا چاہیے تھا۔چلیں آپ کا خلوص ہے تو ہم ان کی اجازت سے کولڈ ڈرنک لے لیتے ہیں۔"

"کیوں نہیں۔آئیں آپ۔۔۔" شبانہ کو اخلاق نبھاتے ہوئے کہنا پڑا۔اور وہ سب کینٹین میں چلے گئے۔

"اس وقت کینٹین میں جتنے بھی لوگ ہیں،ان سب کے لئے ہماری میزبان کی طرف سے کولڈ ڈرنک۔" زرق شاہ نے کہا تو سعدیہ نے بھنا کر دیکھا مگر خاموش رہی۔کچھ ہی دیر میں زرق شاہ کے اردگرد بہت سارے طلبہ و طالبات جمع ہو گئے تھے۔اور اوٹ پٹانگ سوالات کی بھرمار جاری تھی۔کولڈ ڈرنک کی آفر نے وہاں حیرت بھری خوشگواریت بھر دی تھی۔کچھ دیر پہلے والی پرسکون فضا میں ایک ہنگامہ سا بھر گیا تھا۔تیز تیز نوکیلے سوالات، قہقہے مسکراہٹیں،تبصرے اور نجانے کیا کچھ۔تھوڑی دیر تک ماحول یونہی رہا۔تب زرق شاہ نے گہری نگاہوں سے شبانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب اجازت دیں۔۔۔کافی وقت ہو گیا ہے۔۔۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔

شبانہ بھی اخلاقاً اس کے ساتھ اٹھ گئی اور پھر کینٹین کے باہر تک اس کے ساتھ آگئی۔اس کے ساتھ سعدیہ نہیں تھی۔وہ کاؤنٹر کی جانب بل ادا کرنے بڑھ گئی تھی۔شبانہ نے اسے خدا حافظ کہا۔وہ اپنی مہنگی گاڑی میں بیٹھا اور واپس چلا گیا۔تبھی سعدیہ اس کے پاس آکر بولی۔

"اس بندے کی سمجھ نہیں آئی۔اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"یہ تو وقت بتائے گا کہ یہ کیا چاہتا ہے۔۔۔" شبانہ نے کہا اور دونوں ڈیپارٹمنٹ کی جانب چل دیں۔

شبانہ واپس گھر آکر سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی کہ زرق شاہ نے ایسا کیوں کیا؟ آخر وہ کیا چاہتا ہے؟ میں نے اسے بیٹھنے کو نہیں کہا مگر وہ بیٹھ گیا۔اتنی کیئر کے ساتھ وہ سوالنامہ لے کر آیا۔اس کے دل میں کیا ہے؟ ذہن میں میرے بارے کیسے خیال رکھتا ہے۔وہ مجھے اتنی اہمیت کیوں دے رہا ہے؟ یہ اتنے سارے سوال تھے۔بلاشبہ جن کے جواب زرق شاہ ہی دے سکتا تھا۔وہ جتنا سوچ رہی تھی،وہ اتنا ہی اس کے خیالوں پر چھا رہا تھا۔وہ اسے سوچ رہی تھی اور وہ پوری وجاہت کے ساتھ اس کے خانہ ذہن میں براجمان ہو گیا تھا۔وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سوچتی رہی،ساحل سے ٹکرانے والی لہریں،اپنا کچھ تو احساس چھوڑ جاتی ہیں۔

❁......❁......❁
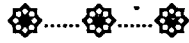
وہ شمالی علاقے کی بڑی سرسبز جگہ تھی جہاں زرق شاہ اپنے ڈرامہ یونٹ کے ساتھ موجود تھا۔وہ بہت بڑا حویلی نما ایک گھر پہاڑی کے دامن سے کافی حد تک اونچی جگہ پر تھا۔سرسبز و شاداب علاقے میں ہر جانب پھول کھلے ہوئے تھے۔صنوبر کے درخت اپنی بہار دکھا رہے تھے۔کہیں سیب کے باغات تھے اور کہیں خوبانی اور آلو بخارے کے۔پورا یونٹ اس حویلی میں موجود تھا۔اس حویلی کے مالکان برطانیہ میں تھے اور ملازمین ہی وہاں موجود تھے۔جنہوں نے حویلی کا ایک مخصوص حصہ ان کے لئے مختص کر دیا ہوا تھا۔سارا ڈرامہ ہی وہیں بننا تھا۔کچھ سین آؤٹ ڈور تھے اور کچھ حویلی کے اندر یا آس پاس۔جب تک ڈرامہ مکمل نہیں ہو جانا تھا زرق شاہ کو وہیں رہنا تھا اور یہ قیام دو ہفتوں سے تجاوز کر جانے والا تھا۔وہ اس ڈرامے کا ہیرو تھا۔اس میں دکھایا یہ گیا تھا کہ وہ اپنے والدین کا بگڑا ہوا بیٹا ہے اور اپنی من مانی کرتا ہے۔یہاں تک کہ اسے ایک لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے۔پھر وہ

اس کی محبت کے باعث رشتوں ناطوں کی نہ صرف پہچان کرتا ہے بلکہ ان کی اہمیت کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ زندگی کو کیسے برتنا ہے اور فطرت کے ساتھ کیسے ہم آہنگ ہونا ہے۔ انہیں وہاں پر آئے ہوئے دو دن ہو گئے تھے اور ان کی شوٹنگ شروع ہو چکی تھی ۔ اس ڈرامہ سیریل کا ہدایت کار باقر رضوی ہی تھا۔ جسے اُس نے رام کر لیا ہوا تھا۔ اب ان کے درمیان شک وشبہ یا اختلاف نہیں رہا تھا۔ زرق شاہ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس ڈرامہ سیریل میں ہیروئین کون ہوگی ۔ وہ پوچھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی اسے صرف اپنے کام سے غرض تھی۔

دوسرے دن کی شام ابھی ڈھلی نہیں تھی۔ مغربی افق ابھی طلائی رنگ تھا ،گہرا نارنجی نہیں ہوا تھا۔ سارا یونٹ واپس آ چکا تھا اور وہ ایزی ہو کر باہر لان میں پڑی کرسی پر آن بیٹھا تھا۔ فدا نے اس کے پاس سگریٹ رکھ دیئے تھے ۔ زرق شاہ نے سگریٹ سلگایا اور اپنے سامنے دور تک دیکھا ۔ نیچے بستی میں چھوٹے چھوٹے گھر دکھائی دے رہے تھے۔ ایک گھومتا ہوا راستہ اس بستی میں سے ہو کر باہر کی جانب چلا گیا تھا۔ شام کی سنہری کرنوں میں چھوٹے چھوٹے کچے پکے ، ٹین کی چھتوں والے رنگ برنگے گھر بہت اچھے لگ رہے تھے۔ ان میں سے کئی گھروں کی چمنیوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک اس منظر میں کھویا رہا۔ یہاں تک کہ سلگتی ہوئی سگریٹ ختم ہوگئی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور اسے ایش ٹرے میں مسل دیا۔ اس نے نئی سگریٹ سلگائی اور اپنے اس کردار کے بارے میں سوچنے لگا جو اس سیریل میں تھا۔ یہ اس کی پیشہ ورانہ مجبوری تھی۔ وہ اس کردار کے مختلف پہلو سوچ رہا تھا کہ اچانک شبانہ وقار یاد آ گئی۔ اس نے سوچا وہ واقعتاً وہی کردار ادا کرتا ہے جو کسی دوسرے نے سوچا ہوتا ہے۔ وہ یا دوسرے تبھی کامیابی مانتے ہیں، جب وہ پوری طرح اس کردار میں ڈھل گیا ہوتا ہے۔ اپنی ذات کو ایک طرف رکھ کر، اک نیا لبادہ اوڑھنا ہی کامیابی ہے۔ وہ کس طرح دوسرے کے خیال کا عکس اپنی ذات سے ظاہر کرتا ہے۔ جس قدر اس خیال کا عکس بنتا ہے، اسی قدر کامیاب گردانا جاتا ہے۔ اس کے سامنے بڑا کینوس تھا۔ سفید آسمان جو گہرا ہو رہا تھا۔ سرسبز پہاڑ اس کے دامن میں پھیلی بستی ، درخت ، رنگ بکھرے ہوئے تھے اس کے سامنے ، فطرتی نظارہ بڑا دلکش تھا اور وہ اس میں پوری طرح کھویا ہوا تھا۔

بعض اوقات انسان کے ساتھ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامنے کے منظر کی وسعت میں

خود انسان اپنے آپ کو سوچنے لگ جاتا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ خود کو حقیر تصور کرنے لگتا ہے یا کبیر۔۔۔ اصل میں جب وہ فطرتی مناظر کے ساتھ اپنے آپ کو سوچتا ہے تو اصل میں وہ اس منظر کے ساتھ اپنا رابطہ تلاش کر رہا ہوتا ہے۔ کون سے ایسے پہلو ہیں، جنہیں بنیاد بنا کر اپنا رابطہ اس منظر سے اور پھر اس سے بھی آگے کائنات میں اپنی حیثیت تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس رابطے میں تجسس جس قدر زیادہ ہوگا۔ تلاش اتنی ہی تیز تر اور وسعت اختیار کرتی چلی جائے گی۔ یہ انسان کی اپنی دلچسپی ہے کہ وہ منظر کے کس پہلو پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ وہ اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ کار کے تیز ہارن نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اس کے مڑ کر دیکھا تو دور پورچ میں سرخ ٹیوٹا میں سے باہر آنے والی رمنا، اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے پر جوش انداز میں ہاتھ ہلایا تو اخلاقاً اسے بھی اپنا بھرپور ردعمل دینا پڑا۔ تبھی وہ اس کی جانب بڑھ آئی۔

رمنا ایک نئی اداکارہ تھی۔ دو چار سیریل کے بعد وہ بہت مشہور ہوگئی تو اس کی طلب میں اچھا خاصہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ اس کا بہت بولڈ ہونا بھی تھا۔ وہ بڑے بے باک انداز سے اس کی جانب آ رہی تھی۔ اس کے اس طرح آنے میں بڑی بے تابی ظاہر ہو رہی تھی ۔ وہ اس کے لئے کھڑا ہوا تو اگلے چند لمحوں میں وہ اس کے گلے آ لگی ، پھر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

”کیسے ہو ہینڈسم بوائے۔۔۔!“

”ٹھیک ہوں، تم سناؤ۔۔۔ سفر کیسا رہا۔“ اس نے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تو وہ بیٹھتے ہوئے بولی

”بہت اچھا۔! ویسے میں سوچ رہی تھی کہ آپ ائیر پورٹ آؤ گے۔“ اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

”یقین جانو رمنا، تمہارے یہاں آنے سے پہلے مجھے پتہ تک نہیں تھا کہ تم یہاں آنے والی ہو۔ مجھے تو اب بھی علم نہیں ہے کہ تم کس کردار کے لئے یہاں آئی ہو؟“ زرق شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”واقعی ۔!“ وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"بھئی تم رضوی صاحب سے پوچھ لینا۔" اس نے وضاحت کرنے والے انداز میں کہا۔

"ویسے آپ بھی ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے شام ہی ان کا فون ملا ہے اور آج میں یہاں، مطلب، انہیں انتخاب کرنے میں وقت لگا ہوگا۔ خیر۔! میں آپ کی ہیروئین ہوں یار۔" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو زرق شاہ نے اسے غور سے دیکھا۔ نیلی جین کے ساتھ میرون شرٹ، جس کے اوپر والے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ سیاہ رنگ کا مفلر نما کپڑا اس نے گلے میں اٹکایا ہوا تھا۔ ڈائی کیے گئے سنہری بال اور نقش و نگار ابھارنے کے لئے کی گئی محنت اس کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر یوں احساس ہوا، جیسے خوش نما آم کو جب چکھا جائے تو وہ پھیکا معلوم ہو۔ نجانے کیوں اس وقت اسے اپنی تنہائی میں رمنا کی دخل اندازی اچھی نہیں لگی تھی۔

"رمنا۔! تم فریش ہو جاؤ۔ رضوی صاحب سے مل لو، پھر گپ شپ کرتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بولی اور پلٹ گئی۔

اس کے وہاں سے چلے جانے پر زرق شاہ کو یوں لگا، جیسے چمکتے ہوئے سورج سے سامنے کوئی بدلی آ جائے تو کچھ دیر کے لئے کرنیں زمین پر نہیں آتیں۔ پھر جب وہ بدلی ہٹ جائے تو ہر طرف روشنی پھیل جائے۔ اس طرح کی دھوپ چھاؤں اپنا احساس تو دیتی ہے۔ موسم کی تبدیلی کے بعد زرق شاہ کے لئے پھر پہلے جیسا موسم نہ رہا۔ اسے بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔ وہ اٹھا اور وہیں ٹہلنے لگا۔ اسے پھر بھی سکون نہیں ملا تو واپس وہیں آ بیٹھا۔

اس کے ساتھ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ ورنہ وہ یونٹ کے لوگوں کے ساتھ لمبی لمبی گپ شپ کیا کرتا۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا، قہقہے لگاتا، شوٹنگ کے بعد گھل مل کر اچھا وقت گذارنے کی کوشش کرتا۔ مگر اس بار جیسے اس پر قنوطیت طاری تھی۔ اسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر ہو کیا گیا ہے۔ انہی لمحات میں فدا اس کے پاس کھانے کا پوچھنے آیا تو اس کے منع کر دیا۔

"ابھی نہیں یار۔! تم جاؤ پینے کے لئے کچھ لاؤ۔۔۔" زرق شاہ نے بے زاری سے کہا۔

اس وقت سامنے کا سارا منظر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ چاند نکلنے کے آثار واضح ہو گئے تھے جبکہ نیچے وادی میں برقی قمقمے چھوٹے چھوٹے ستاروں کی مانند ٹمٹما رہے تھے۔ اسے یوں لگا جیسے زمین پر ستاروں کی چادر پھیلا دی گئی ہو۔ جس جگہ وہ بیٹھا تھا، وہاں ملگجا سا اندھیرا تھا۔ ذرا سے فاصلے پر عمارت کے کاریڈور میں سے آتی ہوئی روشنی میں وہ واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ قریب میز پر شراب کی بوتل کے ساتھ اس کے تمام لوازمات پڑے ہوئے تھے۔ وہ پیگ پی چکا تھا اور اس کے سرور میں بیٹھا اپنے آپ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کئی سارے سوال اس کے ذہن میں گڈمڈ ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اسے رمنا کی آمد اچھی کیوں نہیں لگی تھی حالانکہ اس نے بڑے والہانہ انداز میں اظہار کیا تھا کہ وہ اس کی قربت میں کتنا خوشی محسوس کر سکتی ہے۔ دو سوال اس کے ذہن میں لپٹے ہوئے جھول رہے تھے۔ کیا رمنا اسے اس لئے پسند نہیں آئی کہ وہ شوبز سے تعلق رکھتی ہے؟ یا اس کا حلیہ عام لڑکیوں کی مانند نہیں تھا، جس سے خاص حسن کی کشش ہو۔۔۔؟ وہ خاص حسن کیا ہو سکتا ہے؟ ایک تیسرا سوال ان پہلے دو سوالوں کے ساتھ الجھنے لگا تھا تو اس نے اپنی توجہ ان پہلے سوالوں پر دے دی۔ ایسی کیا برائی تھی اس میں جو رمنا اسے اچھی نہ لگی۔۔۔ یہی سوال جھولتے رہے مگر جواب نہیں مل رہے تھے۔ اس وقت وہ دوسرے پیگ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نشہ دھیرے دھیرے چڑھ رہا تھا۔ اس نے کباب کی جانب ہاتھ بڑھایا اور منہ میں رکھ کر اس کا مزہ لینے لگا۔ تبھی سامنے کی عمارت کا دروازہ کھلا۔ روشنی کی ایک لکیر باہر تک آ گئی اور اس سے رمنا باہر آئی۔ وہ اس وقت ڈھیلے ڈھالے لباس میں تھی۔ بنا بازوؤں کی ٹی شرٹ اور پنڈلیوں تک شارٹس میں وہ اس کے قریب آ گئی۔ اس کے کھلے ہوئے بال اور لپ اسٹک لگے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ سمٹ کر اس کے انداز کا اظہار کر رہی تھی۔ تیز پرفیوم کے جھونکے میں رمنا کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیا بات ہے شاہ جی۔ بڑے سیڈ موڈ میں ہیں؟"

"نہیں تو۔۔۔! بس یونہی، اپنی تنہائی کو انجوائے کر رہا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"میں جب سے آئی ہوں آپ ادھر ہی بیٹھے ہیں۔ میں سب سے مل کر، رضوی صاحب سے گپ شپ کر کے آئی ہو۔ کھانا کھانے لگے تو معلوم ہوا کہ آپ باہر ہی ہیں۔"

وہ بولی۔

"تم نے کھانا کھالیا۔۔۔؟" اس نے پوچھا

"ابھی نہیں، آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گی۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو زرق شاہ نے پوچھا۔

"گلاس منگواؤں تمہارے لئے؟"

"ہاں۔! اس لئے تو ادھر آئی ہوں۔۔۔" وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ تبھی اس نے فدا کو مس بیل دی۔ چند لمحوں بعد وہ کسی جن کی طرح حاضر ہوگیا تو زرق شاہ نے اسے گلاس لانے کے لئے کہا۔ گلاس آجانے پر رمنا خود ہی پیگ بنانے لگی۔ پھر حلق میں اتار کر بولی

"مجھے جب پتا چلا نا کہ آپ ہیرو ہیں اس سیریل کے تو میں نے آنکھیں بند کر کے ہاں کہہ دی۔ میں نے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ بہت کچھ سیکھنا ہے آپ سے۔"

"میرے خیال میں ہمارا چند دن کا ساتھ بہت اچھا رہے گا۔" زرق شاہ نے ٹشو پیپر سے لب خشک کرتے ہوئے کہا۔ پھر پہلی بار رمنا کے بدن کو جانچا۔ اس مختصر سے لباس میں اچھی طرح معلوم ہو رہا تھا کہ اس کا ہر عضو کیسی ساخت رکھتا ہے۔

"ہاں۔! مجھے بھی ایسے ہی لگتا ہے۔" وہ بولی اور نمکین گوشت کا ٹکڑا اپنے منہ میں رکھ لیا۔

"رمنا۔! تم میری زندگی میں آنے والی چند لڑکیوں میں سے ایک ہو۔ جو اچھی خاصی بولڈ تھیں۔ تم اتنی بولڈ کیوں ہو؟" زرق شاہ نے تعریف کا پہلا پتہ پھینکا، جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

"جب شوبز میں اپنے آپ کی نمائش ہی ہے تو پھر بہت زیادہ بولڈ ہونے میں حرج ہی کیا ہے۔" وہ کافی حد تک جھومتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔! اب شوبز میں یہی کچھ تو ہے، ہر طرح کی نمائش"، یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "کیا تمہیں نہیں لگتا رمنا کہ دنیا کی کوئی بھی شوبز انڈسٹری ہو، اس میں عورت کی کیسے پیش کیا جاتا ہے۔۔۔ آرٹ یا فن کے نام پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔۔۔ بولڈ ہونے کی انتہا یہی ہے کہ اپنے کپڑے اتار دیئے جائیں۔۔۔" زرق شاہ نے گہری نگاہوں

سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ تب رمنا نے دوسرا پیگ بناتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھتی کہ آپ اتنی معمولی بات نہیں سمجھتے، جب یہ سار کچھ کمرشل ہے۔ دولت بنانے کے لئے سب کیا جاتا ہے تو پھر چیز وہی بنائی جائے گی جس کی طلب ہوگی۔ سارا الزام شوبز کو نہیں جاتا۔ عوام بھی تو ہم جیسی عورتوں کے اُترے ہوئے کپڑے دیکھنا پسند کرتی ہیں۔ ہم جیسے لوگ پبلک پراپرٹی جو ہوئے۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے پیگ اپنے اندر انڈیلا، پھر برا سا منہ بناتے ہوئے سامنے پلیٹ میں دھرے کباب سے منہ کا ذائقہ بدلا۔ وہ اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ ذرا نارمل ہوئی تو زرق شاہ نے کہا۔

"یار۔! یہ جو تم نے پبلک پراپرٹی کی بات کی ہے، کیا واقع ہم ایسے ہی ہیں۔ ہماری نجی زندگی پر ہمارا کوئی بھی اختیار نہیں ہے۔ جیسے لوگ ہمیں دیکھنا چاہیں ہم ویسے ہی بن جائیں تو ہماری اپنی زندگی کہاں گئی؟ ہماری اپنی ذات کہاں گئی۔ ہمیں اپنے آپ پر تو کوئی اختیار نہیں۔۔۔"

"اس زندگی کو ہم نے خود پسند کیا ہے شاہ جی۔ میں تو کسی حد تک کہہ سکتی ہوں کہ میں مجبور ہوں۔ لیکن آپ تو ایسی بات نہ کریں۔" رمنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔! شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہم ایسی زندگی اپنے مفاد کے لئے اپنائے ہوئے ہیں۔ اس کا معاوضہ لیتے ہیں ہم۔ ہمیں ایک خاص ماحول میں ڈھلنا پڑتا ہے۔ ورنہ مسفٹ ہو جائیں گے۔۔۔ لیکن پھر بھی رمنا۔! ہمیں اپنی زندگی پر اتنا تو اختیار ہونا چاہئے نا کہ اپنے مطابق گذار سکیں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

"اختیار۔! کہاں رہ جاتا ہے اپنا اختیار۔ ہمیں اپنی زندگی پر اختیار نہیں۔ کیا معلوم کل صبح دیکھنی بھی ہے یا نہیں۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر بھر پور قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "شاہ جی۔! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ مایوس ہو جانے والی، ایک تھکے ہوئے آدمی کی طرح، اکتائی ہوئی باتیں، آپ نوجوان ہیں۔ زندگی کے رنگ، حسن اور خواہش آپ کے سامنے ہیں۔ زندگی تو ان سب کو انجوائے کرنے کا نام ہے۔ اگر پراپرٹی بن کر ہم یہ سب کچھ انجوائے کر رہے ہیں تو یہ بہتر ہے۔" رمنا نے دونوں گلاس سیدھے کرتے ہوئے کہا۔

"کیا اس طرح ہم زندگی کے اصل سے واقف ہو جائیں گے۔" وہ بولا۔

"یہ ہمارا مسئلہ نہیں ۔۔۔زندگی تو خود ہم پر آشکار ہوتی چلی جا رہی ہے۔" رمنا نے کہا اور پیگ بنانے لگی۔

"تمہیں یوں نہیں لگتا کہ ہم کٹھ پتلی ہیں، جس کا جو دل چاہے ہمیں نچائے۔۔۔"
زرق شاہ نے کہا تو رمنا برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"کم آن شاہ جی ۔! چھوڑیں ان باتوں کو، آپ کے سامنے ایک جوان لڑکی بیٹھی ہے۔ہم سرور میں ہیں۔یہ فلسفہ چھوڑیں اور آنے والے وقت کی بات کریں۔" یہ کہہ کر اس نے پیگ زرق شاہ کو تھمایا اور دوسرا خود لے کر بیٹھ گئی۔

"کیا آنے والا وقت۔۔۔" وہ بولا۔

"کیا ،ہم نے اس چھوٹی سکرین تک ہی محدود رہنا ہے۔ بڑی سکرین ہمارے مقدر میں کیوں نہیں؟" رمنا نے کہا۔

"یہاں اس ملک میں تو فلم انڈسٹری ویسے ہی ختم ہو گئی ہے۔یہاں تو قسمت تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"کچھ ایسا ہونا چاہیے کہ دنیا کی یا دوسرے ممالک کی۔۔۔" اس نے کہنا چاہا تو زرق شاہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"رمنا کن خوابوں میں ہو۔! کیا تم نے غور نہیں کیا۔ایک لڑکی چند سال اتنی سکرین پر نظر آتی ہے کہ عوام اس سے اُوب جاتے ہیں۔ نگاہیں پھیر لیتے ہیں اور اس کی شوبز کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔تم پہلے چھوٹی سکرین پر تو کامیابی حاصل کرلو۔" یہ کہہ کر اس نے گلاس حلق میں انڈیل لیا۔

"خواب ہوں گے تو ان کی تعبیر ہوگی نا شاہ جی۔۔۔!خیر، یہ جام آپ سے ملاقات کے نام۔" رمنا نے کہا اور اپنا گلاس خالی کر دیا۔تبھی زرق شاہ نے اس کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے سوچا کہ رمنا مجھے اچھی کیوں نہیں لگ رہی ہے۔کافی دیر تک وہ اس سوال کا جواب نہ تلاش کر سکا۔وہ دونوں کافی حد تک پی چکے تھے اور نشے کی اُس حالت میں آ گئے تھے، جہاں اردگرد کچھ نہیں سوجھتا، بس اپنے بارے غور کیا جاتا ہے۔دل چاہتا ہے کوئی قریب نہ ہو۔سکون کی انتہا کو چھونے کی خواہش میں خود کو ایسی پرواز میں پاتا ہے کہ زمین دکھائی ہی نہیں دیتی۔زرق شاہ نے سامنے بیٹھی رمنا کو دیکھا جس کے چہرے پر میٹھی مسکان

سجی ہوئی تھی۔ وہ چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر پھل توڑ سکتا تھا۔اور شاید گمشدہ لمحوں میں ایسا ہو بھی جاتا کہ فدا اس کے پاس آ گیا۔

"سر کھانا لگا دیا ہے، آئیں پلیز، ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

زرق شاہ سمجھ گیا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے، اس نے رمنا کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور اندر کی جانب چل دیا۔

❁......❁......❁

ٹیبل لیمپ کی روشنی شبانہ وقار کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔وہ پورے انہماک سے اپنے سامنے میز پر پھیلے کاغذ پڑھ رہی تھی۔اس کی ریسرچ رپورٹ کا ابتدائی مرحلہ مکمل ہو گیا تھا۔اس نے کاغذ اکٹھے کر کے انہیں ترتیب دی اور پھر انہیں فائل میں لگا دیا۔ٹیبل لیمپ آف کرتے ہوئے اس نے کلاک پر دیکھا۔رات کافی بیت چکی تھی۔اسے خوشی اس بات کی تھی کہ اس نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا۔اب صبح میڈم کو ایک نگاہ دکھانے کے بعد ہی رپورٹ کو حتمی صورت دینا باقی تھا۔اس نے روشنی مدہم کی اور سو جانے کے لئے سر، سرہانے پر ٹکا دیا۔

اس کے گیسو اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے جیسے سیاہ بادل چھا گئے ہوں اور ان میں سے شبانہ کا چہرہ چاند کے مانند دمک رہا تھا۔وہ سو جانا چاہتی تھی لیکن دماغ میں رپورٹ ہی کے بہت سارے فقرے گردش کرنے لگے۔پرسکون نیند کے لئے اس نے ذہن کو پرسکون کرنا چاہا۔ وہ فقرے اور ان سے لپٹے ہوئے خیال تو ذہن سے نکل گئے، تاہم ایک آوارہ سے خیال نے یادوں کی اوٹ سے جھانکا۔شبانہ نے دلچسپی لی تو وہ حوصلہ فزائی پا کر سامنے آ گیا۔ وہ جان گئی کہ یہ خیال کیسا ہے؟ یہی کہ رپورٹ لکھنے کا تجربہ کیسا رہا؟ وہ خیال کامیابی کے احساس سے بھرپور تھا۔وہ اس خیال کے پس منظر میں وہاں تک چلی گئی جہاں یہ موضوع لیتے ہوئے کافی ہلچل ہوئی تھی۔شجر ممنوعہ جیسا موضوع اس نے لیا اور پھر اس پر کام بھی مکمل کر لیا۔اسے اعتماد تھا کہ میڈم رَد نہیں کرے گی۔

اسے معلوم ہو گیا تھا کہ شوبز کی دنیا ایک الگ دنیا ہے، جہاں عام زندگی جیسی

روایات نہیں ہیں۔ بلاشبہ ان کی اپنی روایات ہیں۔ ان کی اپنی زندگی اور ماحول الگ شے ہے۔ وہ جو کچھ تخلیق کر کے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسری چیز ہے۔ اسے کسی کی نجی زندگی یا ماحول سے تو کوئی غرض نہیں تھی۔ اس کی تحقیق کا دائرہ تو وہ تخلیق تھی جو عوام کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ اسی پر بحث کرنا تھی۔ اس دوران شبانہ نے بہت سارے ڈرامے دیکھے اور اپنے دلائل جمع کرنے کے لئے بہت کچھ اخذ کیا۔

شوبز کی دنیا میں سوائے زرق شاہ سے تلخ کلامی ہوجانے کے، باقی تقریباً ہر کسی نے اسے احترام دیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ بہت ساری نگاہوں میں تمسخر تھا لیکن خوشگوار حیرت زیادہ تھی۔ وہ ضروری کام ہی سے سٹوڈیو جایا کرتی تھی۔ یہ تو اچھا ہوا کہ زرق شاہ نے بعد میں اس سے معذرت کرلی تھی۔ جس سے وہ غبار ڈھل گیا۔ جو اس کی شخصیت کو مانند کر گیا تھا۔ اس نے تو مدد تک کرنے کی آفر کی تھی لیکن شبانہ نے خود ہی پہلو بچا لیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر تحقیق کرلی تھی مگر شوبز کے حوالے سے تجربات، احساسات اور یادیں تو اس کے ساتھ تھیں۔ جن میں زرق شاہ بہرحال نمایاں تھا۔ وہ بھی اس لئے یاد تھا کہ بہت سارے سوال ایسے تھے جن کے جواب ابھی ادھورے تھے۔ ان کے درمیان نہ کبھی اتنی لمبی ملاقات ہوئی تھی اور نہ ہی وہ سوال دوران گفتگو آئے کہ ان پر بحث کی جاسکتی ہو۔

رات کے اس گہرے سناٹے میں زرق شاہ کا خیال آتے ہی ذہنی رُو اس جانب بہہ گئی۔ ان لمحوں میں ایک سوال یوں اس کے سامنے آ کھڑا ہوا جیسے راہ چلتے ہوئے اچانک کوئی درخت کی اوٹ سے نکل کر سامنے آجائے۔

''اس نے اپنا تاثر کیوں جمایا؟''

اس مختصر سے سوال نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کچھ دیر تک جمع و تفریق کرتی رہی، پھر اس کے من سے یہی جواب آیا

''اس کا رویہ اچھا ہے، اس نے اپنی غلطی تسلیم کرلی۔ اس نے تو میرا خیال رکھنا چاہا لیکن میں نے اسے ایک حد تک رہنے پر مجبور کر دیا۔''

''کیوں مجبور کردیا اسے ایک حد تک رہنے پر۔ کیا خطرہ تھا تمہیں اس سے؟ حالانکہ بہت سارے ادھورے سوالوں کے جواب دینا ہیں تمہیں۔۔۔''

وہ کسی اور دنیا کا باسی ہے اور میں کسی اور جہاں سے تعلق رکھتی ہوں۔ یوں سمجھو

کہ آگ اور پانی والا معاملہ ہے۔''

''مطلب۔۔۔ تم صنف نازک ہو اور وہ۔۔۔''

''نہیں اسی بات نہیں، دراصل وہ میرے حواسوں پر چھا رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت وجیہہ ہے۔ کوئی بھی لڑکی اس کی چاہت کرسکتی ہے۔ میں بھی ایک لڑکی ہوں۔ جنس مخالف کی کشش مجھے بھی متاثر کرسکتی ہے۔''

''تو وہ تمہیں اچھا لگا اور تمہاری نگاہوں میں سما گیا۔ اگر تم نے مزاحمت نہ کی ہوتی تو وہ تمہارے دل میں بھی اتر سکتا تھا۔''

''ایویں اُتر جاتا دل میں۔۔۔''

''ایک لڑکی سے جب یہ پوچھا جائے کہ اسے کیسا لڑکا اچھا لگتا ہے، وہ یہی کہے گی کہ لڑکے کی پرسنالٹی ہو، کیئرنگ ہو، محبت کرنے والا ہو، اس کا رویہ بہت اچھا ہو۔۔۔ پہلی نگاہ میں تو یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون لڑکا کس قدر خصوصیات رکھتا ہے۔ نہ ہی میں یہ مانتی ہوں کہ کسی کو پہلی نگاہ میں محبت ہو جاتی ہے۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ پہلی نگاہ میں اچھا لگنے کا تاثر آخر کیا شے ہے۔ اس پر غور کیا ہے کبھی؟''

''میں نے تو نہیں کیا غور۔۔۔ ویسے یہ ہے کیا۔۔۔؟''

''اسے جنسی کشش کہتے ہیں یا پھر مخالف جنس کی کشش۔۔۔ یہی کشش شناسائی سے محبت تک کا سفر طے کرتی ہے۔''

''اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بات ٹھیک ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ۔۔۔''

وہ اپنے طور پر دلیل دینا چاہتی تھی لیکن باوجود کوشش کے وہ کوئی دلیل دے نہیں پائی۔ اس کے اپنے اندر کی کشمکش میں وہ خود سے چھپ تو نہیں سکتی تھی۔ اپنی محدود دنیا میں تو بندہ آزاد ہوتا ہے۔ اس میں ایسے سوال بھی سامنے آجاتے ہیں کہ اگر وہ دنیا کے سامنے کہہ دیئے جائیں تو دُنیا لمحوں میں بندے کو مصلوب کر کے رکھ دے۔ شبانہ نے اپنے آپ سے مزاحمت ہی کی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے 'راستہ تلاش کریں' والی بھل بھلیوں میں چلتے چلتے اچانک کوئی نہ کوئی رکاوٹ سامنے آجائے۔ وہ سوچوں کی ان بھل بھلیوں میں زرق شاہ کی کشش میں بڑھتی چلی جانا چاہتی تھی لیکن کوئی نہ کوئی رکاوٹ اس کے سامنے آجاتی۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ وہ اپنے من کی دنیا میں بھی آزاد نہیں ہے۔ جنس مخالف کی

کشش تو ایک فطری تقاضا ہے۔اس سے تو فرار ممکن نہیں ہے۔یہ الگ بات ہے کہ کسی خیال،فکر یا نظریہ کی بنیاد پر دوسرے کو نظر انداز کر دینا۔ذہن تحقیقی رپورٹ کی فکر سے آزاد ہوا تو بغاوت پر اتر آیا تھا۔اپنی من مانی سوچیں سوچنے پر مجبور کرنے لگا تھا۔کئی ایسی نا آسودہ خواہشیں،کھلی آنکھوں سے دیکھے جانے والے خوابوں کی صورت اس کی آنکھوں میں اترنے کے لئے بے تاب ہونے لگے تھے۔جنہیں وہ عام حالات میں گناہ تصور کرتی تھی۔وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرنے لگی تھی کہ اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ غلط سمت اڑان بھرتی چلی جا رہی ہے۔اس نے فوراً ہی اپنے پر سمیٹ لئے۔وہ بے چین ہوگئی۔نیند کانٹوں کی مانند آنکھوں میں چبھنے لگی۔جوانی کی منہ زور قوت اس کے سارے افکار بہا کر لے جانا چاہتی تھی۔وہ بڑی عجیب سی کشمکش میں آن پھنسی تھی۔وہ جس قدر اپنے ذہن کو ان جھاڑ جھنکاڑ جیسے خیالات سے صاف کرنے کی کوشش کرتی۔اس قدر وہ کھردرے موسم میں آن گرتی۔یہی کشمکش اسے مضطرب کئے ہوئے تھی اور پھر نجانے کب وہ بے بس ہو کے نیند کی وادیوں میں جا پہنچی۔

دن چڑھے جب وہ کیمپس کی جانب جا رہی تھی۔تب اس کی طبیعت اتنی خوشگوار نہیں تھی۔آنکھوں میں خمار،ٹوٹتا ہوا بدن اور بے نام سی بے چینی سے کسلمندی محسوس کر رہی تھی۔کار ڈرائیو کرتے ہوئے اسے یوں لگ رہا تھا کو جیسے وہ کوئی دیو ہیکل گاڑی چلا رہی ہو۔گاڑی کی رفتار کچھ ضرورت سے زیادہ ہی تھی۔اس کا احساس اسے اس وقت ہوا جب وہ دوسری بار حادثے سے بچی تھی۔آخر خدا خدا کر کے وہ کیمپس پہنچ گئی۔اس وقت اس نے سکون کا سانس لیا جب اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے پارکنگ میں اپنی گاڑی پارک کر دی۔

شبانہ نے حسب معمول دیکھ لیا تھا کہ سعدیہ کی گاڑی پارکنگ میں ہے اور وہ بلاشبہ اپنی چند مخصوص جگہوں میں سے ایک پر ہوگی۔اس نے اپنی فائلیں اٹھائیں اور ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گئی۔کہیں بھی سعدیہ کو نہ پا کر اسے حیرت ہوئی۔وہ تو اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔کچھ دیر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد وہ میڈم کے کمرے میں گئی تو سعدیہ وہاں بیٹھی میڈم سے گپیں لگا رہی تھی۔اسے دیکھ کر وہ کھل اٹھی۔علیک سلیک کے بعد شبانہ نے اپنی فائل میڈم کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ لیں میڈم آپ اسے دیکھ لیں۔''

''ضرور۔!''میڈم نے مسکراتے ہوئے وہ فائل پکڑی اور ایک جانب رکھ دی۔تب سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویسے میڈم،میرے خیال میں تو رپورٹ دیکھے بغیر شبانہ بی بی کو مارکس دے دینے چاہئیں۔آخر اس نے چیلنج قبول کیا اور اسے کر بھی دکھایا۔''

''ویسے مجھے خود یقین نہیں تھا کہ کر لے گی۔''میڈم کے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میڈم آپ دیکھیں تو سہی کہ میں نے کچھ کیا بھی ہے یا نہیں۔''شبانہ نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وہ تو ہو جائے گا۔اس کی فکر مت کرو۔تم مجھے یہ بتاؤ کہ شوبز کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میڈم۔!سی ڈی،ٹیپ یا فلم اسٹریپ،ان کی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔یہ بے جان چیزیں ہیں۔ان میں اپنی سوچ اور فکر انسان منتقل کرتا ہے۔اصل اہمیت اس سوچ اور فکر کی ہے۔یہاں آرٹ،فن،سوچ یا فکر سے زیادہ معاشی مسئلہ ہے۔طلب اور رسد کے مطابق ہی تخلیق ہو رہی ہے۔''شبانہ نے آہستہ آہستہ اپنی رائے دی۔

''میں اسی سوال کو دوسرے پہلو سے کرنا چاہوں گی۔۔۔اور وہ یوں کہ جیسے تمہارے طبقے نے شوبز کے لوگوں کو ریڈ زون،نوگو ایریا یا پھر گناہوں کی دلدل جیسا تصور کیا ہوا ہے۔تم نے اس دنیا میں جھانک کر دیکھا،کیسا پایا ہے تم نے۔۔۔''میڈم نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا

''میرے سامنے تو ایسا کچھ نہیں ہوا،آدھے ادھورے کپڑوں والی عورتیں،نمائش ،یا کہہ لیں کہ اپنی پراڈکٹ کا بھاؤ بڑھانے کی جوڑ توڑ۔۔۔ان کا احساس ہوا۔مگر یہ معاملات میرے دائرہ کار میں نہیں آتے تھے۔میری تحقیق میں بہت سارے لوگوں نے تعاون کیا۔ان میں سے خود ایسے بہت سارے لوگ تھے جنہوں نے خود میرے نظریہ کی حمایت میں باتیں بتائیں۔شوبز کے اندر موجود اپنی دنیا سے مطمئن نہیں ہیں۔اور ایسا تقریباً ہر جگہ چلتا ہے۔یہ شوبز میں کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں ہے۔''اس نے انتہائی احتیاط سے گول مول جواب دیا۔حالانکہ وہ کچھ مزید کہنا چاہتی تھی۔

''اچھا یہ بات تو ہوگئی۔''میڈم نے ہونٹوں میں مسکان دباتے ہوئے لمحہ بھر

توقف کے بعد کہا۔''اس دنیا کی دیکھ کر تمہیں یہ احساس ہوا کہ یہ آزاد لوگ ،اپنی مستی میں رہنے والے یا اپنے خیالات۔۔۔''

''سوری میڈم۔!آپ تو یوں تاثر دے رہی ہیں کہ جیسے وہ کوئی دوسری دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔جیسے اچھے برے ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔وہاں بھی ہیں۔وہ ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں۔ہماری طرح انسان ہیں اور بس۔۔۔!''شبانہ نے کاندھے اچکاتے ہوئے گویا بات ختم کر دی۔

''وہ جیسے کہتے ہیں نا کہ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔!میں اسی تناظر میں کہہ رہی تھی۔ جب کوئی شے دیکھی نہ ہو اور اس نے بارے میں سن کر ایک خاص ذہن بنالیا جاتا ہے نا۔ خیر۔!اب میں جو پوچھنے جارہی ہوں اس کا جواب بہت دھیان سے دینا۔''

''جی پوچھیں۔!''شبانہ نے پوری توجہ سے کہا۔

''کیا تم یہ محسوس کرتی ہو کہ جو کچھ شوبز پیش کر رہا ہے اس کے تاثرات لوگوں پر ہوتے ہیں۔یا تم نے اپنی ذات میں اس کے اثرات محسوس کیے؟''

''جی بالکل۔!اس کے نہ صرف اثرات ہوتے ہیں بلکہ بعض فقرے،مکالمے یا سین بھلائے نہیں بھولتے۔وہ اپنا ایک خاص تاثر رکھتے ہیں۔بات اگر محض تفریح تک محدود ہو تو پھر اس کے اثرات بہت کم ہو سکتے ہیں۔لیکن تفریح کے نام پر جو اَن دیکھا فلسفہ،شعور یا نظریے کا پرچار کیا جاتا ہے۔یہ بہرحال غور طلب بات ہے۔۔۔''

''کیا تم اسے الگ کر سکتی ہو۔''میڈم نے پوچھا

''میں نے کوشش کی ہے اور چند مخصوص نظریات کی نشاندہی بھی کی ہے۔مثال کے طور پر میں نے بہت پہلے ایک ناول پڑھا۔وہ ایک مخصوص نظریے کا پروپیگنڈا تھا،کچھ عرصے بعد وہی ناول ڈرامائی شکل میں آن ائیر ہو گیا۔مجھے بحث اس نظریے سے نہیں لیکن اس کوشش سے ہے،جو عوام کے اذہان میں ٹھونسی جاتی ہے۔''شبانہ نے گہری سنجیدگی سے کہا تو سعدیہ بولی۔

''اب اسی سوال کو الٹ کر دیکھو،تم جس مخصوص نظریے،فلسفے یا شعور سے تعلق رکھتی ہو۔تمہارے لئے تو وہی بہتر ہے،تم اسے ہی سچا اور ٹھیک سمجھو گی۔اب اگر تم اپنے نظریے کا پرچار کرو تو کیا یہ ویسا ہی غلط نہیں ہو گا،جسے تم ابھی غلط کہہ رہی ہو۔۔''

''بے شک وہ غلط ہو گا اور اس وقت تک غلط ہی گردانا جائے گا جب تک اسے کسی معیار کے مطابق نہ پایا جائے۔کسی ایک معیار کا تعین تو ہمیں کرنا ہی ہو گا۔میرے خیال میں اسی معیار کی تلاش ہمیں بھی ہے اور آپ کو بھی ہے۔میرا میڈم آپ سے یہی سوال ہے کیا آپ کے پاس کوئی معیار ہے؟''شبانہ نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے سوال کر دیا۔

''یہی تو المیہ ہے کہ ہم لوگ بھی غلط نظریات کو اٹھائے اپنا قد بڑھانے کی فکر میں ہیں۔بازار میں شے بیچنے کے لئے گندگی پر بھی ورق لگا کر پیش کر رہے ہیں۔اور وہ لوگ جو معیاری شے رکھتے ہیں۔انہیں بازار کا حصہ ہی تصور نہیں کیا جا رہا۔''میڈم نے دکھی لہجے میں کہا

''یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے میڈم۔''شبانہ نے صاف گوئی سے کہا۔

''بالکل۔!تمہارا یہ سوال بڑا وضاحت طلب ہے۔میں اس کا تفصیل سے جواب دوں گی۔فی الحال تم اتنا سمجھ لو کہ ہر کسی نے اپنی ہی پسند کا معیار بنا رکھا ہے۔میں نے فنکاروں اور تخلیق کاروں سے یہ تک سنا ہے کہ جو فن روپے میں نہ بدل سکے وہ بے کار ہے، ایسی صورت حال میں فن اور تخلیق کے بارے میں آپ کیا کہہ سکتے ہیں۔''میڈم نے کافی حد تک جذباتی لہجے میں کہا تو وہاں کی فضا خاصی مکدر ہو گئی۔تبھی سعدیہ نے مسکراتے ہوئے اس فضا کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے شوبز کی تحقیقات سے خود پر اثر انگیزی محسوس کی۔اس کے بارے میں کچھ بتاؤ۔''

''مطلب کیا بتاؤں۔۔۔!''شبانہ نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے یہی نا یار کہ ہیرو،ہیروئن باغ میں ملتے ہیں،رومانوی مکالمے بولتے ہیں۔ان کا اثر محسوس کرتے ہوئے دل میں کچھ کچھ ہوا؟''سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہہ دیا تو شبانہ کو اچانک رات گئے اپنا اضطراب یاد آ گیا۔وہ چند لمحوں کے لئے اس میں کھو گئی تو سعدیہ ہی کے قہقہے سے وہ اپنے آپ میں آ گئی۔''تم تو کھو گئی ہو شبانہ،اتنا اثر لیا۔''

''ظاہر ہے،اس کے لئے بہت ساری چیزیں نئی ہوں گی۔۔''میڈم بھی ہنستے ہوئے بولیں۔

"میں مانتی ہوں، میں نے اثر قبول کیا،وہ بے اثر و بے تاثر چیزیں نہیں ہیں۔" شبانہ نے صاف لفظوں میں اعتراف کرلیا۔

"چلیں یہ معاملہ تو طے ہوا" سعدیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے شبانہ۔!میں اسے آج دیکھ لیتی ہوں۔کل ہی اس پر بحث کر لیں گے،مگر مجھے امید ہے کہ اتنی زیادہ بات نہیں ہو پائے گی تمہاری رپورٹ ٹھیک ہوگی۔" میڈم نے حوصلہ افزا لہجے میں کہا۔

"میڈم بنا دیکھے آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں۔" سعدیہ نے چھیڑنے کے لئے کہا۔

"یہ جو اس سے اتنی باتیں ہوئی ہیں۔تمہارا کیا خیال ہے یہ اس رپورٹ سے متعلق نہیں تھیں۔میں نے یہ فائل دیکھے بغیر اندازہ لگا لیا ہے کہ اس میں کیا ہوگا۔" میڈم نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دونوں ہی اٹھ گئیں۔

"لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپ لینے والی بات ہوئی میڈم۔" سعدیہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو میڈم بھی مسکرا دی۔

کمرے سے باہر آنے کے بعد سعدیہ نے اس سے کینٹین میں چلنے کے لئے کہا۔لیکن وہ نہیں مانی بلکہ کسی پرسکون گوشے میں بیٹھنے پر اصرار کیا۔

"ایسا کیوں۔!" سعدیہ نے حیرت سے پوچھا

"یار۔!میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہ رہی ہوں۔" وہ الجھے ہوئے بولی

"زہے نصیب۔!ہمیں بھی تم نے اس قابل جانا،آؤ وہیں چلتے ہیں لان میں۔" وہ بولی تو دونوں اسی سمت بڑھ گئیں۔وہ وہاں پرسکون انداز میں بیٹھ گئیں تو شبانہ نے پوچھا۔

"کیا بنا پھر تمہارے معاملے کا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ابھی گومگو کی کیفیت ہے۔کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو سکا۔" سعدیہ نے مسکراتے ہو کہا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ۔تم جو کر رہی ہو کیا وہ ٹھیک ہے۔میرا مطلب ہے کہ تم کس بنیاد پر مطمئن ہو؟" شبانہ نے کافی حد تک الجھتے ہوئے پوچھا۔

"میری بنیاد میرا من ہے،میں اپنے اندر سے مطمئن رہنا چاہتی ہوں۔اب یہ ٹھیک ہے یا غلط میں نہیں جانتی۔" سعدیہ نے پرسکون انداز میں کہا۔

"ایک لڑکی ہونے کے ناطے تمہاری اپنی بھی تو خواہشات ہوں گی نا۔۔۔" شبانہ نے پھر یوں کہا جیسے وہ الجھی ہوئی ہو۔

"تم صاف لفظوں میں کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔میں برا نہیں مانوں گی۔" سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔"باقی رہی میری خواہشات کی بات تو یہی میری خواہش ہے نا جو میرا ہے وہ میرا فقط میرا ہو کر رہے۔باقی سب کچھ میں اپنی اس خواہش پر وارتی ہوں۔"

"صاف لفظوں میں یہی بات ہے میری جان۔!کیا تمہیں کوئی پسند ہے؟"

"میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ہاں اگر کوئی پسند آگیا تو میں چھپاؤں گی نہیں۔اسے حاصل کرنے کے لئے آخری حد سے بھی گذر جاؤں گی۔" سعدیہ نے جذب سے کہا۔

"تم محبت میں شدت پسند ہو۔" شبانہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ہونا چاہیے۔شبانہ، میں ایک عام سی لڑکی ہوں اور میں خاص نہیں بنانا چاہتی۔ میں جانتی ہوں کہ میری ضروریات کیا ہیں۔میں انہیں ترس کر حاصل نہیں کرنا چاہتی۔ تمہارے پاس کوئی مقصد ہوگا۔تم اپنی زندگی اسی کے مطابق گذارنا چاہو گی۔اس طرح ہر انسان کو جینے کا حق ضرور ملنا چاہیے۔" سعدیہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"یار سعدیہ۔!کیا اندر کی عورت اس قدر مضبوط ہوتی ہے کہ وہ اپنی فطری خواہشات اور ضروریات کو دبا سکے۔" شبانہ نے پوچھا تو سعدیہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولی

"کیا تم نہیں جانتی ہو۔عورت اگر چاہے تو اپنے عورت پن کا گلا خود ہی گھونٹ سکتی ہے"

"یہ تو ظلم ہوا نا سعدیہ۔!اپنے آپ تشدد کرنے والی بات ہے۔"

"یہی تو عورت پن ہے۔یہیں سے عورت کا وقار بلند ہوتا ہے۔کردار میں مضبوط ہونا ہی حیا ہے۔اور حیا کس چڑیا کا نام ہے۔میں نہیں سمجھتی کہ یہ ظلم ہے۔ہاں تم اسے نفس کشی کہہ سکتی ہو۔بات وہی ہے شبانہ، گر کر کسی شے کا حصول کیوں۔اس سے نہ ہونا بہتر ہے۔یہی وقار ہے۔"

"مجھے خوشی ہے سعدیہ۔!تم کم از کم اپنے خیالات میں بہت خوبصورت لڑکی ہو۔"

مجھے یقین ہے کہ تمہیں تمہاری مراد ضرور ملے گی۔ جیسا تم چاہ رہی ہو۔" شبانہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو سعدیہ نے اس کی آنکھوں سے چھلکتی خوشی دیکھ لی۔

"اچھا اب ہمیں مزید ایک دو دن یہاں آنا ہے، پھر ہم فری ہوں گے۔ بتاؤ، میں کس دن تمہارے گھر آؤں؟" سعدیہ نے پوچھا

"جب تمہارا دل چاہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔" شبانہ نے خوش کن لہجے میں کہا۔ پھر دونوں ہی مڑ گئیں۔

ان کے لئے وہ دن بڑا خوشگوار ثابت ہوا تھا۔

❁......❁......❁
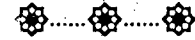
زرق شاہ اسی شام ہی واپس پہنچا تھا۔ پھر رات گئے تک اپنے گھر والوں کے ساتھ وقت گذار کر اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں نیند اتری ہوئی تھی۔ مگر اس کا سونے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ پرسکون ہو کر اپنے بیڈ پر لیٹا تو انہی لمحات میں نجانے کیوں اسے شبانہ وقار یاد آ گئی۔ چند دنوں سے ایسا اکثر ہونے لگا تھا۔ گاہے بگاہے، یونہی بلاوجہ اسے وہ یاد آ جاتی اور وہ اسی ادھیڑ بن میں لگ جاتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اُس وقت بھی کوئی وجہ نہیں تھی پھر کیوں وہ یاد آ گئی؟ تب اس نے پوری توجہ سے اس مسئلہ کا حل نکال لینا چاہا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ وقت کے ساتھ وہ بھول جائے گی۔ نجانے کتنی لڑکیاں آئیں اور کتنی گئیں۔ شمالی علاقے میں جورمنا نے اپنا آپ نچھاور کر دینے والا وقت دیا۔ یاد تو اسے آنا چاہیے تھا۔ یہ بے سری سی فضول قسم کی شبانہ وقار کیوں اس کے حواسوں پر چھا گئی ہے۔

"ممکن ہے تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہو۔۔۔" اندر سے کہیں آواز آئی۔

"کیا بکواس ہے یہ۔۔۔ مجھے اور محبت۔۔۔ یہ تو فضول لوگوں کی وقت گذاری ہے۔ مجھے تو ندامت ہو رہی ہے کہ میرے اندر کہیں ایسا خیال بھی ہے۔"

"اکثر یاد آنے والا بندہ تو وہی ہوتا ہے جس سے محبت کی جائے یا پھر نفرت۔۔"

"ہاں۔! میں اس سے نفرت تو کر سکتا ہوں۔ محبت نہیں۔۔۔"

"نفرت کیوں۔۔۔؟"

"وہ ہے ہی قابل، اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھتی ہے۔ مذہبی ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی ذات کو کچل کر رکھ دے۔ پتہ نہیں کیوں یہ دوسروں کو ہمیشہ کمتر

خیال کرتے ہیں۔"

"تم نے اس سے معذرت کیوں کی۔۔۔ تمہارا تو دعویٰ تھا کہ اسے اپنے قدموں میں گرا لوں گا۔۔۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اب بھی اتنی ہی دور ہے جتنی پہلے دن تھی۔ تمہارا دعویٰ جھوٹا تھا اور آئندہ بھی یہی ثابت ہونے والا ہے۔ تم اس کا کچھ نہیں کر سکتے۔"

"میں نے اس پر توجہ نہیں دی۔ میں اپنی مصروفیت میں گم رہا ہوں۔"

ٹھیک ہے مصروفیت ہو گی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے تمہیں ایک خاص حد پر رکھا۔ ورنہ تم نے تو بھی پور کوشش کی تھی۔ اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی۔۔۔"

"نہیں۔! میں نے کوئی بھرپور کوشش نہیں کی، مجھے وقت ہی ملا۔"

"اگر تمہیں زعم ہے تو پھر کرلو کوشش لیکن اس کا نتیجہ شکست ہی ہے۔ کیونکہ وہ عام لڑکی نہیں، ایک خاص لڑکی ہے، یہ مان لو۔ اس نے کسی نہ کسی حد تک تمہیں متاثر ضرور کیا ہے۔ ورنہ وہ یوں وقت بے وقت یاد نہ آتی۔"

"یہی تو میں نہیں سمجھ سکا۔ آخر وہ مجھے اتنا یاد کیوں آتی ہے۔"

"تم سمجھنا نہیں چاہ رہے ہو۔ اپنی شکست کا اعتراف کر لو۔ یہ مان لو کہ تم نے خواہ مخواہ اس سے چڑ کر۔۔۔ بلکہ اس کے نقاب سے چڑ کر اوٹ پٹانگ احمقانہ باتیں کیں۔ جس کا نتیجہ بے عزتی کی صورت تمہارے سامنے آ گیا۔ اس بے عزتی کو قبول کرو۔ معذرت تم کر چکے ہو۔ جو بہرحال معذرت نہیں۔ اسے دھوکہ دینے کی ابتدائی کوشش تھی۔"

"یہ پہلی لڑکی ہو گی۔ جس سے شکست کھاؤں گا۔۔۔ نہیں۔۔۔ مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔ جب تک وہ نقاب کیا اپنا سب کچھ۔۔۔"

"سوچ لو۔! یہاں پر اعتراف شکست اتنی توڑ پھوڑ کا باعث نہیں بنے گا، جتنا اُس وقت بنے گا۔ جب تم اپنے دعویٰ کی زمین میں خود دفن ہو جاؤ گے۔"

"کچھ بھی نہیں ہوتا۔ میں مانتا ہوں وہ میرے ذہن میں کسی نفسیاتی گرہ کی طرح موجود ہے۔ وہ تھوڑا مشکل بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ مگر وہ ہے تو گوشت پوست کی نا۔۔۔ اس کے من میں بھی ایک عورت کا دل دھڑک رہا ہے۔ اور پھر میری اداکارانہ صلاحیتیں کب کام آئیں گی۔۔۔ میں نے اگر اس مذہبی لڑکی سے شکست کھا لی تو پھر میرے افکار، میری سوچ اور میرے خیالات بے کار ہیں۔ پھر تو مجھے بھی مذہبی ہو جانا چاہیے۔"

"کیا کرو گے تم۔۔۔"

"کچھ بھی کروں گا۔لیکن یہ چیلنج جو زندگی نے مجھے دیا ہے اس سے ضرور نبرد آزما ہوں گا۔"

اس نے اپنے طور پر فیصلہ کرلیا۔ایسا ہی فیصلہ اس نے پہلے بھی کیا تھا۔لیکن اس میں اتنی شدت نہیں تھی۔اس نے کلاک پر دیکھا۔وقت کافی ہو چکا تھا۔اس کا من چاہا کہ اسے فون کرے۔کل کس نے دیکھی ،ابھی سے ابتداء کرتے ہیں۔اس نے اپنا سیل فون اٹھایا اور اس کے نمبر پش کر دیئے۔کچھ دیر تک دوسری جانب بیل جاتی رہی۔اس دوران زرق شاہ یہی سوچتا رہا کہ وہ سوگئی ہوگی تو صبح اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی تبھی دوسری جانب سے فون ریسو کرلیا گیا۔

"اسلام علیکم۔!"شبانہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے واضح طور پر اپنے بدن میں لرزش محسوس کی۔

"علیکم اسلام۔۔۔کیسی ہیں آپ۔۔۔؟"زرق شاہ نے سرسراتے ہوئے خمار آلود لہجے میں کہا

"میں تو ٹھیک ہوں مگر لگتا نہیں ہے کہ آپ ٹھیک ہوں گے۔"شبانہ نے انتہائی تحمل سے کہا۔

"کیوں۔!آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں ٹھیک نہیں ہوں۔"اس نے مسکراتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"اتنی رات گئے فون کرنے کا مطلب تو یہی ہوتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"وہ کہتے ہوئے اس نے لمحہ بھر توقف کیا اور پھر بولی۔"فرمائیے۔!"

"کچھ ایسا خاص نہیں تھا۔میں آج ہی شمالی علاقے سے واپس آیا تھا۔آپ بہت یاد آرہی تھیں۔اس قدر یاد آئیں کہ میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا اور میں نے آپ کو فون کر دیا۔اب مجھے یہ دکھ ہوگا کہ آپ کو اتنی رات گئے ڈسٹرب کیا۔اس کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔۔۔"اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"میں دراصل پڑھ رہی تھی۔"اس نے بے تاثر انداز میں کہا۔

"اوہ۔!"اس نے افسوس بھرے انداز میں ہنکارا بھرا۔پھر بولا۔"اگر کل آپ

کے پاس وقت ہو تو۔۔۔"

"کوئی خاص بات؟"اس نے اعتماد سے پوچھا

"میں کسی جھوٹ کا سہارا نہیں لینا چاہتا۔سیدھی اور سچی بات کہوں گا۔میں بس آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"وہ یوں بے تابی سے بولا جیسے وہ اس سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہو۔

"لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے کہ میں یوں بلا مقصد آپ سے ملوں۔"اس نے واضح طور پر کہا۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ میں کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے باتیں کروں۔آپ کے قرب کا احساس پاؤں۔"وہ پھر سے خمار آلود لہجے میں بے تابی سے بولا۔

"دیکھیں شاہ جی۔!میرا وقت قیمتی ہے۔میں اسے فضولیات میں ضائع نہیں کرنا چاہتی۔آپ پلیز اپنا وقت برباد نہ کریں۔"شبانہ نے انتہائی تحمل سے سمجھایا۔تبھی زرق شاہ نے ایک دم سے پینترا بدلا اور بڑے سکون سے کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ آپ کو یوں فون پر آگاہ کروں لیکن میں اب ضرور کہوں گا۔اور وہ بات یوں ہے کہ آپ پہلی لڑکی ہیں جس نے مجھے متاثر کیا۔اور میں آپ کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔بہت سارے سوال میرے ذہن میں ہیں۔ان پر میں بات کرنا چاہتا ہوں۔سمجھنا چاہتا ہوں۔"اس نے بے تابی سے کہا۔

"کیا سمجھنا چاہتے ہیں آپ۔۔۔؟"وہ تحمل سے بولی

یہی کہ آپ عام لڑکیوں سے ہٹ کر کیوں ہیں۔وہ ایسے کون سے افکار ہیں۔کیسی تربیت ہے۔جس نے آپ کو عام سے خاص بنا دیا ہوا ہے۔ایسا خاص کہ میرے جیسے بندے کو متاثر کر کے رکھ دیا جو ایک بالکل ہی الگ دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔"اس بار زرق شاہ نے اپنے لہجے میں تجسس بھری بے تابی کا ایسا رنگ بھرا کہ اگلے لمحے ہی شبانہ بولی۔

"میں کوئی خاص نہیں۔ہاں،اگر کوئی بات سمجھنے والی ہے جو میرے متعلق آپ کو الجھن دے رہی ہیں تو وہ آپ پوچھ سکتے ہیں"

"اگر آپ مل بیٹھیں تو۔۔۔"وہ لجاجت سے بولا۔

"نہیں۔!ایسا نہیں ہے،بات سمجھنے کو یہ فون ایک موثر ذریعہ ہے،آپ پوچھیں۔"

شبانہ اڑ گئی

''چلیں ٹھیک ہے،اس وقت آپ پڑھ رہی ہیں۔ رات بھی بہت ہو گئی ہے۔ آپ نے بہر حال فون پر بات کرنے کی اجازت دے دی ہے۔میں ایسے ہی بات کر لیا کروں گا۔۔۔آپ میرا فون اسی وقت ریسو کیا کیجئے گا جب آپ کے پاس میری بات سننے کا وقت ہو۔ورنہ میں سمجھ لیا کروں گا کہ آپ مصروف ہیں۔'' زرق شاہ نے یوں انکساری سے کہا جیسے شبانہ کے وقت کا اسے بہت خیال ہو۔

''ٹھیک ہے۔آپ آرام کریں۔اللہ حافظ۔'' شبانہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

زرق شاہ نے اپنا سیل فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور طنزیہ مسکرادیا۔اپنے فیصلے سے لے کر ان لمحات تک میں اتنا زیادہ وقت نہیں گذرا تھا لیکن اتنی بڑی کامیابی پر وہ نازاں ہو گیا۔وہ جو پہلے فون ہی نہیں سنتی تھی۔اب خود اجازت دے رہی تھی۔اس نے انگلی تھمادی۔ اتنا ہی بہت تھا۔اسے اپنے قریب تو اس نے خود کرنا تھا۔وہ اسے ملنے کے لئے خود کہا کرے گی۔۔۔یہی سوچتے ہوئے وہ خوشگوار انداز میں بیڈ پر لیٹ گیا۔

❁......❁......❁
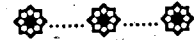
اس سہ پہر موسم بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔شبانہ وقار اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھی کتاب پڑھنے میں مشغول تھی۔اس کی دائیں جانب والی کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔جس سے روشنی کمرے کے اندر آ رہی تھی۔اور باہر کا منظر بڑا واضح دکھائی دے رہا تھا۔آسمان پر سرمئی بادلوں نے چھا کر دھوپ کا راستہ روک لیا ہوا تھا۔اس لئے سماں یوں بن گیا جیسے سورج نکلنے سے پہلے صبح کا منظر ہوتا ہے۔شبانہ کافی دیر سے پڑھ رہی تھی۔موسم کی ادا دیکھ کر اس کا بھی جی چاہا کہ وہ باہر نکلے۔وہ زیادہ سے زیادہ کاریڈور تک جا سکتی تھی۔اور وہ بھی پوری چادر لپیٹ کر۔اس لئے وہ اٹھی اور کتاب ایک جانب رکھ کر کھڑکی کھول کر باہر کا نظارہ کرنے لگی۔وہ خوشگوار ہوا کو اپنے اندر اتارنے لگی تھی۔ایسے میں اس کا سیل فون بج اٹھا۔ایک لمحے کو اسے یوں لگا جیسے زرق شاہ کا فون آ گیا ہو۔وہ آہستہ سے پلٹی اور میز پر سے سیل فون اٹھا لیا۔تبھی اسکرین پر سعدیہ کے نمبر دیکھ کر ایک خوشگوار لہر اس کے من میں سرائیت کر گئی۔

''کیسی ہو؟'' سعدیہ نے علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

''بالکل ٹھیک،تم سناؤ،بڑے دن بعد فون کیا؟'' شبانہ نے پوچھا

''اس لئے کہ میں تمہاری طرف آ رہی ہوں۔گھر پر ہی ہو نا؟'' سعدیہ نے خوشگوار انداز میں کہا۔

''جی،میں گھر پر ہی ہوں اور پورے دل سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں،کب تک آؤ گی۔'' شبانہ نے نہال ہوتے ہوئے پوچھا

''بس جتنا وقت تمہارے گھر تک آنے میں لگے گا۔میں آ رہی ہوں'' سعدیہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

شبانہ کے لئے یہ خاصی خوشگوار حیرت کا باعث تھا کہ وہ آ رہی ہے۔دو برس کی رفاقت میں اس نے کہا ہی تھا لیکن کبھی آئی نہیں تھی۔آج نجانے اس کے من میں کیا سمائی جو آنے کا کہہ دیا۔وہ اس کے لئے اہم مہمان تھی۔ظاہر ہے اس کے لئے کچھ اہتمام تو چاہئے تھا۔وہ جلدی سے اٹھ کر ڈرائینگ روم میں گئی جہاں اس کی امی بیٹھی ہوئی تھی

''امی جی۔!میری بہت ہی پیاری کلاس فیلو آ رہی ہے جو میری سب سے اچھی دوست ہے۔'' شبانہ نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا تو امی مسکراتے ہوئے بولی

''اب بولو فرمائش کیا ہے؟''

''وہ کچھ ہی دیر میں آ جائے گی۔آپ نا بازار سے کافی کچھ منگوالیں۔وہ پہلی دفعہ آ رہی ہے نا اس لئے۔۔۔'' شبانہ نے کہا تو امی بہت پیار سے بولیں۔

''اچھا ٹھیک ہے۔تم جاؤ اپنا کمرہ درست کرلو،میں تمہارے بھائی طارق کو بھیجتی ہوں۔وہ ابھی سب لے آئے گا۔تم فکر نہ کرو۔جاؤ۔''

وہ مطمئن ہو کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔اس نے جلدی اسے اپنا کمرہ درست کیا۔پھر چند چھینٹے منہ پر مارے ہی تھے کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔وہ سعدیہ ہی تھی۔

''ارے ہم تمہارے محل کے باہر فقیروں کی مانند کھڑے ہیں''

''ہم۔۔۔مطلب،کوئی اور بھی ساتھ میں ہے۔۔۔'' شبانہ سب کچھ بھول کر پوچھنے لگی۔

''نہیں مابدولت اکیلے ہیں۔لو چوکیدار آ گیا۔اب اسے تعارف کرانا ہو گا۔۔۔''

وہ بولی تو شبانہ ڈرائینگ روم کی جانب بڑھی تا کہ کسی سے کہے۔انہی لمحوں میں سعدیہ کی آواز آئی۔''چلو گیٹ کھل گیا''۔یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

شبانہ نے دیکھا گیٹ میں سے سعدیہ کی گاڑی اندر آ گئی اور پھر پورچ میں آ کر رک گئی۔ انہی لمحات میں طارق اندر سے باہر کی جانب نکلا تھا۔ سعدیہ اپنی گاڑی میں سے نکلی۔ اس نے گلابی سلیولیس شرٹ کے ساتھ بلیک ٹائیٹس پہنے ہوئے تھے۔ پاؤں میں انتہائی ہلکے سے سلیپر، گلابی چہرے پر سیاہ گاگلز، سلکی بال اور گلابی پرس کے ساتھ جب وہ اندر کی جانب بڑھی تو ایک لمحے کے لئے اس کا سامنا طارق سے ہوا۔ اس نے سرتاپا اسے دیکھا اور پھر تیزی سے باہر کی جانب چلا گیا۔ اس وقت نجانے کیوں شبانہ کے ذہن میں یہ سوچ آئی کہ سعدیہ کو یوں اتنے بولڈ لباس میں یہاں نہیں آن چاہئے تھا۔ اور اگر آ ہی گئی تھی تو اس کا سامنا طارق سے نہ ہوتا۔ اسے سوچنے کا اتنا موقعہ نہیں ملا تھا۔ تبھی سعدیہ ڈرائینگ روم میں آ گئی۔ وہ شبانہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ پھر حیرت زدہ خوشگواریت سے بولی

"کیا تم۔۔۔ شبانہ وقار ہی ہونا۔۔۔؟"

"ارے بدھو، میں ہی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے شبانہ نے اسے گلے لگا لیا۔ تبھی امی سے کہا۔

"شبانہ تم تو کہہ رہی تھی کہ تمہاری کلاس فیلو ہے اور یہ۔۔۔" انہوں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی

"اسلام علیکم۔! آنٹی میں بتاتی ہوں۔" سعدیہ نے خوشی سے کہتے ہوئے امی کے قریب بیٹھ گئی۔ "دو برس ہو گئے۔ ہم ساتھ پڑھتی رہی ہیں۔ پہلے تو نہیں لیکن ان آخری مہینوں میں ہماری بڑی گہری دوستی ہو گئی۔ لیکن میں نے آج تک اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا، آج دیکھ رہی ہوں۔"

"واقعی۔!" امی نے بھی خوشگوار حیرت سے کہا۔

"جی آنٹی۔! مجھے یقین تھا کہ یہ جس قدر دل کی اچھی ہے، اتنی ہی خوبصورت بھی ہو گی۔ کاش مجھے بھی اس کے جیسی ملاحت مل جائے۔"

"آؤ۔! میں تمہیں اس کا نسخہ بتاتی ہوں۔" شبانہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ کمرے میں لے گئی۔

"تو یہ ہے تمہارا گوشہ تنہائی۔"

"جی" شبانہ نے اختصار سے کہا اور اسے بیڈ پر بیٹھا لیا۔ تب سعدیہ نے اس کی

جانب غور سے دیکھتے ہوئے بڑے حسرت آمیز لہجے میں کہا

"یقین جانو شبانہ۔! تم بہت خوبصورت ہو۔ تمہارے چہرے پر ایک خاص قسم کی کشش ہے۔ میں لڑکی ہو کر بھی تمہارے حُسن سے متاثر ہو رہی ہوں اور اگر کوئی لڑکا ہو تو۔۔۔؟"

"اچھا یہ فضول باتیں چھوڑو اور مجھے یہ بتاؤ کہ آج تمہاری اچانک آمد کیسے ہو گئی ہے۔" شبانہ نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اصل میں جمال کی طرف سے انکار آ گیا ہے۔ ماما کو تھوڑا دُکھ تو ہوا ہے لیکن میں بہت خوش ہوں۔" وہ خوشی بھرے لہجے میں بولی

"ردعمل کے طور پر انہوں نے۔۔۔" شبانہ نے کہنا چاہا مگر وہ بات قطع کرتے ہوئے بولی

"کچھ بھی نہیں کہا۔ بس خاموش ہو گئے ہیں۔ اس کا فائدہ مجھے یہ ہوا ہے کہ وقت مل گیا مجھے۔ اب سکون سے امتحان دوں گی۔"

"تیاری کیسی ہے۔ پیپر تو چند دنوں بعد شروع ہونے والے ہیں۔" اس نے پوچھا

"اب سکون ہے یار۔ تم دیکھنا میں بہت اچھے مارکس میں پاس ہو جاؤں گی۔" وہ بولی اور پھر یونہی باتوں میں مشغول ہو گئی جیسے کوئی آزاد پنچھی پیڑ پر بیٹھ کر زور زور سے چہچہا کر اپنی آزادی کا اعلان کرے۔ شبانہ بڑے غور سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ اگرچہ وہ اتنی اہم باتیں نہیں تھیں۔ یونہی دو برس کی رفاقت میں سے یادیں شیئر کرتی رہی تھیں۔ لیکن۔! شبانہ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرتی رہی۔ اس میں کوئی ایسی بیہودہ یا فضول بات نہیں تھی جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا کہ اس کی سوچ منفی ہے۔ وہ ایک ایسی سی ڈی یا فلم اسٹیرپ تھی جس پر بلا مقصد باہر کا ماحول ریکارڈ کر دیا گیا ہو۔ اس دن شبانہ کو اپنی ہی سوچ کے بارے میں حوصلہ اور تقویت ملی۔ انہی لمحات میں شبانہ نے پھر سے اعادہ کیا کہ امتحانوں کے بعد وہ اس پر وقت لگائے گی۔ کھانے پینے اور گپیں لگانے کے بعد مغرب سے ذرا پہلے سعدیہ نے اٹھتے ہوئے کہا

"لو بھئی۔! ہم تو چلے۔"

"ارے بیٹھو۔! ڈنر لے کر جانا۔۔۔"

"اب کہاں گنجائش ،آخر ہم نے سمارٹ بھی تو رہنا ہے۔۔۔"اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر پورچ تک جانے کے لئے وہ ڈرائینگ روم میں سے ہو کر گذریں۔وہ شبانہ کی امی سے ملی اور پھر چلی گئی۔تبھی اذانِ مغرب ہونے لگی۔شبانہ نے وضو کیا اور نماز کی تیاری کرنے لگی۔اسے سعدیہ کا آنا بہت اچھا لگا تھا۔

رات کے کھانے پر جب وہ سارے اکٹھے تھے۔ایسے وقت شبانہ نے محسوس کیا کہ طارق اس سے کافی حد تک خفا خفا سا لگتا ہے۔پہلے تو اس نے اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دینا چاہا۔لیکن جب طارق نے اس کی باتوں کا جواب ٹھیک سے نہیں دیا تو اسے یقین ہو گیا۔کھانے کے بعد جب وہ ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔تب شبانہ نے اس سے پوچھا

"بھائی ۔!کیا بات ہے، تمہارا موڈ کچھ ٹھیک نہیں لگتا؟"

"میں اگر کوئی بات کہوں گا تو تمہیں بری لگے گی۔ابا امی نے تمہاری حمایت کرنی ہے۔اس لئے مجھے خاموش ہی رہنے دو۔۔۔"طارق نے غصے بھرے لہجے میں تلخی سے کہا

"ایسی بھی کیا بات ہے بھائی۔!"وہ حیرت سے بولی

"ہاں بولو۔!کیا بات ہے۔"وقارالدین نے تجسس سے پوچھا۔

"ابا جی۔!آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں کہ بندہ جب تک اپنی حد میں رہے تب تک ٹھیک رہتا ہے۔جیسے ہی وہ اپنی حد پار کرتا ہے، تب بہت کچھ غلط ہونے لگتا ہے۔" طارق نے پھر اسی انداز میں کہا

"کچھ کہو گے بھی۔۔۔"امی نے اُکتاتے ہوئے کہا

"آج جو اس کی کلاس فیلو اس سے ملنے آئی تھی۔اس کا لباس دیکھا تھا۔آدھی سے زیادہ ننگی ہو رہی تھی۔کیا ایسی فضول اور بیہودہ لڑکیوں سے تمہاری دوستی ہے، جو اپنے جسم کی نمائش کرتی پھرتی ہیں۔آیا تمہیں احساس نہیں کہ بندہ اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔" طارق جیسے پھٹ پڑا تھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہو۔اس کا لباس ہماری نظر میں انتہائی قابل اعتراض ہے۔لیکن اس کے گھر والے اسے اجازت دیتے ہیں۔اور یہ حقیقت اپنی جگہ، وہی ایک لڑکی ہے جس سے میری دوستی ہے۔"شبانہ نے ہولے سے کہا۔

"دو برس تک وہ کہاں رہی؟نہ اس کا آنا جانا اب کیوں شروع ہوا؟اور تم نے اسے

سمجھا نہیں سکی کہ ہمارے ہاں ایسے لباس کو بیہودگی سمجھا جاتا ہے۔"طارق کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

"میں اس پر کیا کہہ سکتی ہوں؟"شبانہ نے لاجواب ہوتے ہوئے کہا

"میرے پاس اس کا جواب ہے۔اباجی نے تمہیں ڈھیل دی ۔تم نے من مانی کرتے ہوئے شوبز کے لوگوں سے ملتی رہی ہو۔نامحرم لوگوں سے ملنے جلنے کا نتیجہ تو کچھ نہ کچھ ہوگا۔آج یہ آدھے ادھورے لباس والی آئی ہے۔کل کئی اور منہ اٹھا کر چلے آئیں گے۔اب تمہارا خیال مجھے رکھنا پڑے گا۔"طارق نے حتمی انداز میں کہا۔

"بھائی ۔!مجھے کیا معلوم کہ وہ اس لباس میں آئے گی۔میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔اگر آپ اس کے خیالات سنیں، کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر اس کا نکتہ نظر سنیں تو آپ کو معلوم ہوگا وہ۔۔۔"شبانہ نے بے خیالی میں کہا تو طارق نے اس کی بات کاٹ دی اور سخت لہجے میں بولا

"اب تم مجھے نامحرم عورتوں سے گفتگو کرنے کا کہو گی۔میں جسے دیکھنا پسند نہیں کرتا،تم اس سے بات کرنے کا کہو گی۔حیرت ہے تم پر۔"

"بھائی،!آپ کسی کو یکسر برا نہیں کہہ سکتے۔میں اب بھی کہوں گی کہ وہ اپنے خیالات میں بہت اچھی ہے۔اگر ہم اسے اپنے قریب نہیں کریں گے۔اسے اپنا پوائنٹ آف ویو نہیں سمجھائیں گے۔اسے اپنی حد میں آنے کی اجازت نہیں دیں گے تو پھر ہمیں ان پر رائے زنی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"اب تم مجھ سے بحث کرو گی۔۔۔!آج کے دور میں کون نہیں جانتا کہ دین حق کیا ہے اور صراطِ مستقیم کیا ہوتی ہے۔مگر کوئی نہ جانے اور عمل نہ کرے تو وہ اس کی مرضی۔مگر وہ لوگ جو ہدایت یافتہ ہیں۔جن کی روحیں پاکیزہ ہوتی ہیں۔وہ نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ عمل پیرا بھی ہیں۔"طارق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔تب وقارالدین نے دونوں کی جانب دیکھا اور تحمل سے کہا

"تم لوگ یہ بحث بند کرو۔"پھر شبانہ کی جانب دیکھ کر کہا۔"طارق کسی حد تک ٹھیک بات کر رہا ہے۔اسے ہمارا خیال رکھنا چاہئے۔آدھے کپڑوں میں یہاں سے نکلنے والی لڑکی کیا تاثر دے گی۔"

"میں کہہ دوں گی۔۔۔"شبانہ نے انتہائی ادب سے کہا۔

"اور طارق۔! شبانہ کا نکتہ نظر بھی درست ہے۔ جب تک ہم اپنے آپ میں لچک پیدا نہیں کریں گے۔ تحمل اور برداشت نہیں دکھائیں گے، تب ہماری بات کون سنے گا۔"

"معاف کیجئے گا ابا جی۔! شرعی معاملات میں شریعت نے والدین کی بات نہ ماننے کا اختیار دیا ہے اور میں اپنا یہ حق استعمال کروں گا۔ میرے گھر میں ہوتے ہوئے آئندہ ایسی کوئی لڑکی نہیں آئے گی۔ اور ابا میں خود شبانہ کے معاملات دیکھوں گا۔ یہ ہماری ذمے داری ہے۔ شادی کے بعد یہ اپنے شوہر کی کفالت میں ہوگی، وہ جو اسے اجازت دے۔" طارق نے حتمی انداز میں کہا۔

"اس وقت یہ میری کفالت میں طارق۔" وقارالدین نے تحمل سے اسے باور کرایا

"مگر ایک بھائی ہونے کے ناطے جو ذمے داری ہے، میں اسے نبھاؤں گا۔" طارق نے تیزی سے کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ شبانہ کو یوں لگا جیسے اس کی زندگی کے سارے اچھے دن ختم ہو گئے ہیں۔ ان کے درمیان خاموشی چھا چکی تھی۔ اس لئے وہ اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

❁......❁......❁
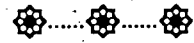
زرق شاہ خوش تھا کہ شبانہ اس سے فون پر بات کیا کرے گی۔ اس نے چند دن بات بھی کی لیکن اس کا دورانیہ مختصر ہوتا تھا۔ کبھی پانچ منٹ، کبھی دس منٹ، اس سے زیادہ جب وہ بات کرنے کی کوشش کرتا، شبانہ اپنے امتحان کا بہانہ بنا کر فون آف کر دیا کرتی تھی۔ وہ بڑے تحمل سے یہ سب برداشت کر رہا تھا۔ وہ تلخی جو اس کے من میں ہوتی تھی۔ اپنے لہجے سے عیاں نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ چاہے جتنا وقت لگ جائے وہ اسے اپنی سوچ کے مطابق ڈھال کر رہے گا۔ اسے حوصلہ یوں ملتا تھا کہ شبانہ اس کی کال ریسیو کر لیا کرتی تھی۔ اگر وہ اس سے بات کرنا ہی نہ چاہے تو کال سنے ہی نہیں۔ انہی چند دنوں میں اس نے مختلف موضوعات پر بات کر کے یہ جاننے کی کوشش کی کو وہ کس موضوع پر زیادہ دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر اسے معلوم نہ ہو سکا۔ پھر اس صبح اس کا پہلا پیپر تھا، اسے معلوم تھا کہ وہ کس سنٹر میں کتنے بجے آئے گی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر وہ اسے ملنے نہیں آ سکتی، وہ تو اسے دیکھنے جا سکتا ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ وہاں پر جائے گا اور اسے باور کرائے گا کہ وہ محض اسے دیکھنے آیا ہے۔ اس عمل کا وہ کچھ نہ کچھ ردعمل تو ضرور محسوس کرے گی۔ اس

نے اپنی مصروفیات کو اس طرح ترتیب دے لیا کہ شبانہ کے لئے وقت نکال سکے۔

وہ پورے وقت پر سنٹر پہنچ گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اپنی گاڑی پر ہی آئے گی۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ اگر وہ باہر نکل کر کھڑا ہوتا تو لوگوں کی نگاہوں میں آجاتا۔ اسے وہاں آئے زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ گیٹ سے اس کی گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ تبھی وہ اپنی گاڑی سے باہر نکل آیا اور ایک جانب ہو کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پوری توجہ سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ شبانہ اپنی فائل سمیت گاڑی سے نکلی۔ اس نے گاڑی لاک کی اور جیسے ہی سنٹر جانے کے لئے قدم بڑھائے، اس کی نگاہ زرق شاہ پر پڑی۔ وہ شبانہ کی آنکھوں میں اتری حیرت کو بڑے واضح انداز میں دیکھ چکا تھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب اسے احساس ہو گیا کہ وہ چاہے کچھ بھی کر لے، اسے نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اس کے اندر کی عورت کو وہ اپنی جانب متوجہ کر چکا ہے۔ اگر کوئی رکاوٹ ہے تو صرف اس کے نظریات کی وجہ سے ہے۔ حوصلہ پا کر زرق شاہ دو قدم آگے بڑھ آیا اور ہولے سے بولا۔

"اسلام علیکم۔!"

"وعلیکم اسلام۔! شاہ صاحب آپ یہاں؟" اس کے لہجے میں خوشگوار حیرت تھی۔

"جی۔! میں یہاں،" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کسی کو چھوڑنے آئے ہیں۔" شبانہ نے اسی لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔! صرف آپ کے لئے آیا ہوں۔ آپ بات تو کرتی نہیں۔ سوچا آپ کو یونہی دیکھ لوں۔" اس نے کچھ ایسے جذباتی انداز میں کہا جس سے شبانہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"میرے پیپر کا وقت ہو رہا ہے۔" شبانہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا اور قدم بڑھا دیئے۔

زرق شاہ اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اسے شبانہ کے لہجے سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بات کچھ بھی نہیں لیکن اتنا ضرور یقین ہو گیا تھا اس کا یہاں آنا بے فائدہ نہیں ہے۔ شبانہ نے چاہے اچھا محسوس کیا ہے یا برا، دونوں صورتوں میں ہلچل ضرور ہو گی۔ کوئی تو صورت ہو جس سے بات آگے نکلے۔ وہ سنٹر چلی گئی تو زرق شاہ کچھ دیر وہیں رہا اور پھر وہ واپس اپنے گھر آ گیا۔ اسے مخصوص وقت کا بے چینی سے انتظار تھا جب پیپر ختم ہونا تھا۔ وہ سیل فون ہاتھ میں

لئے منتظر تھا۔جونہی وقت ختم ہوا اس نے کال کی مگر فون بند تھا۔پھر شام ہوگئی اس کا فون ہی آن نہیں ہوا۔وہ ایک دم پریشان ہوگیا کہ یہ کیا معاملہ ہوا ہے۔اگلا پیپر تیسرے دن ہونا تھا۔اب اسے دیکھنے یا اس سے بات کرنے کے لئے انتظار کرنا ہوگا۔

تیسرے دن علی الصبح اس نے شبانہ کو کال کی۔بیل جاتی رہی مگر کال ریسو نہیں کی گئی۔تھوڑی تھوڑی دیر بعد فون کرتا رہا مگر بات نہ ہوسکی۔تب اس نے سنٹر جانے کا فیصلہ کر لیا اور مخصوص وقت پر وہاں جا پہنچا۔اس نے گاڑی پارک کی اور انتظار کرنے لگا۔شبانہ کی گاڑی آئی تو وہ نکل کر اس کی راہ میں جا کھڑا ہوا۔وہ قریب آئی۔یہ دو قدم آگے بڑھا۔

''اسلام علیکم۔!''اس نے پرشوق نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم سلام۔!جی فرمائیں۔''اس بار شبانہ کا لہجہ انتہائی اجنبی تھا۔

''میں نے کیا کہنا ہے۔۔۔صرف اتنی سی درخواست ہے کہ آپ کم از کم فون تو سن لیا کریں۔''اس نے تیزی سے کہا۔

''شاہ صاحب۔!آپ مجھے ڈسٹرب مت کریں پلیز۔۔۔''شبانہ نے پھر اجنبی لہجے میں کہا تو وہ چونک گیا۔سارے اندازے ایک چھناکے سے ٹوٹ گئے۔جب تک اسے ہوش آتا، تب تک وہ سنٹر کی جانب قدم بڑھا چکی تھی۔وہ مایوسی بھری کیفیت میں کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا اور پھر پلٹ کر اپنی گاڑی تک گیا۔جونہی اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہی تھا کہ چار نوجوان اس کی گاڑی میں آگئے۔تین پچھلی نشست پر اور ایک اگلی پر۔آگے بیٹھنے والے نوجوان نے ریوالور ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔زرق شاہ انہیں یوں اچانک دیکھ کر خوف زدہ ہوگیا۔بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

''کک۔۔۔کون ہو تم لوگ۔۔۔؟''

''بتاتے ہیں۔گاڑی یہاں سے نکالو، اگر زیادہ جلدی ہے تو یہیں بتا دیتے ہیں۔'' ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے کہا تو زرق شاہ نے لاشعوری طور پر گاڑی سٹارٹ کی اور وہاں سے چل دیا۔

وہ چاروں ایک جیسے ہی نوجوان اور خوبرو تھے۔چھوٹی چھوٹی داڑھیاں اور سر پر پگڑیاں اور سفید کرتے شلوار میں وہ بہت بھلے لگ رہے تھے۔انہیں کسی طور بھی جرائم پیشہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔وہ سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔زرق شاہ کے دل میں آگئی تھی کہ ضرور

ان کا رابطہ کسی نہ کسی حوالے سے شبانہ وقار کے ساتھ ہے۔اور پھر وہی ہوا۔تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ اسے ویرانے میں لے گئے۔گاڑی سے باہر نکال کر سامنے کھڑا کر لیا۔

''میں چاہوں تو ابھی تمہیں گولی مار سکتا ہوں۔صرف ٹرائیگر دبانا ہوگا۔''وہی نوجوان بولا جو اس کے ساتھ بیٹھا آیا تھا۔

''کیوں۔''زرق شاہ کے منہ سے سرسراتے ہوئے نکلا

''ابھی جس لڑکی کا راستہ تم نے روکا تھا۔ایسا کیوں کیا تم نے۔۔۔؟''اس نے پوچھا

''وہ میں۔۔۔میں سوری، آئندہ اس کے راستے میں نہیں آؤں گا۔''وہ خوف زدہ انداز میں بولا

''میں نے پوچھا ہے کیوں۔۔۔؟''اس نے سختی سے کہا اور پھر ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔وہ لڑکھڑا گیا۔اس کے ساتھ ہی اس کے تھپڑوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔زرق شاہ نے ذرا سی بھی مزاحمت نہ کی۔کچھ دیر تک مار کھانے کے بعد وہ ہانپتا ہوا ایک جانب گر گیا۔اس کے ناک اور منہ سے خون بہنے لگا تھا۔تبھی اس کی پسلیوں میں ٹھڈا مارتے ہوئے نوجوان نے پوچھا

''میں نے پوچھا، کیوں؟''اس پر زرق شاہ نے انتہائی اختصار سے بتایا کہ وہ اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔پھر بولا۔''وہ میری غلطی تھی، معاف کر دیں آئندہ اس کے راستے میں قطعاً نہیں آؤں گا۔''

''اس بار تو معاف کر رہے ہیں۔آئندہ اسے فون کرنے کی غلطی بھی کی تو سمجھو تم نے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے۔''نوجوان نے سخت لہجے میں کہا۔باقی تینوں کسی بے جان بت کی مانند خاموش کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔''اب جاؤ۔''

زرق شاہ تیزی سے اٹھا اور اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔پھر وہاں سے یوں نکلا جیسے موت سے بھاگ رہا ہو۔اس کا دماغ اپنی بے عزتی ہو جانے پر بری طرح سلگ رہا تھا۔وہ جس پر نازاں تھا، وہ چہرہ کٹا پھٹا اور سوجا ہوا تھا۔وہ یہی سوچ سوچ کر ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو کیا بتائے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔اسے خود پر بڑا زعم تھا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا تھا۔غصے، بے بسی اور بے عزتی کے احساس نے اسے پاگل کر کے رکھ دیا تھا۔وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا

ہو جائے گا۔کیا یہ سب کچھ شبانہ وقار نے کروایا؟ یہ سوال ذہن میں آتے ہی وہ جھنجھلا اٹھا۔وہ مزید سوچتا مگر اسے احساس ہی نہ ہوا۔وہ انتہائی تیز گاڑی چلا رہا تھا۔تبھی سامنے سے آتی ہوئی گاڑی کو بچاتے ہوئے وہ قابو نہ رکھ سکا،ایک دھماکہ ہوا اور وہ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

❁......❁......❁

شبانہ اور سعدیہ اکٹھے سنٹر سے باہر آئیں۔کچھ دیر بیپر پر گپ شپ کرتی رہیں اور پھر اپنے اپنے گھر کی جانب چل دیں۔گھر پہنچ کر شبانہ نے ابھی نقاب بھی نہیں اتارا تھا کہ اس کا سیل فون بجنے لگا۔وہ اپنا فون گھر ہی چھوڑ جاتی تھی۔اس نے اسکرین پر نمبر دیکھے،تو سعدیہ کے تھے۔

"اسے کیا ہو گیا؟" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کال ریسیو کر لی۔"بولو۔"

"تمہارے گھر ٹی وی ہے۔مطلب۔۔۔!"

"ہاں ہے۔۔۔ اباجی خبریں وغیرہ سنتے ہیں۔کیوں کیا ہوا؟"

"ارے یار! وہ اداکار زرق شاہ نہیں تھا۔جو ایک بار کیمپس آیا تھا تمہیں پرفارمہ دینے کے لئے۔۔"سعدیہ نے سرسراتے ہوئے لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"ہاں!کیا ہے اس کو۔۔۔"شبانہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"اس کا حادثہ ہو گیا ہے اور وہ موت وحیات کی کشمکش میں ہسپتال میں ہے۔۔۔ ابھی میں نے نیوز چینل پر خبر دیکھی ہے۔"سعدیہ نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دیا۔

"اوہ!یہ کیسے ہوا؟"شبانہ نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"پتہ نہیں تم دیکھ لو نا نیوز چینل،اس پر تفصیل ہو گی۔۔۔"سعدیہ نے کہا۔

"اوکے!میں دیکھتی ہوں۔"وہ جلدی سے بولی اور فون آف کر دیا۔اس نے نقاب اتارا۔منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور اباجی کے کمرے کی جانب چل دی۔اسے معلوم تھا کہ وہ نہیں ہوں گے۔اس نے جا کر ٹی وی آن کیا اور مخصوص نیوز چینل لگایا۔کچھ دیر بعد اس کے بارے میں خبر آنے لگی۔وہ دیکھتی رہی۔کچھ دیر بعد ہسپتال میں ڈاکٹرز کی رائے بارے بتایا کہ اس کی حالت خاصی سیریس ہے۔تازہ ترین اپ ڈیٹ یہی تھی۔وہ کچھ دیر تک ٹی وی دیکھتی رہی پھر آف کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔یکدم ہی اس کا دل بھر آیا تھا۔گھر آنے سے پہلے اس نے سوچا تھا کہ تھوڑی دیر اپنی امی کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹائے گی مگر

اس کا دل ہی نہ کیا۔نجانے کیوں اسے زرق شاہ ہی کا خیال آتا چلا گیا۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فوراً ہسپتال میں جائے۔کچھ بھی کرے۔کیسی بھی ہو مسیحائی کرے۔اس کے زخم فوراً بھر جائیں۔وہ پھر سے ٹھیک ٹھاک اور تندرست ہو جائے۔ایسا وہ سوچ ہی سکتی تھی۔حقیقت میں ایسا ممکن نہیں تھا۔

دوپہر کے وقت اس کا کھانے کو جی نہیں کیا۔بس ذرا سا چکھ کر چھوڑ دیا۔اس کا من بے چین تھا۔وہ بیڈ پر لیٹی اپنی غم زدہ کیفیت کو محسوس کر رہی تھی۔تب اچانک اس کے دل میں آئی کہ یوں لیٹے رہنے سے کیا ہوگا۔وہ اگر ہسپتال نہیں جا سکتی تو نہ سہی،کم از کم اس کے لئے دعا تو کر سکتی ہے۔اگلے ہی لمحے وہ اٹھی۔وضو کیا اور جائے نماز پر کھڑی ہو گئی۔ظہر ادا کرنے کے بعد اس نے نوافل پڑھے اور پھر کافی دیر تک اس کے لئے صحت اور زندگی کے لئے دعائیں کرتی رہی۔اسے لگا جیسے یہی اس کا کام تھا۔اور وہ اپنا فرض نبھا رہی ہے۔ وہ دیر تک بڑے جذب سے دعائیں مانگتی رہی۔تب اس کی طبیعت کو سکون محسوس ہوا۔پھر وہ کمرے سے نہیں نکلی،بس رات کے کھانے کے لئے وہ سب گھر والوں کے ساتھ اکٹھی ہوئی تھی۔ورنہ ہر نماز کے بعد اس نے خوب دعائیں کیں۔اس کا ذہن پوری طرح زرق شاہ کی جانب لگا ہوا تھا۔وہ چاہ رہی تھی کہ اسے جلد از جلد اچھی خبر ملے۔اگلی صبح اخبار میں خاصی تفصیل تھی۔ایک امید افزا بات یہ تھی کہ اب وہ خطرے سے باہر تھا۔اسے خوشی محسوس ہوئی۔اسے یوں لگا جیسے یہ اسی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔وہ جو کل سے پژمردہ سی کیفیت میں تھی۔خبر پڑھتے ہی نارمل سی ہو گئی۔

انسان اپنی کیفیات میں کیسا بدلتا رہتا ہے۔کبھی وہ خوش ہوتا ہے اور کبھی پژمردہ۔کسی وقت اس کی کیفیت یوں ہو رہی ہوتی ہے کہ زندگی بوجھ لگنے لگتی ہے اور کسی وقت یوں ہوتا ہے زندگی سب سے خوبصورت اور حسین دکھائی دیتی ہے۔کوئی حالت ایسی ہوتی ہے کہ زندگی کی ساری توانائیاں اپنے آپ میں سمٹتی ہوئی محسوس کرتا ہے۔ایسا کیوں ہوتا ہے؟ بلاشبہ انسان جذبات واحساسات کا مرقع ہے۔روح اور جسم کے اس ملاپ میں جو زندگی جھلک رہی ہے اور اس سے جتنے اعمال سرزد ہو رہے ہیں۔ان کا کہیں نہ کہیں منبع ومرکز تو یقینی ہے۔جس کے باعث اس کا دوسرے انسانوں اور کائنات کی دوسری اشیاء ومخلوقات کے ساتھ رویہ ہے۔وہ مرکز ومنبع کہیں باہر نہیں پڑا بلکہ انسان کے اندر ہی خیال وتصور کی

صورت میں موجود ہے۔ وہ جس خیال میں بھی ہوگا۔اس کا رویہ اور اعمال ویسے ہی ہو جائیں گے۔ جیسے شبانہ نے جب زرق شاہ کے حادثے بارے جانا تو اس کے تصور نے نجانے کیا کیا خیالات دیئے۔ جس کے باعث وہ دکھ کی کیفیت میں مبتلا ہوگئی۔اس کا رویہ اور عمل ایک دم بدل گیا اور اس وقت جب اس نے پڑھا کہ وہ خطرے سے باہر نکل آیا ہے، وہ ساری کیفیت دور ہوگئی اور اس کی جگہ اظہار تشکر کے جذبات اُمنڈ آئے۔وہ اپنے من کی کیفیت میں بدل کررہ گئی۔وہ جو اس نے کل سے کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، پھر سے اپنے پیپر کی تیاری میں لگ گئی۔اس دوران کبھی کبھی اسے زرق شاہ کا خیال آتا۔تب اپنے من کی خواہش بھر آتی جسے وہ دبادیتی۔ کچھ دیر سوچتی اور پھر اسے بھول جانے کی کوشش میں لگ جاتی۔اسی دھوپ چھاؤں میں دن گزرتا چلاگیا۔اس نے محسوس کیا کہ وہ کل والی کیفیت نہیں تھی۔اسی سہ پہر سعدیہ کا فون آگیا۔یونہی گپ شپ کے دوران وہ چہکتے ہوئے بولی۔

”یار مجھے آج بڑا عجیب سا خیال آیا۔“

”وہ کیا؟“شبانہ نے دلچسپی سے پوچھا

”میں نے سوچا، اگر میرا زرق شاہ سے کوئی تھوڑا سا بھی تعلق ہوتا نا تو میں اس کی عیادت کرنے ضرور جاتی۔تھوڑے سے پھول لے جاتی اور جلد صحت یاب ہونے کی دعا دے آتی۔“وہ یونہی شوخ لہجے میں کہہ گئی۔

”تو اس میں تعلق داری والی کیا بات ہے۔اگر تمہاری خواہش ہے تو چلی جاؤ۔“ شبانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا

”اور وہ مجھ سے کہے کہ بی بی میں نے پہچانا نہیں آپ کون ہیں۔میں تعارف کرواتی اچھی لگوں گی۔ہم خود وی آئی پی بندے ہیں۔ایسے تھوڑی جائیں گے۔۔۔“اس کے لہجے میں اب بھی شوخی ہی تھی۔

”چلی جاؤ۔! کیا حرج ہے،ثواب کا کام ہے۔۔“شبانہ نے سرسراتے ہوئے کہا۔

”یار یہ ثواب ہمیں وہیں کیوں یاد آتا ہے جب بات ہمارے مطلب کی ہو۔اگر ہمیں ثواب حاصل کرنا ہے تو ان مریضوں کی عیادت کیوں نہیں کرتے جو بے چارے ہماری مدد کے مستحق ہوتے ہیں۔یہاں مجھے یہ دلیل مت دو۔“وہ ایک دم ہتھے سے اکھڑ گئی

”بلاشبہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ہماری روزمرہ زندگی کے بہت سارے ایسے کام ہیں۔

جنہیں اگر ہم ثواب کی نیت سے کریں تو نہ صرف برکت ہوتی ہے۔بلکہ ثواب بلاشبہ ملتا ہے۔“ شبانہ نے تحمل سے کہا۔

”بے شک میری جان ،ایسا ہی ہے۔لیکن ایسے نہیں جن میں ثواب کی شرط ہو جائے۔میرا خیال ہے تم میری بات سمجھ رہی ہوگی۔ویسے میں تمہیں بتادوں میں کوئی مفتی نہیں ہوں ۔یہ میری ذاتی رائے ہے۔“وہ ہنستے ہوئے بولی۔نہ جانے اس نے مصلحتاً ایسا کیا تھا یا شاید اس لئے کہ شبانہ کا دل نہ دُکھے۔پھر وہ کچھ دیر تک باتیں کرتی رہیں۔تبھی سعدیہ نے کہا۔

”تمہارے ساتھ تو اس کا بہت اچھا تعلق رہا تھا۔میرا مطلب ہے وہ تمہیں ذاتی طور پر بھی جانتا ہے۔تم کیوں نہیں چلی جاتی ہو عیادت کرنے۔“

”ہاں۔!مجھے جانا چاہیے۔لیکن بات یہ ہے کہ وہ ایک مختصر سا تحقیق والا دورانیہ تھا وہ گذر گیا۔ابھی میں اس دنیا سے تعلقات نہیں چاہتی۔فی الحال امتحان پر توجہ دینا چاہتی ہوں۔“شبانہ کو کچھ نہ سوجھا تو یونہی کمزور سی دلیل دے دی۔ایسا کہتے ہوئے وہ خود بھی مطمئن نہیں تھی۔اس پر سعدیہ بہت کچھ کہہ سکتی ہوں۔مگر نہ جانے وہ کیوں خاموش رہی۔پھر بولی۔

”یار آئندہ مستقبل میں کبھی کوئی کام پڑسکتا ہے۔“

”تب دیکھا جائے گا۔خیر۔!ہم کیوں ایویں بحث کرتی چلی جارہی ہیں۔“آخر شبانہ نے کہہ ہی دیا۔اصل میں وہ اندر سے خوف زدہ ہوگئی۔کہیں ان جذباتی لمحوں میں کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکل جائے۔جس سے اس کی ریاضت پر کوئی حرف آئے۔

”اچھا یار۔!مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔“سعدیہ نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

”وہ کیا؟“شبانہ نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”یہی کہ میں ابھی جاؤں،تمہاری طرف سے بھی پھولوں کا گلدستہ دے آؤں، دیکھیں تو سہی،ہم اس کے ذہن میں ہیں بھی یا نہیں۔۔۔؟“سعدیہ نے پھر سے چہکتے ہوئے کہا۔

”وی آئی پی بندے،اگر کسی نے اندر ہی نہ گھسنے دیا تو۔۔۔؟“وہ ہنستے ہوئے بولی

”ارے ایسی بھی کیا بات ہے، جو وی آئی پی ہوتے ہیں۔وہ وی آئی پی ہی ہو

تے ہیں۔'' سعدیہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''تو کیا تم واقعی جاؤ گی۔'' شبانہ نے حیرت سے پوچھا۔

''جاؤ گی نہیں، ابھی جا رہی ہوں۔ مجھے کون سا اجازت لینا پڑتی ہے۔'' اس نے کہا

''ابھی۔۔۔!'' وہ حیرانگی سے بولی۔

''ہاں ابھی، کچھ دیر بعد آ کر بتاتی ہوں کہ کیسا رہا۔'' وہ مزے سے بولی۔

''ٹھیک ہے، میں انتظار کروں گی۔'' شبانہ نے آہستگی سے کہا۔ اس نے کچھ دیر تک باتیں کرتی رہنے کے بعد فون بند کر دیا۔ شبانہ سوچنے لگی۔ آخر یہ سعدیہ کے من میں کیا سمائی۔ یونہی مذاق میں کہی ہوئی بات کو حقیقت کا روپ دے رہی تھی۔ آخر ہو گا کیا؟ وہ اس حیرت میں گم ہو گئی۔

❁....❁....❁
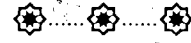
زرق شاہ ہسپتال کے کمرے میں آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا۔ دواؤں کے زیر اثر اس کے دماغ پر غنودگی طاری تھی۔ وہ نہ صرف پوری طرح ہوش میں تھا بلکہ جو کچھ سوچ رہا تھا، اسے سمجھ بھی رہا تھا۔ جسم پر لگے ہوئے زخم کافی تھے۔ ٹانگ کی ہڈی فریکچر ہو جانے کے باعث وہ کئی دنوں تک بستر تک محدود ہو گیا تھا۔ اُسے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ زخم بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن جو اس کے روح پر گھاؤ لگ چکا تھا، اسے شاید وقت بھی مندمل نہ کر سکے۔ اسے اُمید نہیں تھی کہ وہ یوں بھی شکست کھا جائے گا۔ اس نے تو بڑے دعوے کئے تھے کہ اس حجاب والی کو اپنے قدموں میں گرا لے گا۔ مگر یہ اچانک ہوا کیا؟ اس کی تو وہ جھلک بھی نہ دیکھ سکا اور زخموں سے چور یہاں ہسپتال کے کمرے میں بے بس پڑا ہے۔ کیا یہ سب شبانہ کے ایماء پر ہوا تھا؟ یا پھر اسے اس سارے معاملے کی خبر ہی نہیں ہے؟ یہ دو انتہائیں تھیں۔ درمیانی کوئی آپشن نہیں تھا۔ جب سے اُسے ہوش آیا تھا۔ وہ یہی سوچتا چلا جا رہا تھا۔ وہ اس پر جتنا سوچتا، اتنا ہی الجھ کر رہ جاتا۔ وہ ہارنا نہیں چاہتا تھا لیکن بلا سوچے سمجھے یونہی اپنے آپ کو میدان جنگ میں جھونکنا بھی نہیں تھا۔ یہ تو نرا احمق پن ہوتا ہے۔ پہلے وہ اسے کھیل تماشہ ہی گردان رہا تھا لیکن اب تو انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ اس کی غیرت یہ گوارا ہی نہیں کر سکتی تھی کہ یوں دھمکی اور دھونس میں آ کر یہ سب کچھ ختم کر دے گا۔ ہاں اگر ایک بار بھی شبانہ اس نے قطع تعلق کی بات کر لیتی۔ اسے ایک دفعہ منع کر دیتی تو شاید وہ اپنے فیصلے

پر نظر ثانی کر لیتا۔ اب وہ اپنے فیصلے میں مزید سخت ہو گیا تھا۔ وہ جو دو انتہاؤں کے بارے میں سوچ چکا تھا۔ یہیں سے اسے مزید راہ ملنے والی تھی۔ اگر یہ سب شبانہ کے ہی ایماء پر ہوا ہے تو پھر اس سے ان زخموں کا انتقام لینا بنتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ پہلے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے دھوکہ دے رہا تھا۔ لیکن اب تو وہ ہر حربہ آزمائے گا۔ اسے چاہے کچھ بھی کرنا پڑے وہ ان سے اپنا بدلہ ضرور لے گا۔ زندگی نے اگر اسے یہ حالات دے دیئے ہیں تو یونہی سہی۔ اور اگر شبانہ کو اس معاملے کی خبر نہیں تو مزید اچھا ہے۔ انہیں معلوم ہی اس وقت ہو گا جب کوئی نہ کوئی انتہائی معاملہ وہ منظر عام پر لے آئے گا۔ میں نے کون سا اتنا بڑا جرم کر لیا تھا جو مجھے جان سے مارنے کے لئے غنڈے بھیج دیئے۔ یہ معاملہ بات چیت سے بھی ختم ہو سکتا تھا۔ انہیں ایسی غنڈہ گردی کا کوئی حق نہیں۔۔۔

''کیا تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ دوسروں پر تنقید کرو۔ اور اگر سامنے سے منہ توڑ جواب مل جائے تو پھر انتقام پر اتر آؤ۔۔۔۔''

جیسے ہی یہ سوچ ذہن میں آئی وہ ٹھٹک گیا۔

''اختلاف رائے کا مطلب بلاشبہ انتقام نہیں، لیکن جان سے مار دینا، اتنی معمولی بات کے لئے۔۔۔۔''

''یہ معمولی بات نہیں ہے۔ کیا تم یہ برداشت کرو گے کہ کوئی تمہاری بہن کا راستہ روک کر ملنے کا کہے۔ یہ تو شبانہ کا تحمل اور برداشت تھی۔ اس نے اپنے رویے سے یہ احساس بھی دلایا تھا مگر تم تھے کہ نجانے کس زعم میں اسے نیچا دکھانے پر تلے ہوئے تھے۔''

وہ اپنی سوچ کے تلخ احساس سے شرمندہ ہو گیا۔

''لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ جب تک میں ان سے بدلہ نہیں لے لیتا، میں بے چین رہوں گا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ میرا حادثہ ہو گیا۔ بات چھپ گئی۔ ورنہ میں سوجے منہ اور سرخ چہرے کو کس کس سے کیا کہہ کر چھپاتا۔ میں بے چین رہوں گا۔ مجھے قرار نہیں آئے گا۔''

''تم کیا کر سکتے ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرو گے کہ چند غنڈے بھیج دو گے۔ جو ان کی پٹائی کرا آئیں گے۔ اس سے زیادہ کیا ہو گا۔ اس کا باپ شہر کے بڑے کاروباریوں میں سے ایک ہے، کیا وہ اپنا اثر و رسوخ نہیں رکھتا۔ اگر تم نے مذہبی حلقے سے ٹکر لی تو کچھ نہیں بچے گا۔''

''اور بھی کوئی راستہ ذہن میں آ سکتا ہے۔ ایسا بنجر ذہن تو نہیں ہے میرا۔''

"کیا شبانہ کو اغواء کرلو گے۔اس کے ساتھ زبردستی ظلم کرو گے۔اسے قتل کروا دو گے۔۔۔ ان کے خاندان کے کسی بندے کو مروادو گے۔۔۔اس سے زیادہ کیا کر سکتے ہو۔۔۔لیکن کیا جو تم نے دعویٰ کیا تھا۔اس پر پورے اتر جاؤ گے۔اس طرح کیا تمہاری شکست، فتح میں تبدیل ہو جائے گی۔مان لو کہ آج بھی تمہاری شکست ہے،کل بھی فتح کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"بھاڑ میں گئی فتح وشکست،اب تو انا کا مسئلہ ہے۔جب تک میرے اندر سکون نہیں اترے گا۔تب جو بھی میری سمجھ میں آیا میں کروں گا۔"

اس کا دماغ دُکھنے لگا تھا۔درد کی شدید لہر اس کے دماغ میں ٹیس بن کر ابھری۔ چند لمحوں کے لئے اس کا دماغ ماؤف ہوگیا۔اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو اپنے اردگرد کسی کو نہ پایا۔ایک کونے میں اس کا سکریٹری فدا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔جب سے وہ خطرے سے باہر ہوا تھا۔تب اس کے والدین گھر گئے تھے۔ورنہ وہ یہیں تھے۔ایک بہن تھی فاطمہ وہ بھی ان کے ساتھ چلی گئی۔

"فدا۔!"اس نے کراہتے ہوئے آواز دی۔

"جی سر۔!"وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے بولا اور اس کے قریب آ گیا۔

"یار، میرا جی گھبرا رہا ہے۔ڈاکٹر کو تو بلاؤ۔"وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

"جی، ابھی۔"یہ کہہ کر اس نے انٹرکام پر رابطہ کیا۔دوسری جانب رابطہ ہوتے ہی اس نے ڈاکٹر کے بارے میں کہا۔پھر واپس آ کر اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر وہاں آن موجود ہوا۔اس کے ساتھ دو نرسیں تھیں۔ڈاکٹر نے پوری تسلی سے اس کا چیک اپ کیا۔آلات وغیرہ لگا کر دیکھا اور پھر بڑے نرم سے انداز میں کہا۔

"شاہ صاحب۔! آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ظاہر ہے یہ زخم وغیرہ کے لئے تو کچھ وقت لگے گا۔گھبرانے کی کوئی بات نہیں دل کو ذرا مضبوط کریں۔"

"ڈاکٹر صاحب۔!بس یہی سوچیں میرا دوران خون بڑھا رہی ہیں۔"وہ بے بسی سے بولا

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔میں سمجھتا ہوں آپ کو ایسے حالات سے واسطہ نہیں پڑا ہوگا۔ممکن ہے آپ کے کام کا بھی بہت حرج ہو رہا ہوگا۔اس لئے آپ ایسی سوچیں ہی نہ

سوچیں۔خوشگوار یادیں ذہن میں تازہ کریں۔زیادہ سے زیادہ پُرسکون رہنے کی کوشش کریں۔ اوکے،اب میں چلتا ہوں۔"ڈاکٹر نے اسے حوصلہ دیا اور نرسوں سمیت باہر چلا گیا۔

"سر جی۔! کچھ کھائیں،پئیں گے آپ؟"فدا نے پوچھا

"نہیں یار دل نہیں کر رہا۔"اس نے کہا اور پھر سے آنکھیں موند لیں۔اتنے میں اس کے انٹرکام پر کال آ گئی۔فدا نے ریسیور اٹھایا۔

"آپ کے مریض کی عیادت کے لئے ایک لڑکی آئی ہیں۔"دوسری طرف سے کسی خاتون نے کہا۔

"کون ہیں؟"فدا نے پوچھا

"کہہ رہی ہیں کہ وہ کیمپس سے آئی ہیں۔"جواب ملا تو فدا نے فوراً یہی بات زرق شاہ سے کہی تو وہ چونک گیا۔

"فوراً بلاؤ۔!"اس نے پُرتجسس لہجے میں کہا۔

ایک لمحے کو اسے یہی لگا تھا کہ کیمپس سے آنے والی لڑکی ایک شبانہ ہی ہو سکتی ہے۔ورنہ اور کسی کے ساتھ تو اس کا تعلق ہی نہیں تھا۔فدا نے آنے کے لئے کہہ دیا اور دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔کچھ دیر بعد دروازہ ہلکے سے بجا اور پھر اس میں سے سعدیہ نمودار ہوئی۔اگلے ہی لمحے زرق شاہ کا چہرہ تو اُترا مگر ساتھ ہی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔یہی لڑکی اس نے شبانہ کے ساتھ دیکھی تھی۔سعدیہ نے سلام کیا۔

"میں آپ کا نام نہیں جانتا مگر پھر بھی آپ کو خوش آمدید۔"زرق شاہ نے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔بس ایسے ہی میں نے اپنی سہیلی سے گپ شپ کے دوران آپ کی عیادت کا ذکر کیا تو اس نے مجھے کہا کہ مجھے جانا چاہیے۔"سعدیہ کو کچھ اور نہ سوجھا تو یونہی کہتی چلی گئی۔

"کون سی سہیلی۔۔۔؟"زرق شاہ نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"وہی شبانہ وقار۔!وہ ایک بار آپ جسے۔۔۔"سعدیہ نے کہنا چاہا تو زرق شاہ نے فوراً کہا

"ہاں۔۔ہاں۔۔۔کیسی ہیں وہ۔۔۔"

"بالکل ٹھیک ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے پھولوں کا گلدستہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ ان کی طرف سے ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ۔۔۔۔"

"کیا واقعی یہ اس نے بھیجا ہے۔۔۔" زرق شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے۔ میں بذات خود آگئی اور اس کی طرف سے نیک تمنائیں دے دیں۔ اسے کیا یہ نہیں بھیجنا چاہئے تھا؟" سعدیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں ۔۔۔ نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ مطلب اگر وہ خود آجاتیں تو زیادہ اچھا نہیں تھا۔" زرق شاہ کو کچھ نہ سوجھا تو یونہی کہہ گیا۔

"میں پھر یہ پوچھوں گی کہ کیا آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا۔ یا اس کی دی ہوئی نیک تمنائیں اچھی نہیں لگیں۔ یا اسے خود آنا چاہئے تھا۔" سعدیہ کو واقعتاً اس کا انداز برا لگا تھا۔

"شاید میں پھر غلط کہہ گیا۔ آپ کا آنا سر آنکھوں پر۔ مجھے بہت اچھا لگا کہ چند لمحوں کی رفاقت کا آپ نے اتنا بدل دیا۔ میں اصل میں کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ اگر وہ بھی آجاتیں تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔" اس نے بات کو سنبھال لینا چاہا۔

"ممکن ہیں۔ وہ بھی کسی وقت آجائیں۔ وہ ذرا پڑھاکو قسم کی ہے۔ امتحان کا اس نے کچھ زیادہ ہی اثر لیا ہوا ہے۔"

"میری طرف سے انہیں بہت زیادہ شکریہ کہہ دیجئے گا۔" زرق شاہ نے ممنونیت سے کہا۔

"جی، میں کہہ دوں گی۔" یہ کہہ کر اٹھ گئی۔

ارے آپ بیٹھیں۔ کہاں چل دیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"نہیں میرے پاس اتنا ہی وقت تھا۔ کیونکہ میرے بھی امتحان چل رہے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر خدا حافظ کہہ کر چل دی۔

زرق شاہ کتنی دیر تک اس سحر سے نہ نکلا۔ اس کا جو دل گواہی دے رہا تھا۔ ویسا ہی تھا۔ شبانہ کو اس بارے میں معلوم ہی نہیں تھا۔ اس نے گلدستے پر ٹنگے ہوئے ننھے کارڈ پر شبانہ وقار کے نام کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تبھی اس نے شبانہ کو فون کرنے کی ٹھان لی۔ اس نے اپنے سیکریٹری فدا کا فون لیا اور شبانہ کے نمبر پش کرنے لگا۔ جو اسے یاد ہو چکے تھے۔ چند لمحے بیل جاتی رہی۔ پھر دوسری جانب سے شبانہ کی مخصوص آواز ابھری۔

"ہیلو۔! اسلام علیکم۔"

"وعلیکم سلام۔! میں زرق شاہ بات کر رہا ہوں۔" اس نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا

"اوہ۔! شاہ جی کیسے ہیں آپ۔۔۔؟" وہ کافی حد تک خوشگوار لہجے میں بولی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ نے اپنی نیک تمنائیں پہنچائیں۔ اس کا بہت شکریہ۔" وہ بولا

"میں خود آتی لیکن گھر سے نکلنا اور پھر واپس لوٹنا سو مرحلے ہوتے ہیں۔ میں انشاء اللہ وقت ملتے ہی ضرور آؤں گی۔ آپ بہرحال اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ تاکہ آپ جلد از جلد تندرست ہو جائیں۔"

شبانہ وقار بڑے خلوص سے کہہ رہی تھی جبکہ وہ سوچ رہا تھا کہ یا تو یہ لڑکی بہت گہری اور حد درجہ چالاک ہے جو اپنے لب و لہجے میں ذرا بھی شائبہ نہیں ہونے دے رہی۔ یا پھر اسے قطعاً معلوم نہیں اور وہ اپنے فطری خلوص سے یہ سب کہہ رہی ہے۔

"بہت شکریہ آپ کے خلوص کا۔ بہت زیادہ خیال رکھوں گا میں اپنا۔"

"یہ آپ نے نمبر تبدیل کر لیا۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ دراصل میرا سیل فون کہیں کھو گیا ہے۔ نئی سم لیتا ہوں تو۔۔۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ آرام کریں۔"

"جی بہت شکریہ۔ میں آپ کے فون کا منتظر رہوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ اس کے ذہن اور دل میں ایک طرح سے سکون اتر گیا۔ اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ بس تصدیق باقی تھی، جو بہت جلد ہو جانا تھی۔ زرق شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

❁.....❁.....❁

خوبصورت احساسات جب من میں اتر جائیں تو ہر شے ہی خوبصورت لگتی ہے۔ شبانہ کی سوچ میں اس وقت زرق شاہ کا لب و لہجہ تھا۔ وہ اس کے پرخلوص لہجے کو یاد کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ اپنے بیڈ پر بیٹھی وہ خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ جہاں سعدیہ نے زرق شاہ کے پاس جانے کی روداد سنائی تھی۔ وہاں اس کا فون آجانے سے بھی بڑا خوشگوار تاثر ملا تھا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو یوں محسوس کر رہی تھی کہ جیسے اس کے دونوں

طرف کشش کے مرکز ہوں۔ دونوں اطراف کی کشش کے درمیان وہ ہوا میں معلق تھی۔ ایک لڑکی ہونے کے ناطے اس کے من میں زرق شاہ کے لئے پیار اُمنڈ رہا تھا۔ یہ ایک جانب کی کشش تھی۔ دوسری جانب اس کے اپنے خیالات و افکار تھے جو دوسری کشش تھی اور اسے ایسا سب کچھ سوچنے سے منع کر رہی تھی۔ تبھی اس کے ذہن میں سوال پیدا ہوا۔

''مجھے ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے۔ کیا میں زرق شاہ کو نظر انداز نہیں کر سکتی؟''

''کر سکتی ہو لیکن تم خود نہیں کرنا چاہتی ہو۔ اصل میں گناہ سے بچنے کے لئے کہا ہی کیوں گیا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ شیطان اپنا راستہ بنا کر ترغیب دینا شروع کر دیتا ہے۔ تم اگر شوبز کی دنیا میں نہیں جاتی تو ایسا کچھ بھی نہیں ہونا تھا۔''

''تو کیا ہم دنیا سے کٹ کر ایک کونے میں لگ کر بیٹھ جائیں۔''

''دنیا اور اس کی آلودگی کا مقابلہ صرف وہی کر سکتے ہیں۔ جن کا کردار مضبوط ہوتا ہے۔ یہ مان بھی لیا جائے کہ تمہارا موقف درست ہے۔ تب اس کے کردار کی مضبوطی سب سے اہم ہوتی ہے۔ اک یہی کشش تمہارے مقصد میں دراڑیں پیدا کر رہی ہے۔ مقصد بھی تو وہی نبھا پاتے ہیں جن کا کردار مضبوط ہو۔''

''ٹھیک ہے۔ کردار کی مضبوطی ہی مقصد کو تقویت دیتی ہے لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم خوبصورتی کو دیکھیں اور اس سے متاثر نہ ہوں۔ دنیا کو اگر ہم آلودگی تصور کریں گے تو وہ ہمارے لئے آلودگی بن جائے گی اور اگر اس میں سے اچھا اچھا چننے کی کوشش کریں گے تو ہمیں اچھا ہی دکھائی دے گا۔''

''یہ بات بھی تو وہی ہے۔ ایسا کون کر سکتا ہے۔ متاثر کون نہیں ہوتا۔ وہی نا جو اپنے آپ میں مضبوط ہو۔ دیکھو، مقصد چن لینے سے مقصد کے حصول تک میں ایسی کون سی شے ہے جو بندے کو کشاں کشاں اپنے مقصد سے نہ صرف جوڑے رکھتی ہے بلکہ اسے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتی رہتی ہے۔ وہ کوئی قوت تو ہو گی نا۔۔۔''

''کیا یہ کردار کی مضبوطی ہے۔۔۔؟''

''کردار یونہی مضبوط نہیں رہ سکتا، اس کے لئے بھی ہمہ وقت ایک قوت چاہیے ہوتی ہے۔''

''ایسا کیا ہو سکتا ہے۔۔۔؟''

وہ اسی سوال پر آ کر ٹھٹک گئی۔ بہت دیر تک وہ اس بارے سوچتی رہی۔ اچانک اسے کہیں پڑھے ہوئے لفظ یاد آنے لگے۔ وہ ان کا مفہوم سوچنے لگی۔ انسان جب دیکھتا ہے تو اسے حسن متاثر کرتا ہے۔ یہ تاثرات ضائع نہیں جاتے بلکہ احساسات پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ انسان اس حسن سے اپنائیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہی اپنائیت تجسس میں ڈھل کر شناسائی اور پیار کے مقام تک آ جاتی ہے۔ پھر خوبصورتی سے لگاؤ ہی محبت کا باعث بن جاتی ہے۔ کوئی نہ کوئی صورت سامنے ہوتی ہے۔ جس کے باعث یہ سارا سفر شروع ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سارا سفر ہوتا کیوں ہے۔ کیسے ہوتا ہے۔ اور وہ کون سی چیز ہے جو اس سفر میں کشاں کشاں آگے بڑھائے لے جاتی ہے۔ یہ محبت ہی تو ہے جو اگر شدت اختیار کر لے تو عشق کے مقام پر آ جاتی ہے تبھی اس نے گھبراتے ہوئے سوچا۔

''کیا مجھے محبت ہو گئی ہے۔۔۔؟''

''نہیں۔! ایسا نہیں ہے۔۔۔ میں ایسے کسی انسان سے محبت نہیں کر سکتی۔''

''تو پھر تمہیں اس کا خیال کیوں رہتا ہے۔ یہ مان لو کہ اس کی صورت نے تمہیں متاثر کیا۔ اب تم خود اپنے آپ کو ٹٹول نہیں پا رہی ہو۔''

''میرا اپنا آپ میرے سامنے ظاہر ہے، واضح ہے۔ اس میں کوئی شے چھپی ہوئی نہیں۔''

''اپنے آپ کو ٹٹولو، دیکھو، غور کرو، کہیں نہ کہیں کچھ ہے، ورنہ دوسرے لوگوں کی طرح تم اسے بھی بھول چکی ہوتی۔''

''صرف اتنی سی بات ہے کہ اس نے خود سے رابطہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اب نجانے وہ کیا سوچ رہا ہے۔ اس کے دل اور دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ میں نہیں جانتی، بس اسی رابطے کے باعث۔۔۔''

''کیا تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی وہ کس نیت سے تمہاری جانب بڑھ رہا ہے۔''

''ہاں۔! یہ سوال اہم ہے۔۔۔ منفی یا مثبت۔۔۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک تو ہو گا۔''

''یہی بات تو ہے۔! دنیا داری میں بڑا حسن پھیلا ہوا ہے۔ کشش کی اتنی صورتیں ہیں کہ ساری زندگی بھی انسان انہیں دیکھتا رہے، تب بھی ختم نہ ہوں۔ لیکن اصل میں ان کی

حقیقت کیا ہے۔اسی جاننے کو عقل مندی کہتے ہیں۔زرق شاہ کی نیت کیا ہے۔تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش کی۔تم نے اس کے بارے میں ایک فیصلہ کیا تھا،یاد ہے تمہیں۔۔۔“

”میں جانتی ہوں۔۔۔اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ مجھے محتاط رہنا چاہیے۔لیکن فرض کریں اگر مجھے اس سے پیار محبت ہو جاتا ہے تو۔۔۔“

”یہ کوئی اتنا مشکل سوال نہیں،کسی کو بھی اپنا بنانے کے لئے دو ہی طریقے ہیں۔یا تو خود اس کے رنگ میں رنگے جاؤ یا اسے اپنے رنگ میں رنگ لو۔۔۔“

”میں تو۔۔۔“

”کیوں نہیں۔۔اتارو یہ نقاب۔۔۔اور وہ جو چاہتا ہے اس جیسی بن جاؤ۔۔۔“

”نہیں۔۔۔میں ایسا نہیں کر سکتی۔“

”تو کیا تم اسے اپنے رنگ مین رنگ سکتی ہو؟“

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔۔۔“

”تم اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ تمہیں ابھی ادراک ہی نہیں ہے۔تم جبر وقدر کے درمیان کھڑی سوچ رہی ہو۔نہ اعتراف کرتی ہو نہ انکار۔تم یہ مان لو کہ ابھی خود میں مضبوط نہیں ہو۔“

”کیا مجھے یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ مجھے ابھی مزید ریاضت کی ضرورت ہے۔۔۔“

”تبھی دنیا داری نبھا پاؤ گی۔“

”کیا کسی سے محبت ہو جانا بھی دنیا داری ہے؟“

”محبت دنیا داری نہیں ہے۔محبت کا نقاب اوڑھ کر دنیا داری ہو سکتی ہے۔اسی حقیقت کی پہچان کو تو نظر کہتے ہیں۔کیا تم میں یہ نظر پیدا ہو گئی ہے؟کیا تم اس کی اہل ہو۔؟“

”پتہ نہیں۔!“ وہ ایک دم سے اکتا گئی۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تو وہ اس الجھن ہی کو ایک طرف رکھ دیتا ہے۔اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ساری سوچوں کو ایک طرف جھٹک دیا۔لیکن ایک سوچ پھر بھی سرسرا رہی تھی۔وہ جب بھی زرق شاہ کے بارے میں سوچتی ہے الجھن کا شکار ہو جاتی ہے۔اگر ایسی حالت رہی تو اس طرح اس کے امتحان متاثر ہوں گے۔اگر وہ بہت اچھے مارکس نہ لے جا سکی تو اس کے اپنے دعوے دھرے کے دھرے رہ جائیں

گے۔ساری دلیلیں بے کار جائیں گی۔یہی وہ مرحلہ تھا کہ جب وہ اپنا آپ ظاہر کر سکتی۔بتا سکتی کہ اس میں اتنی صلاحیت ہے،یہی کامیابی اس کی آئندہ فتوحات کے لئے راہ ہموار کر سکتی تھی۔اس نے ایک فیصلہ کر لیا اور پھر اس پر کاربند ہو گئی۔جب تک امتحان نہیں ہو جاتے،وہ فون نہیں سنے گی اور نہ ہی کرے گی۔اس لئے اس نے اپنا سیل فون بند کیا اور ایک جانب دراز میں رکھ دیا۔چند لوگوں کو اپنے فیصلے کے بارے میں بتانا تھا جن میں سعدیہ بھی تھی۔وہ انہیں زبانی کہہ سکتی تھی۔ایسا کر کے اس نے بہت سکون محسوس کیا۔وہ اپنی پڑھائی کی جانب متوجہ ہو گئی۔

۞......۞......۞

زرق شاہ ہسپتال سے اپنے گھر منتقل ہو گیا تھا۔اس کے سارے زخم تقریباً مندمل ہو گئے تھے۔صرف ٹانگ پر پلاسٹر کی وجہ سے وہ چل پھر نہیں سکتا تھا۔اس کے لئے وہیل چیئر تھی۔وہ گھر میں ادھر اُدھر پھر لیتا تھا۔وہ تندرستی اور صحت مندی کی جانب جا رہا تھا۔اس بات کی اسے خوشی تھی لیکن انہی دنوں میں اسے ایک عذاب سے گذرنا پڑا۔جیسے تنہائی کا عذاب کہتے ہیں۔شروع شروع میں فدا اس کے پاس بہت آتا تھا۔ظاہر ہے وہ اس کا ملازم تھا لیکن اب وہ بہت کم آنے لگا تھا۔شروع دنوں میں اس کے کولیگز اور ساتھ کام کرنے والے بہت سارے لوگ اس کی عیادت کو آئے تھے۔مگر رفتہ رفتہ وہ بھی بہت کم آنے لگے۔اب کوئی اکا دکا اس کے پاس شام کے وقت آتا تھا۔اسی طرح پریس والے بھی تھے۔چند دنوں اس کے بارے میں خبریں لگتی رہیں۔پھر انہوں نے بھی ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔اسے حیرت اس پر بھی تھی کہ اس کے اپنے گھر والے جو پہلے اس کی چاہت میں اس سے وقت مانگتے رہتے تھے۔اب سارے اپنی اپنی جگہ مصروف ہو گئے تھے۔کسی کے پاس کوئی تھوڑا وقت ہوتا تو اس کے پاس آ بیٹھتا۔ورنہ وہی معمول کہ جب کھانے کا وقت ہو یا تھوڑی دیر کے لئے وہ اکٹھے بیٹھ جائیں۔پھر اسے حیرت اس بات پر بھی تھی کہ فقط ایک بار شبانہ سے بات ہوئی اور پھر اس کا فون مسلسل بند رہنے لگا۔اسے تشویش ہوئی۔ممکن ہے اس کے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی ہو گئی ہو۔اس کے بارے میں یہ معلوم ہو گیا ہو کہ زرق شاہ سے بات کی ہے اور انہوں نے اسے سزا دی ہو۔اس سوچ کے ساتھ ہی وہ بہت حد تک بے چین ہو جاتا۔وہ سوچنے لگتا کہ شبانہ بے قصور ہے،وہ یونہی اس کی وجہ سے حالات کا شکار ہو

گئی ہے۔ کئی دنوں سے وہ مسلسل کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس کا فون بند تھا۔ ان دنوں زرق شاہ کے پاس سوائے سوچنے کے اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس کی زندگی اپنے بیڈ روم سے گھر کی چاردیواری تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ کس حد تک ٹیلی وژن دیکھ سکتا۔ اس کی دلچسپی تو تبھی برقرار رہتی نا کہ اسے پردے کے پیچھے کی حقیقت بارے معلوم نہ ہوتی۔ آخر دلچسپی کی بھی تو ایک حد ہوتی ہے۔ یہ طے ہے کہ حدود میں رکھنے والی شے محدود ہی ہوتی ہے۔ اور پھر کسی نے بڑی خوبصورت بات کی ہے کہ پانی کی قدر کا اسی وقت پتہ چلتا ہے جب شدید پیاس ہو اور اسی طرح مخلص لوگوں کی اس وقت جانچ ہوتی ہے جب بندہ تنہا ہو۔ ہر دور میں کوئی نہ کوئی شے اہم رہی ہے اور فی زمانہ وقت سب سے اہم اور قیمتی قرار پایا ہے۔ کسی کو وقت دینا ہی سب سے بڑی قربانی تصور کیا جاتا ہے۔ ان دنوں زرق شاہ کے لیے لوگوں کے پاس وقت نہیں تھا۔

اس دوپہر زرق شاہ نے یونہی شبانہ کا نمبر ٹرائی کیا۔ اسے معلوم تھا کہ آج اس کا آخری پیپر تھا۔ ممکن ہے اس نے اپنا فون کھول لیا ہو۔ اس وقت اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب شبانہ کے فون پر بیل چلی گئی۔ چند لمحے یونہی بیل جاتی رہی، پھر اس نے خمار آلود آواز میں اسلام علیکم کہا۔ زرق شاہ نے خوشی سے بھرپور لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے نجانے کیوں یقین تھا کہ آج آپ کا فون کھل جائے گا۔"

"جی، آج میرے پیپر ختم ہو گئے ہیں۔"

"لگتا ہے امتحان کی تھکن اتاری جا رہی تھی۔"

"جی ہاں۔! میں سو رہی تھی۔ اتنے دن نیند جو پوری نہیں کی تھی۔"

"اوہ۔! پھر تو میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔ سوری۔۔۔"

"کوئی بات نہیں، بلکہ اچھا ہوا۔ ظہر کا وقت ہو گیا ہے۔"

"چلیں ٹھیک ہے آپ نماز پڑھیں۔ میں پھر کسی وقت فون کر لوں گا۔"

"آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ زخم بھی ہو گئے ہیں۔ ٹانگ کا فریکچر ہے وہ تو وقت کے ساتھ ہی ٹھیک ہو گا۔"

"کتنے دن لگ جائیں گے۔"

"یہی تقریباً ایک مہینہ۔۔۔"

"اور آپ کا کام۔۔۔؟"

"ایک سیریل تو بالکل اختتام پر تھا۔ وہ انہوں نے کسی طرح پورا کر لیا ہے۔ اتنا انتظار تو نہیں کر سکتے تھے۔ ایک سیریل شروع ہونا تھا۔ وہ اب نہیں ملے گا۔ باقی بات چل رہی تھی۔۔۔ بس اب تو تندرست ہونے کے بعد ہی نئے سرے سے آغاز کرنا ہو گا۔"

"اس کا مطلب ہے آپ کو کافی مالی نقصان ہوا ہے۔ خیر وہ تو پورا ہو جائے گا۔ اللہ نے آپ کو دوبارہ زندگی دے دی ہے۔ اس کا شکر ادا کریں۔"

"ہاں۔! وہ تو کرنا ہی ہے۔"

"وقت کیسے گذرتا ہے؟"

"زیادہ تر تنہائی ہے۔ بہت بوریت ہوتی ہے۔"

"تو آپ کتابیں پڑھا کریں۔ کہتے ہیں نا کہ تنہائی کا بہترین رفیق کتاب ہے۔ اور پھر اپنی کتابوں سے آپ کو معلوم ہو گا کہ رب تعالیٰ کی شکر گذاری کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت ساری باتیں۔"

"آپ مجھے بتاؤ، میں وہ کتابیں آج ہی منگوا لیتا ہوں۔"

"میں ابھی نام ایس ایم ایس کر دیتی ہوں۔ بہر حال آپ اپنی صحت کا اور اپنا بہت سارا خیال رکھیں۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔۔۔"

فون بند ہو گیا تھا۔ زرق شاہ خوشگوار حیرت میں ڈوبا ہوا تھا کہ آج شبانہ نے اتنی لمبی بات کر لی۔ اسے جو تھوڑی بہت بدگمانی تھی، وہ بھی ختم ہو گئی۔ اسے یہی سمجھ آیا کہ وہ اپنے امتحانوں کے باعث ہی رابطہ نہیں کر رہی تھی اور اسے حادثے کی وجہ کے بارے میں قطعاً معلوم نہیں ہے۔ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ مگر اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس معاملے میں وہ بے خبر ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے جو شبانہ کے بارے میں اس سے باز پرس کر چکے تھے۔ انہیں تلاش کرنا ہو گا۔۔۔؟ یہ خیال آتے ہی اس کے اندر ایک نئی بحث چھڑ گئی۔ کیا اُس حادثے سے اس نے کوئی سبق نہیں حاصل کیا؟ کیا وہ آگ سے کھیلنا چاہتا ہے؟ کیا اسے زندگی جیسی نعمت سے کوئی دلچسپی نہیں رہی؟ اسے تو شبانہ

سے بھی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ چاہے اس معاملے میں بے قصور ہی کیوں نہ ہو۔ اُسے اپنی زندگی میں لوٹ جانا چاہیے۔ بہتری اسی میں ہے کہ وہ شبانہ والے معاملے کو ایک تلخ حقیقت سمجھ کر بھول جائے۔ یوں سمجھے کہ اس کی زندگی میں ایسا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ وہ ملی ہی نہیں تھی۔

"لیکن۔۔۔شکست۔۔۔"

"اگر زندگی ہی نہ رہی تو پھر فتح وشکست کیا معنی۔۔۔!"

"کیا تم اسے بھول پاؤ گے۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔میں اسے بھلا نہیں پاؤں گا۔ یاد رکھوں گا۔ مگر اس طرح کہ زندگی میں جب بھی کبھی موقعہ ملا میں بدلہ ضرور لوں گا۔۔۔"

"پھر تمہیں شبانہ کے بارے میں، اس سے رابطہ کرنے میں بھی بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔"

"ہاں۔! یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔فی الحال اسے نظر انداز کر دوں۔"

"کر سکو گے۔۔۔؟"

"کوشش کرتا ہوں۔۔۔"

"یہی بہتر ہوگا۔۔۔"

انہی لمحات میں اس کے سیل فون پر پیغام کی ٹون بجی۔ اس نے سیل فون اٹھا کر پیغام دیکھا۔ چند کتابوں کے نام تھے۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا کہ یہ کتابیں منگوائے یا نہیں۔ پھر وہ پیغام فدا کو بھیج دیا۔ اس کے بعد فون کر کے کہا کہ وہ یہ کتابیں خرید کر لے آئے۔

وہ ذہنی طور پر تھک چکا تھا۔ وہ سو جانا چاہتا تھا۔ لیکن شبانہ کا خیال یوں اس کے اردگرد موجود تھا جیسے کوئی ماورائی ہالے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہو۔ اس نے شبانہ کے خیال کو بھگانے کے لیے اپنے شوبز کے دوستوں کو فون کرنے کا سوچا اور پھر ان کے نمبر تلاش کرنے لگا۔

❀......❀......❀

اس شام سعدیہ نے پورچ میں گاڑی روکی تو شبانہ کا سانس اٹکنے لگا۔ کچھ دیر پہلے اس نے اپنے آنے کے بارے میں کہا تو وہ باوجود کوشش اور ارادہ کے اسے یہ نہ کہہ سکی کہ

ڈھنگ کا لباس پہن کر آنا۔ وہ سعدیہ کو یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ تم میرے گھر مت آؤ۔ پھر جواب میں تفصیل بتانا پڑتی اور یوں وہ جو پہلے ہی اس کے بارے میں تنگ نظری کا الزام رکھتی تھی، اپنے خیالات میں مزید پختہ ہو جاتی۔ اس نے تو طارق کی باتیں سہہ لیں تھیں۔ مزید بھی کہتا تو سہہ جاتی۔ اسے اپنی سہیلی کے لئے برداشت کرنا تھا۔ اسے ڈر یہ تھا کہ کہیں طارق براہ راست اسے ہی نہ کہنا شروع کر دے۔ ظاہر ہے پھر سعدیہ اپنے آپ کو حق بجانب خیال کرتے ہوئے انہیں بداخلاق کہے گی۔ اگر اسے شعور ہوتا تو وہ ایسا لباس ہی نہ پہنتی۔ وہ ردعمل میں نہ جانے کیا کچھ کہے۔ پھر حرف تو اس کی اپنی ذات پر ہی آنا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ اپنے کمرے سے نکل کر وہاں آ گئی جہاں سے وہ پورچ دیکھ سکتی تھی۔ وہ چاہ رہی تھی کہ جیسے ہی وہ آئے اسے لے کر اپنے کمرے میں چلی جائے۔ کسی کی نگاہ ہی نہ اس پر پڑنے دے۔ خوف اسے اس لیے بھی تھا کہ طارق گھر پر تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ کوئی گھر میں آئے اور اسے معلوم نہ ہو۔ وہ اسے ڈرائنگ روم میں جانے ہی نہیں دینا چاہ رہی تھی۔ وہ کچھ دیر انتظار کرتی رہی، یہاں تک کہ اس نے پورچ میں گاڑی آن روکی۔

اس وقت شبانہ حیرت زدہ رہ گئی۔ سعدیہ نے پورے بازوں کی قمیض اور لمبی شلوار پہنی ہوئی تھی۔ ہلکے کاسنی رنگ پر سفید آنچل اس نے پھیلایا ہوا تھا۔ شبانہ خوشی سے بھر گئی۔ وہ جلدی سے آگے بڑھی۔ سعدیہ اس وقت تک ڈرائنگ روم میں آ چکی تھی جب شبانہ وہاں پہنچی۔ امی اور طارق دونوں ہی وہیں تھے۔ وقارالدین ابھی گھر نہیں آئے تھے۔ سعدیہ نے نہایت ادب سے دونوں کو سلام کیا۔ تب شبانہ نے طارق کی آنکھوں میں اُتری ہوئی حیرت کو واضح انداز میں دیکھ لیا۔ وہ خوشگوار حیرت تھی۔

"بیٹی۔! آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو" امی نے اسے گلے لگاتے ہوئے بڑے ہی پیار اور خلوص سے کہا۔ اس پر سعدیہ خاموش رہی۔ شبانہ نے گرم جوشی سے سعدیہ کو خوش آمدید کہا اور اسے ساتھ لیتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اس وقت وہ دونوں سکون سے بیڈ پر بیٹھ گئیں تھیں اور ملازمہ ان کے پاس کولڈ ڈرنک رکھ گئی تھی۔ تب سعدیہ نے پوچھا۔

"بقول تمہاری امی کے، کیا میں واقعی پیاری لگ رہی ہوں یا اس لئے کہ میں نے تمہاری پسند کے کپڑے پہنے ہیں؟"

"بلاشبہ تم پیاری لگ رہی ہو۔ کیا میں اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔" شبانہ

نے خوش مزاجی سے پوچھا۔

"یار جب میں پچھلی بار آئی تھی نا، تو میں نے تمہارے گھر والوں کی نگاہوں میں کوئی اچھا تاثر محسوس نہیں کیا تھا۔ تم لوگ یہ حجاب وغیرہ پہنتے ہو نا۔ اس لئے میں نے سوچا۔۔۔" اس نے صاف لفظوں میں کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"میں تم سے جھوٹ نہیں کہوں گی سعدیہ۔! واقعی تمہارا وہ لباس میرے گھر والوں نے پسند نہیں کیا تھا۔ مگر کسی نے تمہیں شکوہ تو نہیں دیا۔" وہ بولی تو سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہا

"ہاں۔! میں نے سوچا تم سے ملنا ہے تو یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔"

"نہیں۔! کسی کی پسند، ناپسند کا خیال مت کرو، بلکہ یہ دیکھو کہ عورت کے حقیقی حسن کے لئے کیسا لباس ہونا چاہیے۔ ہم لباس کے معاملے میں کتنا کچھ کرتے ہیں۔ رنگ، کپڑا، ڈیزائن، سلائی، ہر شے کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن کیا یہ دیکھتے ہیں کہ آیا یہ ایک مسلمان عورت کے شانِ شایان ہے بھی کہ نہیں۔"

"اب تم اپنا فلسفہ جھاڑو گی۔ جبکہ میں نے فقط اتنا پوچھا ہے کہ۔۔۔" سعدیہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ بولی۔

"نہیں۔! یہ فلسفہ نہیں، لباس ہی سے عورت کا اصل حسن واضح ہوتا ہے۔ وہ حسن جو عورت کا اصل جوہر ہے۔ جو عورت میں فطری طور پر ودیعت ہے۔ لیکن عورت ہی اس سے بے خبر رہتی ہے۔" شبانہ نے تحمل سے بتایا۔

"میں بھی سنوں، وہ اصل حسن کیا ہے؟" وہ طنزیہ انداز میں بولی

"عورت کا اصل حسن اس کا عورت پن ہے، جیسے نسائیت کہتے ہیں، نسوانیت۔۔۔ عورت کچھ بھی ہوسکتی ہے، وہ بزنس وومین ہوسکتی ہے، طیارہ اڑا سکتی ہے، اچھی منتظم ہوسکتی ہے۔ بہترین ٹیچر ہوسکتی ہے۔ اگر ان سب میں سے نسوانیت نکال دی جائے تو بتاؤ، پھر عورت میں باقی کیا بچتا ہے؟"

"جب عورت سے، نسوانیت ہی نکال دی جائے تو باقی کچھ نہیں بچتا۔۔۔ عورت پن سے تمہاری کیا مراد ہے۔" اس نے پوچھا

"عورت کے حسن و جمال کا جوہر نسائیت ہی ہے بلکہ نسائیت کی روح ہی حسن و جمال ہے۔" شبانہ نے کہا اور پھر لمحہ بھر توقف کے بعد بولی۔ "تم اسے پوری طرح اس وقت

سمجھ پاؤ گی جب تم انسانی حیثیت کو سمجھو گی۔۔۔"

"انسانی حیثیت۔۔۔؟"

"دیکھو۔! کوئی بھی کلچر، نظام یا معاشرت ہو۔ وہ اپنی ایک مخصوص فطرت کا تقاضہ رکھتا ہے۔ وہ اپنے مفاد کے لئے کیسی عورت چاہتا ہے اور کیسا مرد بنانا چاہتا ہے۔ مطلب وہ کیسے انسان کی تخلیق کرنا چاہتا ہے۔ تم ماشاء اللہ عقل مند ہو۔ ہر طرح کی معاشرت کے بارے علم رکھتی ہو۔ اس میں کیسے مرد اور عورتیں تخلیق ہوکر سامنے آرہے ہیں۔" شبانہ نے کہا تو سعدیہ سوچ میں پڑ گئی۔ کتنی دیر تک وہ غور کرتی رہی۔ پھر بولی۔

"ہاں شبانہ۔! ہر معاشرے یا نظام کے تحت خاص قسم کے انسان ہی تخلیق ہو رہے ہیں، یورپ کے لوگ اپنا مزاج رکھتے ہیں۔ ہندوستانی الگ قسم کے۔۔۔ اور۔۔۔ یوں۔"

"میں کسی بھی نظام، کلچر یا معاشرت پر تنقید نہیں کرتی، لیکن میں جس معاشرت، کلچر یا نظام سے تعلق رکھتی ہوں۔ اس کی بات ضرور کروں گی۔۔۔ میں اسلامی کلچر سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔ اب میرا اسلامی کلچر۔۔۔ عورت سے کیا چاہتا ہے یا وہ عورت کو کیسا دیکھنا پسند کرتا ہے۔ یہ فطری سی بات ہے نا۔" شبانہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بالکل۔! جب ہر کلچر الگ اپنے مفاد کے حساب سے انسان تخلیق کر رہا ہے تو اسلامی کلچر بھی تو اپنے مفاد کے مطابق انسان تخلیق کرے گا۔ ہاں۔! یہ دلچسپ بات ہے کہ وہ کیسے انسان چاہتا ہے۔ خصوصاً عورت۔۔۔" وہ دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔

"اسلامی کلچر میں عورت کوئی عیاشی کا ذریعہ نہیں ہے، اگرچہ عورت کا اصل جوہر نسائیت فطری کشش پیدا کرتا ہے۔ اور اسلامی کلچر اس کے اس جوہر کو، اس نسائیت کو۔۔۔ نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے اہم سمجھ کر اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ قدرت کی طرف سے ودیعت نسائیت کو فطری ہم آہنگی سے نوازا ہے۔ عورت انسان تخلیق کرتی ہے۔ آج عورت سے تخلیق کی صلاحیت واپس لے لی جائے تو پھر عورت کے پاس کیا ہے، اور زمین اور کائنات میں کیا رہ جاتا ہے۔ کیا انسان اگلی صدیوں میں چلا جائے گا۔۔۔"

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے عورت کے ذمے تخلیقِ انسان کا فریضہ ہے۔۔۔ اور واقعی اگلی صدیوں میں جانے کے لئے عورت کا مرہون منت ہے۔۔" سعدیہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''اب جبکہ عورت تخلیق جیسے عظیم فریضے کو نبھاتی ہے تو اسلامی کلچر نے اسے تعظیم دی۔اس کی نسائیت کو عیاشی کا ذریعہ نہیں بلکہ احترام دیا۔اس قدر احترام کہ دنیا کا کوئی کلچر، کوئی نظام، کوئی معاشرت اتنی تعظیم اور احترام نہیں دے سکتی، یہ حقیقت ہے۔اسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔''

''مطلب۔تم عورت کی جنسی زندگی کو اہمیت دے رہی ہو۔'' وہ بولی

''عورت کی جنسی زندگی کو اہمیت دینا ہوگی۔کیونکہ قدرت نے اس کے ذمے تخلیق جیسا عظیم فریضہ سونپ دیا ہے۔اور اسلام چاہتا ہے کہ اس کی جنسی زندگی پاک، اور مطہر رہے، آلودہ نہ ہو۔اور پھر جب وہ انسان تخلیق کرتی ہے تو اس کے ذمے تعمیرِ انسانیت کا ایک اور فریضہ دے دیتا ہے۔عورت تعمیرِ انسان کرتی ہے۔یہ جو پیدائشِ دولت میں اسے حصہ دار ٹھہرا دیا گیا ہے یہ اس کی نسائیت کا قاتل ہے۔'' شبانہ نے جذباتی انداز میں کہا۔

''یار۔! تم پھر وہی ملائیت والی بات کر رہی ہو۔عورت کو محبوس کر کے اس سے آزادی چھین لینا چاہتی ہو۔'' سعدیہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''عورت کی آزادی۔! میں پوچھتی ہوں کیسی آزادی، کس سے آزادی، کس شے سے آزاد ہونا چاہتی ہے عورت۔۔۔گھر سے۔۔۔کپڑوں سے۔۔۔حیا سے۔۔۔اپنی عفت وعصمت سے۔۔۔کیا خود کو ننگا کر لینے کا نام آزادی ہے۔۔۔کیا ملکی ترقی تبھی ممکن ہے کہ عورت کو سر بازار لے آیا جائے۔انہیں ننگا کر دیا جائے۔۔۔یہ کیسی احمقانہ سوچ ہے۔میں اسے احمقانہ نہیں بے غیرتانہ سوچ کہتی ہوں۔۔۔میں جانتی ہوں کہ لفظ بے غیرت کا اُن کے ہاں کوئی مفہوم نہیں ہے جو عورت کو ننگا کر دینا چاہتے ہیں۔بے عزتی تو اُسے گالی معلوم ہوگی جس میں رتی بھر بھی غیرت ہے۔'' شبانہ اچانک جذباتی ہوگئی۔جب چند لمحے خاموشی کے بعد سعدیہ بولی

''تم تو غصے میں آگئی ہو۔۔۔۔''

''بات غصے کی نہیں سعدیہ، اگر ہم مسلمان ہیں۔وہ دین، جس کے ہم ماننے والے ہیں۔اگر ہم انہیں سچا مانتے ہیں اس پر ہمیں یقین ہے تو انہیں اپنانا ہوگا۔اگر نہیں یقین، نہیں پسند تو نہ اپناؤ، آزادی حاصل کر لو۔''

''نہیں ایسا تو نہیں۔۔۔'' سعدیہ بولی۔

''اصل میں ایسا ہو رہا ہے۔اسلام دشمن قوتیں یہ بات جانتی ہیں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ ایمان رکھنے والا مسلمان بھی اسلامی اصولوں سے رُوگردانی نہیں کرتا۔سو ان کا زور روگردانی پر نہیں بلکہ افکارِ اسلام میں الجھنیں پیدا کرنے پر ہے۔بہ حیثیتِ مسلمان ہم کس میں ترقی کر رہے ہیں۔اپنے اسلامی کلچر میں یا یورپی کلچر میں۔میں چاہوں تو یورپی کلچر کا تخلیق کردہ انسان بتاؤں۔۔۔لیکن مجھے کسی سے نہیں، اپنے گھر کی فکر ہے۔مجھے اپنے اسلامی کلچر کی بات کرنا ہے۔''

''مجھے تمہاری ساری باتیں قبول ہیں، میں مانتی ہوں۔کیا تم یہ نہیں مانو گی کہ ملائیت نے عورت پر ظلم کیا۔۔۔'' سعدیہ نے چڑتے ہوئے کہا۔

''میں مانتی ہوں۔! اور واضح انداز میں کہتی ہوں کہ ملائیت نے عورت پر ظلم کیا۔وہ حد سے بڑھے۔ہمارے معاشرے میں عورت کا استحصال ہے۔لیکن سب کچھ ملائیت نے نہیں کیا۔وہ ایک جز ہے۔اس کے علاوہ دیگر پہلو بھی ہیں۔''

''دیگر پہلو ہوں گے۔اس سے مجھے انکار نہیں۔ملائیت نے اصل میں یہ ظلم کیا کہ فتویٰ تو لگایا مگر جس استحصال کا شکار عورت تھی۔اس کے خلاف آواز بلند نہیں کی۔جس کا ردعمل یقینی ہے۔آج اگر ہمارے معاشرے میں آزادی کا نعرہ لگتا ہے تو وہ کوئی فطری تقاضا نہیں۔غصے میں بھرا ہوا ردعمل ہے۔'' سعدیہ نے دلیل دی۔

''ہمارے معاشرے میں عورت کا استحصال ہو رہا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں۔اگر ایک عورت کھیت مزدور ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلامی سوچ و افکار میں کہیں کمزوری ہے۔کھیت میں، بھٹوں پر یا سڑکوں پہ مزدوری کرنے والی عورت اقتصادی و معاشی عدم مساوات کا شکار ہے۔'' اس نے وضاحت کی۔

''غربت کے ذمے دار کون ہیں؟ اگر ملائیت نے جاگیردار کا ساتھ دیا ہوتا ایسا کر کے اس نے نہ صرف خود پر ظلم کیا بلکہ ان پر بھی کیا جو غربت کی وجہ سے استحصال کا شکار ہیں۔کیا اس کے باعث اسلامی کلچر تشکیل پا سکے گا۔جس معاشرے میں پیٹ بھر روٹی نہیں ملے گی۔انسان کو انسان ہی خیال نہیں کیا جائے گا۔وہاں مادیت پرستی تو آئے گی۔آج جتنا اسلامی کلچر یا اسلامی شعائر کے لئے زور دیا جا رہا ہے۔یہ حجاب ہی کو لو، جتنا اس پر زور دیا جا رہا ہے۔اتنا زور، اتنی تحریک اور اتنی آواز عورت کے استحصال پر اٹھائی جاتی۔عورت کو

کھیت سے نکالنے میں مدد دی ہوتی تو میرا نہیں خیال کہ عورت حجاب میں نہ آتی۔" سعدیہ شدت جذبات میں کہتی چلی گئی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔اصل میں ہماری معاشرتی برائیوں کو اسلام پر ڈال کر اسے بدنام کر رہے ہیں۔بچپن کی شادی، بچیوں کا ختنہ، غیرت وحمیت میں قتل، زبردستی کی شادی، ونی، قرآن سے شادی وغیرہ ۔۔۔ یہ اسلامی شعائر تو نہیں ہیں۔ ہماری معاشرتی برائیاں ہیں۔ان کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔جس غم میں یہ آج گھلے جا رہے ہیں۔حقوق نسواں کا جو شور آج ہے۔یہ تو اسلام نے چودہ سو سال پہلے دے دیا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔الجھن فقط یہ ہے کہ جتنا زور اپنی بات منوانے پر لگایا جا رہا ہے۔ اتنا زور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کے لئے کیوں نہیں لگایا جاتا۔عورت کو تعلیم کا برابر حق حاصل ہے، تو پھر اس پر تفریق کیوں؟ اصل میں تم کسی اور معاشرے کی بات کر رہی ہو جس کی ہم نقالی کر رہے ہیں۔میں اپنے معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی بات کر رہی ہوں۔مثال کے طور پر کسی عورت کو کھیت میں کام نہ کرنا پڑے تو ہم اسے کہہ سکتے ہیں کہ تم حجاب پہن کر گھر کے اندر رہو۔ اگر اسے مزدوری کے لئے باہر جانا ہے تو حجاب اس کے لئے عذاب ہوگا۔"

"تو یہ کرنا کس نے ہے میری جان۔! آسمانوں سے فرشتے نہیں اُتریں گے۔ہم انسانوں نے یہ فرض ادا کرنا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ ایک مسلمان مرد سے زیادہ ایک مسلمان عورت یہ فریضہ کہیں زیادہ اچھے انداز سے ادا کر سکتی ہے۔وہ بیک وقت بیٹی، بہن، بیوی اور ماں ہے۔اس کے ہاں سے بہترین انسان تخلیق پائیں گے۔یہی وجہ ہے کہ آج کی عورت کو الجھن کا شکار کر دیا گیا ہے۔اس کی ماتا گروی رکھ دی گئی ہے۔" شبانہ نے کہا۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ معاشرے کو دہرے عذاب میں مت ڈالیں۔پہلے اسلامی کلچر کا ماحول بناؤ، پھر احکامات جاری کرو۔" سعدیہ اکساہٹ سے بولی

"ماحول تو ہمیں خود بنانا ہے۔جب ہم نے یہ جان لیا کہ ہم مسلمان ہیں تو ہم نے اپنی جان پر اسلام لاگو کرنا ہے۔اب دیکھو نا، بات لباس سے شروع ہوئی تھی۔اور پھر تم نے تان حجاب پر آ کر توڑ دی۔تو سنو، آج دو تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے، یعنی اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب، اسلامی تہذیب جو انسان تخلیق کرتا ہے اور خصوصاً اس میں جو عورت ہے وہ

اس سے خوف زدہ ہے۔اخلاق اور اعتقاد میں لگاؤ پیدا کر دیا جائے تو پھر کیا بچتا ہے۔سنو۔! دشمنانِ اسلامی تہذیب نے پوری عرق ریزی کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عورت کو گھروں سے نکال لیا جائے۔ وہ بنیادی ادارہ ہی تباہ و برباد کر دیا جائے جس سے بہترین مسلمان کی تخلیق ہو۔عورت باہر نکلے گی تو دل و نگاہ کی پاکیزگی ختم، عورت کو مسئلہ اور کھیل تماشہ بنا دیا جائے۔جنسیت کا طوفان بدتمیزی برپا ہو جائے۔ایسے میں کیا تصورِ حیات مستحکم ہوگا۔"

"تم تو خوفناک تصور دے رہی ہو۔کیا ہم تم باہر نہیں نکلیں۔" وہ بولی

"اگر ہمارے ساتھ کچھ نہیں ہوا تو کہیں بھی کچھ نہیں۔ اخبارات اٹھا کر دیکھ کیا طوفان برپا ہے۔سنو۔!انسان کے لئے لباس کس قدر ضروری ہے۔ شیطان نے سب سے پہلے انسانوں کے درمیان آخر ایسا کیا کیا جو انہیں جنت سے نکل جانا پڑا۔ان کی بے لباسی ظاہر کرنے کا سامان کیا۔یہ میں نہیں قرآن عظیم کہہ رہا ہے۔پڑھو سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۷۔جس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے۔"اے بنی آدم۔! کہیں تمہیں شیطان اس طرح نہ بہکا دے جس طرح (بہکا کر) تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا اور ان کے لباس اتروا دیئے تاکہ ان کے ستر انہیں دکھا دے۔"

"کیا ایسا حکم ہے۔" سعدیہ نے بے چارگی سے کہا۔

"یہی بات ہے میری جان، ہم خود اسلامی تعلیمات کا مطالعہ نہیں کرتے۔اصل مقصد ہے حیا، جو انسان کا فطری جوہر ہے۔حیا نہیں تو پھر فحاشی جنم لیتی ہے۔اسی لیے نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم حیا نہیں کرتے ہو تو پھر جو مرضی کرو۔یہ حیا صرف عورتوں کے لئے مخصوص نہیں، مردوں کو بھی یہی حکم ہے۔سورہ نور میں واضح ارشاد ہے۔"اے نبی ﷺ۔! ایمان والوں کو کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔یہ طریقہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔اور آپ ﷺ مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جائیں۔اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مار لیا کریں۔اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے شوہر، باپ، سسر، سوتیلے بیٹے، بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے اپنی عورتیں، اپنی غلام وہ مرد خدمت گار جو عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے، اور وہ لڑکے

جو ابھی عورت کی پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہیں اور اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں۔ کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔"

"کیا اس کا کوئی اور حکم بھی ہے۔۔۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"بہت۔! اگر تم خود مطالعہ کرو، ایک مسلمان عورت ہونے کی وجہ سے اپنے احکامات فرائض اور حقوق کو جانو تو زیادہ بہتر ہے۔ مجھ پر چاہے یقین نہ کرو، قرآن و حدیث کو تو دیکھو، اب دیکھو۔! میاں بیوی کے تعلق کو قرآن نے کس خوبصورت انداز میں بیان کیا کہ دونوں ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ "وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔" جاؤ پوری دنیا کے فلسفے اور افکار لے آؤ، ایسا تعلق کہیں نہیں ملے گا۔" شبانہ نے جذباتی انداز میں کہا۔

"یار۔! پھر ہم لوگ تو بہت دور پڑے ہوتے ہیں۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"اصل میں ہمارے معاشرے کی ایلیٹ کلاس نے سب سے بڑا ظلم کیا۔ وہ بنا سوچے سمجھے یورپی تہذیب سے متاثر ہو کر وہاں کا گند یہاں ڈال رہے ہیں۔ غریب طبقے کو ہندوانہ رسموں نے کچل ڈالا ہے۔ ایک جہیز جیسی لعنت ہی وبالِ جاں بنی ہوئی ہے۔"

"وہی تو میں کہتی ہوں، اگر لڑکا معاشی طور پر مضبوط ہو جاتا ہے تو ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے اور میرے خیال میں اسلام کے احکام ایسے نہیں کہ چند کو اپنا کر باقی چھوڑ دیئے جائیں۔ معاشرتی برائیوں کی ختم کرنا ہو گا تو ہی۔۔۔" وہ بولی۔ تو شبانہ نے اس کی بات اچکتے ہوئے کہا۔

"کون کرے گا بی بی۔؟"

"میں اور تم۔۔۔! تم مجھے اپنا مقصد نہ بتاؤ، مگر میں نے جان لیا۔ ابلاغیات کی تعلیم ہم نے کیوں حاصل کی۔ اس کا مقصد میں جان گئی ہوں۔" سعدیہ نے اطمینان سے کہا تو شبانہ حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے یقین ہو گیا کہ ذرا سے نم والی یہ مٹی بڑی زرخیز ہے۔

❁......❁......❁

زرق شاہ کے سامنے کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں سرسری انداز میں دیکھ چکا تھا۔ وہ ساری کتابیں قصے کہانیوں پر مشتمل ناول وغیرہ تھے۔ اس نے ساری کتابوں کو ترتیب سے رکھ لیا تا کہ انہیں پڑھ سکے۔ اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ وقت گذاری کے لئے کتابوں

کا ساتھ بہت اچھا رہے گا۔ وہ توقع نہیں کر رہا تھا کہ شبانہ اسے اس قسم کی کتابوں کے نام بتائے گی۔ اس کے ذہن میں یہی تھا کہ یہ ساری کتابیں مذہبی ہوں گی۔ ممکن ہیں کچھ کتابیں اس کے مسلک کے مطابق ہوں بھی یا نہیں۔ مگر اس کا اک دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہ کتابیں منگوائے گا ضرور، کیونکہ ممکن ہے انہی پر بحث و مباحثہ میں بات آگے سے آگے ہی بڑھ جائے۔ مگر ایسا نہیں ہوا وہ کچھ اور طرح کی ہی کتابیں تھیں۔ وہ اب انہیں پڑھ کر بہت زیادہ بات چیت کر سکتا تھا۔ ایسے ہی لمحات میں اس کے ذہن رُو ایسے خیال کی جانب مڑ گئی جو شبانہ کی ذات کے متعلق تھا۔

"تم اس کے ساتھ کیا بحث و مباحثہ کرو گے۔۔۔ تم تو اس کی ذات کا کوئی ایک حصار بھی نہیں توڑ سکے ہو۔"

"یہ سب یونہی تو نہیں ہو جاتا، اس میں وقت لگتا ہے۔"

"کتنا وقت چاہیے ہو گا۔ چند دن یا عمر بھر۔۔۔"

"یہ تو کوئی بھی جذباتی لمحہ آ سکتا ہے، کسی وقت بھی۔۔۔"

"اور تم اس کا انتظار کرتے رہو گے۔"

"اس کے سوا میں کیا کر سکتا ہوں۔۔۔"

"بے بسی۔۔۔ اسے چھوڑو اور اپنی دنیا میں محنت کرو۔ یہ جو حادثہ ہوا، پتہ ہے اس کی وجہ سے تمہارا کتنا نقصان ہو چکا ہے۔ تم چند برس پیچھے چلے گئے ہو۔ پھر سے وہ محنت کرنا پڑے گی۔ جس سے دوبارہ مقام حاصل ہو۔ لوگ تو انہیں یاد رکھتے ہیں جو سامنے ہوں۔"

"وہ ساری زندگی میرے ذہن میں کانٹا بن کر چبھتی رہے گی۔"

"یہ فقط تمہاری سوچ ہے۔ جب تم اسے یاد ہی نہیں کرو گے تو وہ یاد آئے گی بھی نہیں۔ جب تمہاری مصروفیت ہو گی، وہ یاد کیسے آئے گی۔"

"اس حادثے سے پہلے وہ کیوں یاد آ جاتی تھی۔ اب تو اپنے ٹوٹے ہوئے وجود کے ساتھ وہ زیادہ یاد آئے گی۔ میں اسے قطعاً نہیں بھلا پاؤں گا۔ وہ مجھے یاد آتی رہے گی۔"

"پھر تمہارا رویہ اس کے ساتھ غلط ہے۔"

"میرا رویہ غلط ہے؟ مطلب۔۔۔؟"

"ہاں۔! کیونکہ یہ طے ہے کہ تم اس کا کوئی بھی حصار نہیں توڑ سکتے۔ پھر بھی تم

اسے خود پر سوار کئے ہوئے ہو۔ محض باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"اسے لالچ دو۔ اسے بتاؤ کہ تمہارے پاس کتنی دولت ہے۔ لگژری زندگی کسے کہتے ہیں۔ زندگی کے ہر لمحے کو پر لطف کس طرح بنایا جا سکتا ہے۔ اسے ایسا وژن دو، ایسے تصورات اس کے سامنے رکھو کہ وہ اپنی دنیا بھول جائے۔ جس دن اس نے تیرے دیئے ہوئے تصورات میں دلچسپی لی، اسی دن تمہاری کامیابی کی ابتدا ہوگی۔"

"ہاں۔! یہ ٹھیک ہے۔ وہ تو پہلے ہی گھٹن کا شکار ہوگی۔ ساحلوں پر کی جانے والی مستیوں کا اسے کیا احساس۔ مستی، سرشاری، مزے اور زندگی کا لطف۔۔۔ ایسی ایسی دلچسپیوں کے بارے میں بتائے کہ وہ اپنے اندر سے خواہش کرے۔ زندگی کی ان حقیقتوں کے بارے میں بتائے جہاں انسان آزاد ہوتا ہے۔ اسے ان سارے بندھنوں سے آزادی کا احساس دلائے۔ تبھی سارے حصار ٹوٹیں گے۔"

"اب تمہاری سوچ درست نہج پر آئی ہے۔ یہی تمہاری ذہانت ہے کہ تم اسے خود سے جوڑے بھی رکھو اور اپنی مرضی کے تصورات دے کر اس کا حصار توڑو۔ اس کے تصورات توڑو۔ سارے حصار خود ٹوٹ جائیں گے۔۔۔"

زرق شاہ نے یہ سب سوچا اور مسکرا دیا۔ وہ پھر سے اپنے فیصلے کی تجدید کر چکا تھا۔ اس نے کلاک پر وقت دیکھا صبح کے گیارہ بجے کا عمل تھا۔ اس نے اپنا سیل فون اٹھایا اور شبانہ کے نمبر پش کر دیئے۔

"ہیلو۔! اسلام علیکم۔!"

شبانہ کی آواز سنتے ہی ایک خوشگوار لہر اس کے اندر اتر گئی۔ تب وہ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

"آپ کی بتائی ہوئی کتابیں آ گئی ہیں میرے پاس۔"

"اچھی بات ہے، آپ انہیں پڑھیں۔"

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ مجھے ایسی کتابیں بتائیں گی جو مذہبی قسم کی ہوں گی۔ لیکن یہ تو سارے ناول ہیں۔ قصے کہانیاں ہیں۔"

"تو کیا آپ کو پسند نہیں؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں، پسند ہیں مجھے۔ بلکہ مجھے ان کتابوں سے بہت فائدہ ملے گا۔ ہو سکتا ہے ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں کوئی سیریل کا خیال آ جائے۔ ظاہر ہے سیریل بھی تو بنیادی طور پر ایک کہانی پر ہی بنتا ہے۔ یہاں سے مجھے مکالمے۔۔۔ سین۔۔۔ سچوئیشن اور بہت کچھ ملے گا۔۔۔"

"چلیں آپ کے وقت کا ضیاع نہیں ہوگا۔ آپ ان قصے کہانیوں سے لطف اندوز ہوں۔"

"ہوں۔! یہی کرنا ہوگا، ورنہ۔۔۔!"

"ورنہ۔۔۔ ورنہ کیا۔"

"ورنہ لطف اور مزے تو دنیا میں بے شمار ہیں۔ ہماری ہی رسائی بس اتنی ہی ہے۔ قصے کہانیوں تک کی حد ہے ہماری رسائی۔ ورنہ زندگی تو ہمارے لئے بہت کچھ رکھتی ہے۔"

"بے شک زندگی ہمارے لئے بہت کچھ رکھتی ہے۔ یہ ہم ہی ہیں کہ زندگی کو جیسے چاہیں بنا لیں۔"

"تہہ در تہہ حصاروں میں بند کر لیں یا پھر خود کو آزاد کر کے زندگی سے لطف اندوز ہوا جائے۔ یہ حصار بھی تو ہم خود ہی اپنے گرد بناتے ہیں۔"

"بالکل۔! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"کیا بات ہے آپ میری کسی بات سے اختلاف نہیں کر رہی ہیں۔"

"آپ کوئی اختلاف والی بات ہی نہیں کر رہے ہے، میں خواہ مخواہ ہی مخالفت کروں۔"

"چلیں۔! میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں، آپ مجھے اس کا سچ سچ جواب دیجئے گا۔"

"بولیں۔!"

"جب آپ مجھے سٹوڈیو میں ملی تھیں پہلی بار۔ تب آپ نے بڑے جذباتی انداز میں کہا تھا کہ جہاں چاہے میں مل سکتی ہوں، پھر آپ ملی بھی تھیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ اب آپ کیوں خائف ہیں مجھ سے ملنے کے لئے۔۔۔"

"میں خائف نہیں ہوں۔۔۔ آپ اس ملاقات کو اچھی طرح یاد کریں۔ ملاقات کی وجہ بھی میں نے بتائی تھی۔ میں جب آپ سے ملی تھی۔ تب آپ نے وہ وجہ ہی نظر انداز

کردی۔شاید بھول گئے ہیں آپ۔''

''آپ کو یاد ہے۔۔''

''بالکل۔! مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اور جب کبھی بھی آپ اس وجہ کے باعث مجھ سے ملنا چاہیں گے تو میں ضرور آؤں گی۔۔۔''

''چاہے آج ہی میں وہ وجہ آپ کو بتا دوں۔''

''جی بالکل۔! آپ جہاں کہیں گے۔ میں وہیں آجاؤں گی۔''

''مجھے اب تک آپ کی سمجھ نہیں آسکی۔کبھی تو آپ خود کو اس قدر چھپا لیتی ہیں کہ دکھائی بھی نہ دیں اور کبھی جو ظاہر کرتی ہیں کہ سامنے موجود ہوتی ہیں۔ یہ کیا ہے۔۔؟''

''آپ کے خیال میں یہ کیا ہوسکتا ہے۔۔؟''

''اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں یہی کہوں گا یہ فقط آپ کی ادا ہے۔نسوانی ادا جس سے عورت اپنی کشش بڑھاتی ہے۔''

''ایسا نہیں ہے، کیونکہ نسائیت عورت کی لاشعوری فطرت ہے۔ جبکہ میں شعوری طور پر ایسا کرتی ہوں اور مجھے ایسا کرنا بھی چاہیے۔''

''کیا آپ دنیا کی لذتوں سے سرشار نہیں ہونا چاہتیں۔ زندگی تو ایک بار ملتی ہے۔کیا آپ نہیں چاہتیں کہ آپ ملائیت کے حصار سے نکلیں اور یہ سب کچھ کریں جو آپ کی مرضی ہو۔۔۔''

''پہلے تو آپ یہ یقین کرلیں کہ میں ملائیت کے حصار میں نہیں ہوں۔اور دوسرا یہ یقین رکھیں کہ میں اپنی مرضی سے ہی سب کچھ کرتی ہوں۔ مجھے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔''

''یہ آپ کہہ ہی سکتیں کہ مجھے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔کیونکہ آپ لبرل نہیں ہیں۔''

''شاہ صاحب۔! دراصل آپ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ حصار کسے کہتے ہیں اور آزادی کیا ہوتی ہے۔آپ بنیادی فکر نہیں رکھتے۔ مجھے افسوس ہے۔''

''اب آپ بات کو بدل رہی ہیں۔ میں اگر آپ سے یہ کہوں کہ آپ مجھے ابھی کچھ دیر بعد فلاں پارک میں ملیں تو کیا آپ مل پائیں گی؟''

''وہ میں نے آپ سے پہلے کہا ہے کہ کس لئے؟''

''میں اپنے دل کا حال کہنا چاہتا ہوں۔آپ کو سامنے بٹھا کر۔۔۔اور آپ ہیں

کہ شرط رکھ رہی ہیں۔ کیونکہ آپ آنہیں سکتیں۔ یاد کریں میری عیادت کرنے آپ کس لئے نہیں آسکیں؟''

''چلیں ٹھیک ہے، بتائیں، مجھے آپ سے کہاں ملنا ہے۔میں آجاتی ہوں۔۔۔''

''یہ تو آپ ضد میں کہہ رہی ہیں نا۔۔۔''

''نہیں۔!ایک بات آپ کی میرے ذمے ہے۔میں وہ آپ کو ضرور بتانا چاہوں گی۔ وہ مجھ پر قرض ہے۔میں منتظر تھی کہ وہ بات جاننے کے لئے آپ میں خواہش پیدا ہو، مگر لگتا ہے آپ اسے جان بوجھ کر نظرانداز کر رہے ہیں۔''

''نہیں۔!میں نظرانداز نہیں کر رہا ہوں۔مگر سچی بات یہ ہے کہ مجھے نہیں یاد۔''

''تو پھر یاد کریں اور اگر یاد آجائے، آپ کے دل میں خواہش ہو تو۔۔۔''

''نہیں یہ شرط نہیں۔میں اپنے دل کا حال بتانا چاہتا ہوں۔۔۔کسی ایسی جگہ جہاں کوئی دوسرا نہ ہو۔۔۔''

''سوری شاہ جی۔!میں ایسا نہیں کرسکتی۔''

''ایک طرف آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ آپ مل سکتی ہیں۔دوسری طرف نہیں مل سکتی۔۔یہ کیا ہے؟ مجھے بتاؤ شبانہ آخر کیا خوف ہے۔۔۔اتنا متضاد بیان ہے آپ کا۔''

''دیکھیں شاہ جی میری اپنی حدود ہیں۔۔اور میں۔۔۔''

''آزادی نہیں ہے نا۔۔۔ مان لو کہ ملائیت کے حصار میں جکڑی ہوئی ہو۔اس نے ایک خاص سانچے میں آپ کو ڈھال دیا۔یہاں تک کہ دوسرے انسانوں کو بھی آپ ایک خاص معیار پر پرکھتی ہیں۔آپ کے نزدیک میں بہت برا ہوں۔میں بھی اگر وہ سب کچھ کرلوں جو آپ کے ہاں معیار سمجھا جاتا ہے اور میرے دل میں دھوکہ اور منافقت ہو تو پھر۔۔۔کیا یہ اچھائی نہیں ہے کہ میں منافقت نہیں کر رہا ہوں جیسا ہوں، ویسا بتاتا ہوں۔۔''

''بے شک ایسا ہی ہوگا۔آپ منافق نہیں ہیں تو اچھی بات ہے۔لیکن میں نے کب کہا، آپ برے انسان ہیں۔یقین جانیں میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں اور۔۔۔''

''کیا واقعی شبانہ آپ مجھ سے پیار کرتی ہو؟''

''اس کا یہ ثبوت ہے کہ میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔آپ کے لئے میرے دل میں نرم گوشہ ہے۔''

"حیرت انگیز۔! میں تو آج تک یہی سمجھتا رہا ہوں کہ آپ مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔"

"نہیں، میں کسی انسان سے نفرت نہیں کرتی۔۔۔"

"تو پھر۔۔مجھ سے ملو گی۔۔۔۔"

"بولیں، کہاں ملنا ہے۔۔۔"

"میں بتاؤں گا۔ہم آج کل ہی میں ملتے ہیں۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔"

پھر الوداعی جملوں کے تبادلے کے بعد فون بند ہو گیا۔زرق شاہ کے من میں خوشی تھی۔وہ سوچ رہا تھا کہ عورت چاہے اوپر سے جتنی مضبوط ہو لیکن اندر سے وہ موم ہی ہوتی ہے۔جس شے سے وہ پگھلتی ہے، وہ سب کچھ اس کے پاس ہے۔ بلاشبہ وہ اس کی وجاہت سے متاثر ہے۔اسے امید ہو گئی تھی کہ دیر تو ہو سکتی ہے لیکن شبانہ آخر اس کی بانہوں میں آکر رہے گی۔آج اس نے اپنے پیار کا اقرار کیا ہے۔میرے دل کی بات سنے بغیر، کل وہ محبت کی دعوے دار بھی ہو گی۔سیندھ لگ چکی ہے۔بس یہ ملائیت کا حصار کچھ دن میں ٹوٹ جائے گا اور پھر کوئی بھی اسے انتقام لینے سے نہیں روک پائے گا۔

❁.......❁.......❁
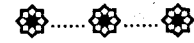
سعدیہ کے گھر والے حیران تھے کہ اس لڑکی کو آخر ہو کیا گیا ہے۔ہر وقت اپنے کمرے میں گھسی کتابیں پڑھتی رہتی ہے۔گاہے بگاہے اسے نماز پڑھتے بھی دیکھا گیا۔یہاں تک کہ اس نے اپنے سارے کپڑے اٹھا کر دے دیئے اور نئے کپڑے سلوا لئے۔ وہ حجاب پہننے لگی تھی۔ان کے ماحول میں یہ کوئی معمولی تبدیلی نہیں تھی۔گھر میں ہونے والی چہ میگوئیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔سعدیہ ان سے باخبر تھی مگر اس نے کبھی بات نہیں کی تھی۔ یہ تبدیلی ایک دم نہیں، آہستہ آہستہ آئی تھی۔اس کی شبانہ سے جب بات ہوئی تھی۔تب اس کے بعد اس نے بہت سوچا بلاشبہ اس کے اندر ایک ایسی عورت ضرور تھی۔جیسے اپنی نسائیت کا لاشعوری احساس تھا۔ممکن ہے وہ ایسا شعور قبول ہی نہ کرتی اگر اسے اپنی نسائیت کا ادراک نہ ہوتا۔آخر عقل کہتے کسے ہیں۔قوت ادراک ہی کا نام تو عقل ہے۔وہ اس راز کو پا گئی تھی کہ عورت کا اصل جوہر کیا ہے۔

ایک شام جب سارے گھر والے لان میں جمع تھے۔وہ عصر پڑھ چکی تھی۔تب

ملازمہ اسے بلانے کے لئے آ گئی۔وہ کچھ دیر بعد لان میں گئی تو سبھی وہاں موجود تھے۔اس کی بہن ، بھائی، ماما اور پاپا ، سامنے میز پر شام کی چائے کے لوازمات رکھے ہوئے تھے۔اس کے آتے ہی چائے سرو ہونے لگی۔تبھی اس کے بھائی نے کہا۔

"سعدیہ۔!یہ تم میں تبدیلی کیوں آ رہی ہے۔۔۔"

وہ اس سوال کی توقع کر رہی تھی۔اس لئے چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی پھر بڑے سکون سے بولی۔

"اس لئے کہ یہ مجھ میں ہونا چاہیے۔میں بڑی ہوں اور چاہوں گی کہ تم دونوں بھی ایسی تبدیلی اپناؤ۔"

"آخر کیوں۔۔۔؟ہم کیوں ایسی تبدیلی اپنائیں جو ہمیں پچھلے دور میں لے جائے۔ ہماری آزادی ختم ہو کر رہ جائے۔ہم خواہ مخواہ کی مشکلات میں پھنس جائیں۔"اس نے بحث کرنے والے انداز میں کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ میں حجاب پہننے لگی ہوں تو میں معاشرتی طور پر پیچھے رہ جاؤں گی۔"اس نے تحمل ہی سے پوچھا۔

"ایسا ہو گا ہی،ہم ایک خاص طبقے میں شمار کر لیے جائیں گے۔۔۔پوری دنیا میں حجاب کی مخالفت ہو رہی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شدت پسند مسلمان کی نمائندگی کر رہے ہیں۔"وہ بولا۔تو ماما نے کہا۔

"ظاہر ہے جب تمہاری بہن بیاہ کر کسی یورپی ملک میں جاتی ہے۔تب وہاں یہ اس کا حجاب تو نہیں چلے گا۔پہلے ہی اس نے ہمارے لئے بہت مشکل پیدا کر دی ہے۔"

"ماما۔! مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ آپ کے لئے میں مشکل کا باعث ہوں یا حجاب؟"

"پہلے تو میں تمہیں ہی سمجھتی تھی۔مگر یہ جو اب تم نے حجاب لیا ہے۔اس سے تو تم نے میری مشکل حد درجے بڑھا دی ہے۔"ماما نے غصے ملی تشویش سے کہا۔

"میں سمجھی نہیں ماما،آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"سعدیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم کبھی بھی نہیں سمجھی ہو۔ہمارا کہا تمہاری سمجھ میں آتا ہی نہیں۔"ماما نے غصے میں اونچی آواز سے کہا۔

"ماما آپ سمجھائیں تو میں سمجھوں گی، ایسے۔۔۔"اس نے کہنا چاہا تو وہ مزید

بھڑکتے ہوئے بولیں۔

''اتنا اچھا رشتہ تھا ناصر جمال کا۔ہم دو بہنیں بھی ملتی رہتیں اور تم ساری زندگی عیش کرتی۔یورو، پاؤنڈ اور ڈالر تمہارے آگے پیچھے ہوتے۔لوگ تو ترستے ہیں ایسے رشتے کو اور تم نے پتہ نہیں کیا اوٹ پٹانگ باتیں کہیں اور انہوں نے رشتہ ہی نہیں کیا۔اور اب یہ حجاب۔۔اب خاندان میں تو تمہارا رشتہ ہونے سے رہا۔کیا یہ میرے لیے مشکل نہیں ہے؟''

''اوہ۔!تو یہ بات تھی۔۔۔''سعدیہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''تمہاری نگاہ میں یہ کوئی بات ہی نہیں ہے۔''وہ ایک دم غصے میں بولیں۔تو اس کے پاپا نے دھیمے سے کہا۔

''بیگم۔!سکون سے بات کرو۔اس میں اتنا اونچا بولنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''آپ اس سے نہیں پوچھتے۔آخر یہ کہاں سے تربیت لے رہی ہے۔خود تو مشکل میں پڑی ہوئی ہے۔سارے گھر کو مشکل میں ڈال دے گی۔پورے خاندان میں مذاق بن جائیں گے۔''ماما نے پہلے سے کم آواز میں لیکن اسی طرح غصے میں کہا۔تو اس کے پاپا نرم انداز میں پوچھنے لگے۔

''سعدیہ۔!بیٹے یہ تم کن لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہو جو تمہیں شدت پسند بنا رہے ہیں۔''

''نہیں پاپا، میں کسی کے چنگل میں نہیں پھنسی ہوں اور نہ ہی میں کوئی شدت پسند ہوں۔میں تو ایک اچھی مسلمان عورت بننے کی کوشش میں ہوں۔''وہ بڑے ادب سے بولی۔

''تیرا مطلب ہے، ہم مسلمان نہیں ہیں؟''اس کی ماما بھناتے ہوئے بولیں۔

''میں نے کب کہا ہے ماما کہ آپ مسلمان نہیں ہیں۔میں تو اپنے بارے میں بات کر رہی ہوں کہ میں اچھی مسلمان عورت بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔''اس نے اپنی ماما کو جواب دیتے ہوئے بات دہرا دی۔

''بیٹی۔!شخصیت میں کچھ ایسے اشارے ہوئے ہیں جو کسی مخصوص ٹولے کی نشاندہی کر رہے ہوتے ہیں۔اس میں یہ ایک حجاب بھی ہے۔اس سے شدت پسند ہونا ظاہر ہوتا ہے۔''اس کے پاپا نے دلیل دی۔

''مجھے یہ نہیں پتہ پاپا کہ حجاب سے شدت پسندی ظاہر ہوتی ہے یا نہیں۔مگر میں

جانتی ہوں کہ اگر کسی کو حجاب سے چڑ ہے تو اسے سب سے زیادہ تکلیف ہے،تو ہو۔یہ میرا مذہبی فریضہ ہے۔میں اسے اپناؤں گی۔''سعدیہ نے دھیمی آواز اور حتمی لہجے میں کہا۔

''کیوں۔!تم کیوں اپنانا چاہتی ہو۔جبکہ اسی سے ہمارے لیے مشکلات پیدا ہوگئیں ہیں۔۔۔''ماما نے تیز لہجے میں کہا تو وہ بولی۔

''ماما۔!آپ کو فقط اپنی مشکل کی فکر ہے۔جبکہ مجھے آخرت کی فکر لاحق ہے۔میں پھر کہوں گی کہ مسلمان عورتوں کے لئے حیا دار لباس پہننا دینی فریضہ ہے۔میرا لباس ظاہر کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میں توقع کرتی ہوں کہ میرے ساتھ باعزت سلوک کیا جائے۔میں اپنے آپ کو آلودہ نگاہوں سے بچانا چاہتی ہوں۔۔۔''وہ بڑے سکون سے بولی تو اس کے پاپا نے بڑی خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا۔تب وہ اپنے پاپا کی جانب دیکھ کر بولی۔''مغرب کے لوگ حجاب کو ایک اسلامی علامت کے طور پر خیال کر رہے ہیں۔کچھ لوگ اسے آزادی کے منافی بھی خیال کر رہے ہیں۔کیا آزادی یہ ہے کہ منی سکرٹ کو مزید چھوٹا کر لیا جائے یا پھر ہر طرح رکاوٹ سے آزادی حاصل کر لی جائے۔''

''کیا تم کچھ زیادہ نہیں بول رہی ہو۔چند دن پہلے تم بھی تو ایسے ہی کپڑے پہنتی تھی۔''اس کی بہن نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''میں غلطی پر تھی۔اب اگر مجھے سدھرنے کا موقعہ مل رہا ہے تو کیوں روکا جا رہا ہے مجھے۔میں تمہیں بھی کہتی ہوں ۔ پردہ ایک اچھے کردار کی علامت ہے تاکہ پہچان لی جائیں کہ یہ اچھے کردار کی مسلمان عورتیں ہیں۔ اسلام میں برتری کی بنیاد فقط یہی کردار ہے۔خوبصورتی،طاقت،عہدہ، دولت وغیرہ کچھ نہیں۔''وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''میں یہ تو جانتی ہوں لڑکی،اب تمہارا رشتہ میں کم از کم اُن رشتے داروں کے ہاں نہیں کرسکتی جو یورپ میں رہتے ہیں۔مجھے تمہارا یہیں کہیں رشتہ دیکھنا ہوگا۔''اس کی ماما نے کہا۔

''وہی یورپ جن کے پاس دولت تو ہے لیکن وہ آج بھی وہی جاہل کے جاہل ہیں جو صدیوں پہلے تھے۔جو اپنی صدیوں کی تاریخ رکھنے کے باوجود بھی اخلاقیات سے عاری ہیں۔میں مانتی ہوں کہ مجھے بھی پہلے اسلام کے بارے میں اتنا معلوم نہیں تھا۔میں بھی مغربی مفکروں کے حقوق نسواں کے دھوکہ میں تھی کہ مسلمان اپنی عورتوں کو مارتے پیٹتے ہیں۔میں نے چند دن پہلے ہی یورپ اور امریکہ کے بارے میں نیٹ پر سروے کیا ہے۔جتنا جنسی

تشدد، جبر وہاں ہوتا ہے اسلامی دنیا میں نہیں ہوتا۔ وہاں عورت سب سے زیادہ مظلوم ہے۔''
سعدیہ نے نرم لہجے میں کہا۔

''کیا مظلوم ہے وہاں عورت، وہاں پر تو صحیح معنوں میں عورت کو اس کا حق دیا جاتا ہے۔'' اس کے بھائی نے حیرت سے یوں کہا جیسے وہ کسی ایسی عورت سے بات کر رہا ہو جیسے کچھ بھی معلوم نہیں۔

''یہی نا کہ ماں، بیٹی، بیوی، بہن، جیسے رشتے کی کوئی قدر یا عزت نہیں رہی۔ وہاں کی عورت جوانی میں مردوں کی تفریح کا باعث بنتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے روزگار کا بھی انتظام خود کرتی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہاں کا خاندانی نظام ختم ہو چکا ہے۔ عورت اپنی ماتا کو اپنے ہی سینے میں دفن کر کے اپنے بچوں سے بے نیاز رہنے پر مجبور ہے۔ اور بڑھاپا، لاچاری اور بے بسی میں گذار رہی ہے، یہ ہے عورت کی آزادی؟'' وہ سانس لینے کی لئے رکی اور پھر کہنے لگی۔ ''اور وہاں کا معاشرہ۔! حرامی بچوں کی غیر معمولی کثرت، طلاق کی بھرمار، بے شمار جنسی بیماریاں، نفسیاتی مسائل سے نبردآزما عورتوں کی خودکشی، خاندان کی ابتری، وہ تو حیوانوں کی سطح سے بھی گر گئے ہیں۔ کیا یہ عورت کی آزادی ہے یا انسانیت کے لئے بدترین سرطان۔۔۔ اور آپ ماما! مجھے اس معاشرے میں بھیجنا چاہتی ہیں۔''

''تمہارے دماغ پر نجانے کس نے پردہ ڈال دیا ہے۔ زندگی سنور جائے گی تمہاری۔۔۔'' اس کی ماما نے نخوت سے کہا

''مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے جہاں عورت کی تذلیل ہوتی ہو۔ مغربی معاشرہ اپنی عورت کو حیوانی سطح پر لا کر ذلیل کر چکا ہے۔ مغربی مفکر جو اسلامی دینا کی مظلوم عورت کے غم میں گھلے جا رہے ہیں۔ پہلے اپنی عورت کو تو احترام دیں۔ کیا انہیں نہیں معلوم اللہ کے نبی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے عورت کو وہ حقوق دیئے ہیں جو آج تک کوئی معاشرہ نہیں دے سکا۔ وہ تو چاہیں گے کہ ساری دنیا ان کے جیسی ہو جائے۔ اسلامی دنیا میں عورت کو ٹارگٹ بنا کر اس سے حیا چھین لینا چاہتے ہیں۔ آپ ماما! میرے بارے میں فکرمند نہ ہوں۔ انشاءاللہ میرا اللہ میرے ساتھ بہت اچھا کرے گا۔'' سعدیہ نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اگر تمہارا معاملہ تم پر چھوڑ بھی دیا جائے تو اس کے اثرات ہمارے خاندان پر پڑیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ ہمارا تاثر شدت پسند والا بن جائے۔ لہٰذا یہ حجاب وغیرہ ختم

کرو اور سیدھے سیدھے۔۔۔''

''میں حجاب ختم نہیں کر سکتی۔'' سعدیہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔ تو اس کے پاپا نے بڑے پیار سے سمجھایا۔

''بیٹی۔! میں چاہتا ہوں کہ تم بہت ترقی کرو، آگے بڑھو۔ اس حجاب کی وجہ سے تمہاری آزادی محدود ہو کر رہ جائے گی۔ نہ تمہارا معاشرتی رابطہ رہے گا اور نہ ہی تم ترقی کر پاؤ گی۔ تمہارے ساتھ امتیازی سلوک ہوگا۔ تم میڈیا کی تعلیم حاصل کر چکی ہو۔ دنیا کے ان مراکز میں جاؤ جہاں سے علم ملتا ہے۔ اور کچھ کر کے دکھاؤ۔ کیا تم اپنی تعلیم یونہی ضائع کر دو گی۔۔؟''

''پاپا۔! اگر حجاب نہ پہننا ترقی ہے اور اس سے معاشرتی رابطہ نہیں رہتا تو ٹیلی فون، فیکس، ڈاک، ای میل اور ریڈیو پر چہرہ دکھائی نہیں دیتا۔ اسے تو اب تک ختم ہو جانا چاہیے۔ میں نے میڈیا کی تعلیم حاصل کی ہے تو انشاءاللہ میں اس میں اپنی بساط بھر کچھ نہ کچھ تو کروں گی۔ اسلام عورت کو گھر کی چاردیواری میں قید نہیں کرتا اور نہ ہی بے لگامی دیتا ہے کہ تم جو چاہو سو کرو۔''

''لیکن حجاب کرنے والے طبقے میں عورت محدود ہے۔ انہیں تو گھر کی چاردیواری میں قید رکھا ہوا ہے۔ کیا تم اس سے انکار کر سکتی ہو'' اس کے بھائی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں تمہاری بات سے انکار نہیں کرتی، ممکن ہے تم درست کہہ رہے ہو۔ لیکن۔! اسلام عورت کو علم و فنون حاصل کرنے اور معاشرتی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ گھروں سے نکلنے، علمی مجالس میں، قومی درس گاہوں میں، مساجد کی جماعتوں میں، جہاد و غزوات میں، درس و تدریس میں مسلمان عورت کی عظیم تاریخ رہی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا درس جامع عالم ہے۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ اور حضرت نائلہؓ کی تقریریں، بنی عباس کے دور میں آئیں تو ام الفضل ریاضی و ہیت میں کمال درجہ رکھتی تھیں۔ خلیفہ مامون الرشید کی بیوی بوران، یونانی، لاطینی اور عربی زبانوں اور فلسفہ کی ماہر، علم ہیت اور اجرام فلکی کی ماہر۔ جس کی اپنی درس گاہ تھی اور۔۔۔''

''ہم موجودہ دور کی بات کر رہے ہیں۔۔۔'' اس کے بھائی نے ٹوک دیا۔

''اس دور میں جہاں مسلمانوں کی اپنی کمزوریاں ہیں۔ وہاں غیر مسلم اس کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے پاپا کی جانب دیکھا اور بولی۔ ''پاپا! میں نے میڈیا

کی تعلیم حاصل کی ہے تو میرا حق بنتا ہے کہ ایک مسلمان عورت ہونے کے ناطے ، مسلمان عورت کے خلاف جو زہر اگلا جا رہا ہے ، اس کی درست تصویر پیش کروں۔ سامراجی قوتوں نے جو ہمارے گھروں میں نقب لگائی ہے۔ عورت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ میں اپنی بساط بھر کوشش کروں۔ خدا کے لیے آپ میرا ساتھ دیں۔ میں کم از کم ان عورتوں کو تو بتا سکوں جو اسلامی اقدار وروایات کو سینے سے لگائے ، اپنی اگلی نسل کو اسلامی رنگ میں پروان چڑھا رہی ہیں۔“

”کیسی فلسفیانہ باتیں کر رہی ہو، بےعملی والی بات کیوں کرتی ہو؟“ اس کے پاپا نے کہا

”نہیں پاپا، آج بھی ایسی عورتیں موجود ہیں جو اپنی جان کا نذرانہ دے کر اس دینی فریضے کی پاسداری کر رہی ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں، جرمنی کے شہر ڈریسڈن میں مصری خاتون مروہ الشربینی۔ اس کا پڑوسی ایگول ڈبلیو اس حجاب پہننے پر طنز کا نشانہ بناتا اور اسے ہراساں کرنے کی کوشش کرتا۔ عدالت نے ایگول کے رویے کو متشددانہ قرار دے کر جرمانہ کر دیا۔ اس پر ملزم نے اپیل کی۔ پیشی کے دن عدالت نے مروہ کو بیان دینے کے لئے روسٹروم پر بلایا۔ تب جنونی ایگول نے خنجر سے یکے بعد دیگرے اٹھارہ وار کئے جس سے وہ شہید ہو گئی۔“

”عدالت کو کیا معلوم کے ایگول کیا ارادہ رکھتا ہے۔“ اس کے پاپا نے کہا

”عدالت میں مروہ کا شوہر عکاظ علوی اور کمسن بچہ بھی موجود تھا۔ مروہ خود چار ماہ کی حاملہ تھی۔ عکاظ علوی اپنی بیوی کو بچانے کے لئے لپکا۔ قاتل نے اس پر بھی وار کیا۔ سیکورٹی اہلکاروں نے قاتل کو پکڑنے کی بجائے عکاظ علوی کو گولی مار کر زخمی کر دیا۔ کمسن بچے کے سامنے اس کے ماں باپ خون میں لت پت ہیں، وہ چیخ رہا ہے۔ کس نے ان کی مدد کی؟ اس لئے کہ وہ مسلمان تھے؟ یہ ہے مغرب کا انصاف اور عورت کی آزادی؟“

اس کی بات پر کوئی نہیں بولا، تو اس نے کہا

”عینی شاہدین کے مطابق، قاتل مروہ کے سر سے اسکارف اُتار کر اسے بھری عدالت میں ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ مروہ نے اپنی آخری سانسوں میں یہ کوشش کی کہ اس کا اسکارف نہ اترنے پائے۔ قاتل خنجر سے وار کرتا رہا اور مروہ الشربینی نے اپنے کردار سے

شہادت دے دی۔ وہ شدت پسند نہیں، عدالت کے سیکورٹی اہلکار اور ایگول کے علاوہ جرمن حکومت شدت پسند ہے۔ جنہوں نے انصاف کی بجائے اس واقعے پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ مروہ الشربینی تو شہادت پا کر ثابت کر گئی کہ اس نے فرمان رسول ﷺ اور سنتِ سیدۃ الزہرہؓ کی پاسداری کی۔ اور آپ مسلمان ہو کر مجھے حجاب سے روک رہے ہیں۔“

”تمہارے ارادے بہت خطرناک ہیں لڑکی۔۔۔“ اس کی ماما نے حیرت اور تشویش سے کہا۔

”لیکن میں فیصلہ کر چکی ہوں۔“ اس نے حتمی انداز میں کہا۔

”تم جب پابندیوں میں رہ کر، اسلامی شدت پسندوں کے ہاتھوں آنسو بہاؤ گی تب تجھے سمجھ آئے گی کہ تم کن لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔“ اس کی ماما نے دکھ سے کہا۔

”بیگم۔! اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ فی الحال یہ برین واش ہو چکی ہے۔ اسے سمجھانا پڑے گا۔ تم ان لوگوں کو تلاش کرو جو اسے گمراہ کر رہے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں۔“ اس کے پاپا نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور اٹھ گئی۔ ان سب کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔ تبھی اس کا بھائی بھی اٹھ گیا۔ جبکہ سعدیہ سوچ رہی تھی کہ میں ایک مسلم معاشرے میں اس قدر تنقید کا شکار ہو رہی ہوں۔ آفرین ہے ان عورتوں پر جو مغربی معاشرے میں رہ کر حجاب کی پابندی کر رہی ہیں۔ بلاشبہ وہ زیادہ مضبوط ایمان کی عورتیں ہیں۔

۞......۞......۞

شبانہ وقار اس پارک میں پہنچ گئی جہاں زرق شاہ نے اسے بلایا تھا۔ وہ وسیع و عریض پارک تھا۔ اس نے لائبریری کے سامنے گاڑی پارک کی ہی تھی کہ اس کی نگاہ زرق شاہ پر پڑی۔ وہ اپنی گاڑی میں سے بیساکھیوں کے سہارے اتر رہا تھا۔ اس کا ڈرائیور اسے اترنے میں مدد دے رہا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ زرق شاہ وہاں سے ایک جانب چل پڑا۔ شبانہ نے گاڑی لاک کی اور اس کے پیچھے پیچھے جانے لگی۔ وہ ایک گھنے پیڑ کے نیچے رک گیا، جس کے نیچے اردگرد لکڑی کا بینچ بنا ہوا تھا۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ شبانہ اس کے پاس پہنچ گئی۔ زرق شاہ نے اسے خوشگوار حیرت سے دیکھا پھر علیک سلیک کے بعد وہ آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ یوں میرے سامنے ہیں۔ لگتا ہے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔“ زرق شاہ نے اپنے لہجے کو جذباتی بناتے ہوئے خوشگوار انداز میں کہا۔

"لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں آپ کے سامنے ہوں۔" شبانہ نے نرم لہجے میں کہا۔

"کہاں سامنے ہیں۔ آپ کو دیکھنے کے لیے تو میں ترس گیا ہوں۔" وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"یہی اس حجاب کا منشاء و مقصود ہے کہ آلودہ نگاہوں سے محفوظ رہا جائے۔" اس نے نہایت سکون سے کہا۔

"تو۔۔!" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر لمحہ بھر تاخیر سے بولا۔ "شبانہ، میں نے جب سے آپ کو دیکھا، تب سے آپ میرے ذہن ہی میں نہیں، من میں بھی سما گئی ہیں۔ جبکہ مجھے یہ تک خبر نہیں کہ میرے لئے آپ کے دل میں کوئی نرم گوشہ بھی ہوگا؟" وہ پھر اسی حسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"نرم گوشہ ہے تو میں آپ کے پاس یوں بیٹھی ہوں۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اجنبیت ہے؟" وہ بولی۔

"نہیں، اجنبیت نہیں، لیکن جب من میں پیار سما جائے، محبت بے چین کردے اور پھر نارسائی ہو، تب کرب انگیز کیفیت کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔" وہ اپنے احساس بیان کرتے ہوئے بولا۔

"تو گویا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" شبانہ کے اطمینان سے کہا۔

"کوئی شک نہیں، یہ نارسائی اس طرح رہی تو یہ محبت عشق میں بدل سکتی ہے۔" وہ عزم سے بولا

"تو آپ نے مجھے یہاں اس لئے بلایا ہے کہ اپنی محبت کا اظہار کرسکیں؟" اس نے پوچھا۔

"اپنا حال بیان کررہا ہوں۔" وہ درد انگیز لہجے میں بولا۔

"دیکھیں شاہ جی۔! میں ایک لڑکی ہوں۔ ظاہر ہے میری شادی ہوگی۔ اور یہ حق میرے والدین کا ہے کہ وہ میرے لیے کیسا شوہر تلاش کرتے ہیں۔ مجھے ان پر اعتماد ہے۔ مجھ تک رسائی کا واحد طریقہ یہی ہے۔" شبانہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

"تو آپ اعتراف کررہی ہیں کہ آپ کی کوئی مرضی نہیں۔ آپ کی پسند و ناپسند کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی جاتی۔ وہی چاردیواری میں قید رکھنے والے شدت پسند۔۔۔" وہ کہہ

رہا تھا کہ شبانہ نے ٹوک دیا۔

"نہیں شاہ جی، ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ حق میرے والدین کا ہے۔ وہ میں انہیں دینا چاہتی ہوں اور میرا یقین ہے کہ وہ میرے لیے جو کریں گے بہتر کریں گے۔"

"کوئی دشمن اگر آپ سے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت رائیگاں جائے گی؟" اس نے پوچھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔! محبت تو رائیگاں نہیں جاتی۔" اس نے جذب سے کہا

"جو راستہ آپ نے مجھے بتایا۔ اس راہ پر چلتے ہوئے تو میں کبھی آپ کو حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ جو بیساکھیاں میرے پاس ہیں، یہ کسی حادثے کی وجہ سے نہیں، آپ کی دی ہوئی ہیں۔ میں نے آپ سے شکوہ یا شکایت اس لئے نہیں کی کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔"

وہ جذباتی انداز میں بولا

"میں نے کیسے دیں یہ بیساکھیاں۔۔۔؟" اس نے حیرت سے پوچھا تو وہ انتہائی جذباتی لہجے میں بولا

"آپ کے بھائی نے چند غنڈوں کو بھیجا۔ اب میں انہیں غنڈے بھی نہیں کہہ سکتا۔ وہ آپ کی جاسوسی کرتے ہیں۔ نگرانی کرتا ہے۔ آپ جو آزادی کی بات کررہی ہیں وہ سراسر غلط ہے، جھوٹ ہے، میں کیسے مان لوں"

"کیا یہ۔۔۔انہوں نے۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں۔! نہیں یقین، تو پوچھ لیں ان سے۔ تصدیق کرلیں۔ اب وہ کسی قیمت پر آپ تک رسائی نہیں دیں گے۔ کس آزادی کی بات کررہی ہیں آپ؟" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ایسا اگر انہوں نے کیا ہے تو غلط کیا ہے۔ انہیں کم از کم مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔" وہ دکھ سے بولی۔ "لیکن۔! میرے بھائی کا جو فرض تھا۔ اس نے نبھایا۔ مجھے بتائیں انہیں اور کیا کرنا چاہیے تھا؟"

"اگر میں مجرم تھا۔ مجھے سزا دینا تھی تو اتنی گنہگار آپ بھی تھیں۔ میں نے کوئی دست درازی نہیں کی تھی جو مجھے جان سے مار دینے والا معاملہ کیا گیا۔ آپ سے کیوں نہیں بازپرس ہوئی؟ یہ ناانصافی ہے۔۔۔ میں کہتا ہوں میرا جتنا جرم بنتا اتنی ہی سزا ملتی۔۔۔" اس کے لہجے میں احتجاج بھرا ہوا تھا۔

''میں خود کو سزا کے لئے پیش کرتی ہوں۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

''میں بھلا آپ سے کیا کہہ سکتا ہوں۔۔۔کوئی اپنی محبت کے لئے بھی سزا تجویز کرتا ہے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ لہجے میں جہاں بھر کا پیار سمٹا ہوا تھا۔

''محبت ۔! شاہ جی ، میں جانتی ہوں کہ محبت کیا ہوتی ہے اور عشق کس کا نام ہے۔ یہ جس محبت وغیرہ کی باتیں آپ کر رہے ہیں ۔ یہ سب فضول ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ حیا کی حد کیا ہے اور کہاں سے فحاشی شروع ہوتی ہے۔ میں دعویٰ سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ عشق و محبت کے ابجد سے بھی نہیں واقف۔'' وہ انتہائی جذباتی لہجے میں بولی۔

''میں محبت سے نہیں واقف۔۔۔؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں ۔! آپ نہیں ہیں واقف۔ خیر۔! بتائیں، آپ نے مجھے یہاں پر کس لئے بلایا ہے۔۔۔؟'' اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے شبانہ کا یوں جھٹک دینے والا انداز بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

''ہاں ۔! آپ کے کہنے کے مطابق، میں نے پہلی ملاقات کو یاد کیا، مجھے یاد آ گیا، ایک سوال باقی ہے۔ جس کے بارے میں آپ نے کہا تھا جب چاہوں، جہاں چاہوں بات کر سکتا ہوں۔'' اس نے مرجھاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بھلا کیا کہا تھا میں نے۔۔۔؟'' شبانہ نے دہرانا چاہا تو زرق شاہ نے یوں پوز کیا جیسے یاد کر رہا ہو۔ حالانکہ یہی تو وہ الفاظ تھے جن کی چبھن سے وہ اس حال تک پہنچا تھا۔ یہی کرب اسے انتقام پر اکساتا تھا۔ وہ الفاظ وہ کیسے بھول سکتا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ بولا۔

''ہاں۔! یاد آیا۔۔۔آپ نے کہا تھا۔ آپ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ کیا کبھی آپ نے غور کیا کہ آپ کی نسبت اسلامک کلچر سے بنتی بھی ہے یا نہیں۔ اگر آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کس ثقافت سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ جہاں چاہیں، میں اس پر بات کرنے کے لئے تیار ہوں ۔ میں نے جو نقاب لیا ہے تو کم از کم میں اپنی نسبت سے منافقت نہیں کر رہی۔۔۔ فیصلہ آپ کر لیجئے۔۔۔''

''تو شاہ جی۔! آپ کو اب تک پتہ نہیں چلا کہ آپ کی نسبت اسلامک کلچر سے بنتی بھی ہے یا نہیں۔ اور آپ کون ہیں؟ اس نے انتہائی نرم انداز میں کہا۔

''میرے خیالات تو آپ کو معلوم ہو گئے تھے۔ آپ بتائیں؟'' وہ اس کی جانب

غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''شاہ جی۔! آپ سیّد ہیں اور آپ کی نسبت ہندوستانی ہے یا اسلامی کلچر والے لوگوں سے۔۔۔آپ کے آباء واجداد ہندو تھے یا وہ لوگ جن کی وجہ سے اسلامی کلچر بنا؟''

''اُوہ۔! ظاہر ہے ہم آل رسولؐ میں سے ہیں۔۔۔'' وہ بری طرح چونکتے ہوئے بولا۔ شبانہ خاموش رہی کہ وہ اس لمحے سوچ لے جو سوچ سکتا ہے۔ تب اس نے کہا۔ ''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہماری معاشرت ،اب ہم جو یہاں رہ رہے ہیں، ہمارا وطن ، ہمارا کلچر تو یہی ۔۔۔'' وہ کہتے کہتے ڈگمگا گیا۔

''آپ جانتے ہیں نسبت کیا ہوتی ہے؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہی شبانہ۔۔۔میں سیّد فیملی سے متعلق ہوں اور میری نسبت اس آل سے بنتی ہے۔'' وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔

''تو کیا پھر آپ اپنی نسبت سے منافقت نہیں کر رہے ہیں۔ اب یہ سوچنا یا نہ سوچنا آپ کا کام ہے۔ ہاں میں آپ کو اتنا بتا دینا چاہتی ہوں ، میں اپنی نسبت سے منافقت نہیں کر رہی ہوں۔۔۔میری نسبت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے ہے۔ میری نسبت خاتون جنت فاطمہ الزہرہؓ سے ہے۔ میری نسبت اس خاتون حضرت سمعیہؓ سے جو پہلی شہید خاتون ہیں۔ دنیا کی ہر عورت ان جلیل القدر عظیم خواتین سے اپنی نسبت بنا سکتی ہیں۔ اصل میں یہ نسبت ہے کیا۔ یہ کوئی خاندانی وراثت نہیں ، وہ عظیم سوچ و فکر ہے، جس نے اپنائی ، اسی کی نسبت ہو گئی۔ کیونکہ اسلام ذات پات ،رنگ و نسل ،عربی و عجمی ،امارات وغیرہ کے سارے بت پاش پاش کرتا ہے تو فقط اسی ایک سوچ و فکر کے لئے۔ اور میں اس گئے گذرے دور میں اسی نسبت کو اپنائے ہوئے ہوں۔۔۔'' شبانہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں شبانہ۔۔۔میں ۔۔۔تو۔۔۔'' زرق شاہ بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔

''آپ تو آل رسولؐ ہیں۔ آپ پر تو یہ ذمے داری بنتی ہے۔ کسی سیّد کی تعظیم اس لیے نہیں کی جاتی کہ وہ ذات کا سیّد ہے۔ کیونکہ یہ تعلیمات قرآن کے عین منافی ہیں۔ قرآن نے کردار کا معیار دیا ہے۔ پھر بھی میں آپ پر دہری ذمے داری مانتی ہوں ۔ آپ کی رگوں میں اس خون کے اثرات تو ہونے چاہیں جس کی نسبت اس جوان سے جا کر ملتی ہے جو اپنے خاندان سمیت کربلا کے میدان میں آ گیا؟ جانتے ہو حسینیت کیا ہے۔۔۔؟''

"کیا ہے حسینیت۔۔۔؟" وہ سرسرایا۔

"امام عالی مقامؓ کا کردار۔! کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ سامنے یزیدیت کا لشکر جرار ہے اور وہ فقط بہتر نفوس پر مشتمل لوگ۔۔۔جنگ بنتی ہی نہیں۔۔۔کیا امام عالی مقامؓ وہاں پر منطق کی کتابیں لے کر گئے تھے؟۔۔۔کوئی فلسفہ بیان کرتے رہے؟۔۔۔نسبتِ رسول ﷺ کا واسطہ دیا۔۔۔لب پر شکوہ و شکایت لائے؟۔۔۔ہاتھ میں تسبیح تھی؟۔۔۔نہیں۔۔۔ایسا کچھ نہیں تھا۔۔۔کیوں گئے تھے وہاں پر؟۔۔۔وہ وہاں پر اپنا کردار لے کر گئے تھے اور قیامت تک اس کردار کو امر کر دیا۔۔۔سوال اب بھی وہیں پر ہے کہ وہ وہاں پر کیوں گئے؟"

"کیوں۔۔۔؟" وہ پھر سرسرایا۔

"اس نسبت کو زندہ و جاوید کر دینے کے لئے جہاں سے عشق کی ابتداء ہوئی ہے۔ بلالؓ حبشی غلام تھے، اسی نسبت کو پا کر سیدنا بلال بن رباحؓ بن گئے۔ کعبہ پاؤں کے نیچے آ گیا۔۔۔یہ ابتداء ہے۔۔۔ساری دنیا ایک طرف۔۔۔صدیق اکبرؓ ایک طرف کہ جو نبی صادق و امینؐ نے فرما دیا، وہی سچ ہے۔ سب کچھ تج دیا۔۔۔عمر فاروقؓ نے تنہا تلوار سونت لی۔ آئے کوئی مقابلے میں۔۔۔ساری دنیا ایک طرف۔۔۔عمر فاروقؓ کی شجاعت ایک طرف۔۔۔عثمان غنیؓ۔۔۔دولت ایک طرف۔۔۔نبی رحمت ﷺ کی محبت ایک طرف۔۔۔حیدر کرارؓ کی رشتے داری ایک طرف۔۔۔ساری دنیا سے لڑنے کی شجاعت ایک طرف۔۔۔الذلفقار ہاتھ میں۔۔۔باب العلم۔۔۔اور انتہا۔۔۔شہید کربلاؓ۔۔۔امام عالی مقامؓ جانتے تھے۔ یزید نماز بھی پڑھتا ہے۔۔۔وہ سب شعائر اپنائے ہوئے ہے لیکن۔۔۔وہ نظام۔۔۔جو اُن کے نانا نبی رحمت ﷺ نے دیا۔۔۔اس نظام سے روگردانی کی تھی یزید نے۔۔۔آپ عالی مقامؓ نے کربلا میں جا کر اپنی نسبت کا اظہار اس طرح کیا کہ اس نظام کے خلاف کردار کو روشن کیا۔ انکارِ حسینؓ کو رہتی دنیا تک مثال بنا دیا۔۔۔بتا دیا کہ نسبت کیا ہوتی ہے۔ آپ تو اس آل سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کو تو حسینیت کا سب سے زیادہ علمبردار ہونا چاہیے تھا۔ اور آپ کیا ہیں؟" شبانہ نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا تو زرق شاہ کا چہرہ کسی تاثر کے بغیر پیلا ہو رہا تھا۔

"اور شاہ جی۔! عشق اسے نہیں کہتے جو آپ کہہ رہے ہیں۔ ابھی تو آپ کو اپنے

آپ کا نہیں پتہ۔ جائیں پہلے نسبت کے بارے میں معلوم کریں۔ پھر پتہ کریں حسینیت کیا ہے۔ اور پھر سمجھ میں آئے گا کہ عشق کیا ہے۔ ہاں اتنا کہہ دوں۔۔۔عشق کا راستہ کربلا سے ہو کر گزرتا ہے۔ اور کوئی بات کرنی ہے آپ نے۔۔۔؟" شبانہ نے کہا تو وہ اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔۔۔ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ تب وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "رابطہ اسی وقت کیجئے گا جب ان کی سمجھ آ جائے۔۔۔"

وہ اٹھی اور اس جانب چل دی جدھر سے وہ آئی تھی۔ اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا کہ زرق شاہ کی حالت کیا ہے۔ اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے عشق میں سرمست تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ زرق شاہ کے قریب سے اٹھ کر اپنی گاڑی تک پہنچنے میں اس کے کتنے آنسو بہے تھے۔ اس کے اندر موجود بغاوت پر آمادہ وہ لڑکی کس قدر شور مچا رہی تھی۔ وہ محبت کی شاہراہ پر بال کھولے بیٹھی بین کر رہی تھی لیکن اپنے مقصد سے عشق کرنے والی شبانہ وقار نے اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ نفسانیت کی تلوار سے اس کا سینہ زخمی ہو رہا تھا۔ دنیا داری اور اس کی لذتوں کے تصورات نے نجانے کتنی بار اس پر حملے کئے تھے مگر وہ اپنی نسبت سے عشق کرنے والی اپنے اندر کے کربلا سے گزر رہی تھی۔

شبانہ کو پوری طرح احساس تھا کہ اس کا حُسن کروڑوں میں اگر نہیں تو لاکھوں میں یکتا ضرور ہے۔ اپنے حسن کی ستائش کون نہیں چاہتا۔ ایک لڑکی کی اس معصوم خواہش سے لے کر اپنی بساط کے مطابق عالمی ہزرہ رسائی کا جواب دینے کے لئے خود کو تیار کر لینے تک کے درمیان میں وہ کتنا سفر کر چکی تھی۔ یہ اسی ایک نسبت کے سہارے ہوا تھا۔ جس کی روح عشق کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا ایک طرف۔۔۔اور اس کا اپنا مقصد ایک طرف۔۔۔یہی روحِ عشق اسے ہر لمحہ، ہر پل آگے ہی آگے چلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ نجانے اس کی راہ میں کوئی اور کربلا کب آ جائے، جو اس کا مقصود تھا۔

❀......❀......❀

زرق شاہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس کی حالت یوں تھی کہ جیسے وہ تو یہاں موجود ہے لیکن اس کی روح نجانے کہاں چلی گئی تھی۔ وہ اندر سے یوں خالی ہو گیا تھا جیسے اس میں کچھ تھا ہی نہیں۔ یوں جیسے کسی نے اس کے اندر کی ساری دنیا میں صور پھونک دیا ہو۔ یا پھر وہ کوئی ایسا محل تھا جس میں فقط ہوائیں سرسرا رہی تھیں۔ کوئی انسانی آواز نہیں

تھی۔اس کی یہ کیفیت اسی لمحے ہوگئی تھی۔جب شبانہ وقار اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھی۔
اسے نہیں معلوم کہ وہ یہاں اپنے کمرے تک کیسے پہنچا تھا۔ایک خلا تھا جو اس کے اردگرد پھیل
گیا تھا۔ جہاں نہ آواز آتی تھی اور نہ ہی کوئی آواز باہر جاتی تھی۔وہ جب بھی کوشش کر کے
کسی سوچ کا سرا پکڑتا اسی لمحے شبانہ کے لفظ بازگشت کی مانند اس کے گنبدِ سر میں گھومنے
لگتے۔ کہتے ہیں کہ جب درد حد سے بڑھتا ہے تو دوا بن جاتا ہے۔وہ اسی کرب ناک کیفیت
میں مبتلا تھا، جہاں احساس شرمندگی اسے مارے ڈال رہی تھی۔وہ کون تھا؟ کیا تھا وہ۔؟ کیا
کرتا پھر رہا تھا وہ؟شبانہ کے دکھائے ہوئے آئینے میں اسے اپنی صورت بہت بھیانک دکھائی
دی تھی۔اس کی نسبت کن سے ہے۔۔۔وہ حسینیت کے ماننے والوں میں سے ہے یا پھر
یزیدیت کی صفوں میں کھڑا ہے؟بے شک امام عالی مقامؓ نے کربلا میں اپنا کردار پیش کر
کے اس نظام کے خلاف مثال بنا دی جو انسانیت کا قاتل ہے۔حسینیت اس انکار کا نام ہے
جس میں وسائل، تعداد، منطقیں تاویلیں، روحانیت کے امتیاز، علم وفضل کے خزانے کچھ
اہمیت نہیں رکھتے۔کربلا میں تو فقط کردار کا سکہ چلتا ہے۔گردن کٹا دینے کا نام حسینیت ہے۔
جہاں زندگی بھی شرمندگی کے ساتھ حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ دوام کردار کو ہے، فلسفے اور
تاویلوں میں نہیں۔امام عالی مقامؓ کے پاس کیا نہیں تھا؟چاہتے تو دنیا کی ہر نعمت ان کے
قدموں میں ہوتی۔ سامنے کا لشکر بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔میدانِ بدر کی مانند فرشتے
وہاں بھی حکم کے منتظر تھے۔لیکن امام عالی مقامؓ ایک انکار کر کے۔۔۔ قیامت تک جہاد کی
فرضیت کا وہ مقام دے گئے، جہاں پر نظام ہائے دنیا اپنی کسمپرسی پر ماتم کناں ہوتا ہے۔یہی
وہ کردار ہے جو زندگی دیتا ہے۔اور زندگی کے ساتھ نسبت رکھنے والوں کو زندگی ملتی ہے۔تبھی
عشق پروان چڑھتا ہے۔

زندگی دوسروں کی عیب جوئی ،انگشت نمائی اور تنقید کا نام نہیں ،اپنی ذات کی
کمزوری کو دور کرنے کا نام ہے۔یہی وہ مقام ہے جب خود احتسابی سے خوش گمانی تک سفر
کی ابتداء ہوتی ہے۔تب حسن اپنی تمام تر رعنائیوں سے آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے۔عقل سوچنے
پر مجبور کرتی ہے کہ اگر حسن ہے تو اس کا تخلیق کار بھی ہوگا۔حسن جب اپنا آپ منواتا ہے تو
حسن کی کشش تخلیق کار کی جانب ضرور آمادہ کرتی ہے۔یہاں اس خیال کی اہمیت فزوں تر
ہو جاتی ہے، جس سے حسن کی دیکھا جاتا ہے اور تخلیق کار کے بارے میں خیالی رویہ کیا ہے؟

یہیں سے خود کو اہل بنانے کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ حسن کی دیکھ سکوں ،حسن کی رعنائی اس
وقت ہی خیال میں سماتی ہے جب خود کو اہل بنا لیا جائے اور یہی خیال ہی اسے حسن تک
رسائی میں مدد دیتا ہے۔تب جا کر زندگی اس اہل ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے ساتھ جڑ کر
حیاتِ جاوداں کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ورنہ صحیفے مُردوں کے لئے نہیں اترا کرتے۔

شام ڈھل رہی تھی۔دوپہر سے لے کر غروب آفتاب تک کوئی بھی اس کے پاس
نہیں آیا تھا۔نہ ہی اس نے کسی کو بلانے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ٹیلی وژن کی سکرین
تاریک تھی۔ سگریٹ کا پیکٹ ویسے ہی پڑا تھا۔اس نے میڈیسن بھی نہیں لیں تھیں۔وہ
صوفے پر بیٹھا خلا میں معلق تھا۔تبھی اس کی بہن فاطمہ کمرے میں آئی۔ وہ ٹین ایج میں
تھی۔اس نے ویسا ہی لباس پہن رکھا تھا جیسے وہ معمول کے مطابق پہنتی تھی مگر اسے بہت
برا لگا۔وہ سخت لفظ کہنے ہی لگا تھا کہ اس کے گنبدِ سر میں لفظ گونج گئے۔کردار۔!اپنے کردار
سے ثابت کرو کہ تم کہاں پر کھڑے ہو۔کچھ بھی کہنا نہ پڑے اور اثر ہو جائے۔

”بھائی۔!خیریت ہے،طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔۔آپ باہر آئے ہی نہیں۔“

”بس ایسے ہی۔۔“اس نے کہا تو اسے اپنے لفظ اجنبی لگے۔

”آؤ پھر۔!باہر نکلتے ہیں۔لان میں بیٹھ کر گپ شپ لگاتے ہیں۔“

”چلو۔!“اس نے اٹھنا چاہا،تبھی فاطمہ اس کی بیساکھیوں کو اٹھانے کے لئے
بڑھی تو زرق شاہ نے تیزی سے کہا۔

”نہیں ۔!میں خود کوشش کروں گا۔۔۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنی بیساکھیاں سیدھی
کیں اور فاطمہ کے ساتھ باہر کی جانب چل دیا

اس وقت وہ لان میں جا کر کھڑے ہی ہوئے تھے ۔تب اردگرد سے اذانیں
شروع ہوگئیں ۔فاطمہ ایک دم سے اندر کی جانب بھاگی۔زرق شاہ حیران ہوا کہ اسے کیا ہو
گیا۔ وہ اسی شش و پنج میں مبتلا، بید کی کرسی پر بیٹھ گیا۔تبھی فاطمہ اندر سے نمودار ہوئی۔اس
کے سر پر آنچل نما کپڑا تھا۔وہ شدت حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ لاکھ مذہبی
معاملات سے دور ہو۔لباس جیسا بھی پہنتی ہو مگر اس کے لاشعور میں احترام اذان ہے۔ وہ
خاموش تھی۔وہ بھی خاموش تھا۔اذان کی آواز گونج رہی تھی۔ چند لمحوں میں اسے یوں لگا جیسے
اس کے اندر بھی کوئی اذان دے رہا ہے۔یہ بازگشت تھی یا اس کے اندر کوئی مؤذن تھا۔وہ

نہ سمجھ سکا۔اذان ختم ہوئی تو فاطمہ نے وہ کپڑا سر سے اتار کر میز پر رکھ دیا۔تبھی وہ بچپن کے اس وقت میں چلا گیا جب وہ بڑے اہتمام سے وضو کیا کرتا تھا اور قریبی مسجد میں اپنے دادا کے ساتھ جاتا تھا۔کیسا وہ زمانہ تھا وہ۔۔۔۔اچانک وہ اپنی بیساکھیاں سنبھالتا ہوا اٹھنے لگا۔ اس کے انداز میں انتہائی درجے کا اضطراب تھا۔

”کیا ہوا بھائی،آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ وہ حیرت سے بولی

”میں جا رہا ہوں۔“ وہ اٹھ کر اندر کی جانب چل دیا۔فاطمہ اسے وہیں کھڑی دیکھتی رہی۔وہ اندر چلا گیا۔بہت مشکل سے بیساکھیاں ایک جانب رکھ کر وہ واش روم میں گیا۔وہ باہر آیا تو وضو کر چکا تھا۔اس کے کمرے میں جائے نماز نہیں تھی۔اس نے قالین پر چادر بچھالی اور نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔اللہ اکبر کہہ کر جیسے ہی اس نے نیت باندھی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔وہ ثناء کے لفظ بھول چکا تھا۔جنہیں یاد کرتے ہوئے وہ احساس شرمندگی سے روتا رہا۔غبار دُھلنا شروع ہو گیا تھا۔

❁....❁....❁
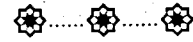
رات گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔بیڈ پر لیٹے ہوئے شبانہ مضطرب تھی۔اس کی نگاہوں کے سامنے سے زرق شاہ کا چہرہ ہی نہیں ہٹ رہا تھا۔وہ خود کو ملامت کر رہی تھی۔اس کے ذہن میں ارادہ تھا کہ اسے حسینیت کے بارے میں بتانا ہے۔اور اسے یہ بھی بتانا ہے کہ وہ کر کیا رہا ہے۔لیکن اس وقت جب وہ اس کا اہل ہوتا۔ابھی تو وہ اس قابل ہی نہیں تھا کہ اتنا ذہنی دھچکہ برداشت کر سکے۔اسے اس سطح پر لانا تھا جہاں وہ نہ صرف بات کو سمجھ سکتا بلکہ اسے قبول بھی کر لیتا۔وہ اپنی خامی پر کڑھ رہی تھی۔اسے جذباتی نہیں ہونا چاہیے تھا۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ جذباتی ہو گئی تھی۔اسے احساس ہو گیا تھا کہ دلیل کے ہتھیار سے وار کاری پڑا ہے۔وہ ابھی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔وہ یہی سوچ رہی تھی کہ ایسا کیوں ہو گیا؟

وہ اگر پارک تک گئی تھی تو اس کا اپنا مقصد اسے کشاں کشاں لے گیا تھا۔زرق شاہ ہی نے کہا تھا کہ اسے وہ سوال یاد آ گیا جس کا جواب چاہتا ہے۔وہ جس وقت کے لئے منتظر تھی وہ آ گیا تھا۔لیکن جب اسے یہ احساس ہوا کہ وہ اپنے سوال کے جواب میں دلچسپی ں رکھتا،بلکہ اس کے اندر کی عورت کو جذباتی کر کے اسے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا

ہے۔تب اس سے رہا نہیں گیا۔وہ اس کی ہمدردیاں حاصل کر کے قرب کی راہ پر لانا چاہتا تھا۔اور پھر اس نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کہنا چاہتی تھی۔یہ سب سوچتے ہوئے اس کے دل میں میٹھی کسک بھی موجود تھی۔زرق شاہ اس لئے بھی نگاہوں سے نہیں ہٹ رہا تھا کہ وہاں چھائی شرمندگی میں سے معصومیت بھی جھانک رہی تھی۔نگاہوں میں وہ بے بسی تھی جو کسی بے گناہ کی ہوتی ہے،جب اس پر فرد جرم عائد کر دی جائے۔وہ گڈمڈ خیالوں کے ساتھ نجانے کب نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

اگلی صبح جب وہ ناشتہ کر چکی تھی۔اپنی امی کے ساتھ ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔امی کچھ دیر پہلے ہی وہاں آ کر ستانے کے لئے بیٹھی تھی جبکہ وہ اخبار کے اشتہار بھی پڑھ چکی تھی۔تبھی ان لمحوں میں اس کا فون بج اٹھا۔وہ سعدیہ کا تھا۔علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔

”شبانہ بیگم۔!معلوم ہے کہ آج رزلٹ آئے گا۔۔۔“

”کیا واقعی۔!تمہیں کہاں سے خبر لگی ہے۔۔۔“شبانہ نے پوچھا۔

”تم نہیں جانتی ہو،میرے لئے یہ رزلٹ کتنا اہم ہے۔اسی لئے میں بہت پریشان ہوں۔“وہ بولی

”رزلٹ اہم ہے۔۔۔پریشانی۔۔۔میں سمجھی نہیں۔“وہ واقعتاً سعدیہ کی بات نہیں سمجھ پائی تھی۔

”جس وقت میں امتحان دے رہی تھی،اس وقت میری ذہنی کیفیت کچھ اور تھی اب اور ہے۔۔۔میری موجودہ صورت حال کے بارے میں تم نہیں جانتی ہو۔گھر میں اپنی بہتر پوزیشن کے لیے رزلٹ کا اچھا ہونا بہت ضروری ہے۔“اس نے پھر گول مول بات کہہ دی۔

”تم پتہ نہیں کیا کہہ رہی ہو۔سیدھی بات کیوں نہیں کرتی ہو۔“وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

”سیدھی بات یہ ہے کہ آج رزلٹ آئے گا۔میں نے پتہ کروایا ہے۔“سعدیہ نے کہا۔

”تو کیا رہا۔۔۔؟“اس نے پوچھا۔

”یہ تو معلوم نہیں ہوا۔ہاں یہ خبر ضرور مل گئی ہے کہ آج اعلان ضرور ہوگا۔“وہ بولی۔

”چلو۔!آئے گا تو دیکھا جائے گا لیکن وہ جو تم پہلے اور بعد کی ذہنی ک[illegible] کے

بارے میں۔۔۔'' شبانہ نے پوچھنا چاہا مگر اس نے بات اُچکتے ہوئے کہا۔

''وہ میں ابھی آتی ہوں۔ پھر سارا پس منظر بتا کر پلان کرتے ہیں۔''

''پس منظر۔۔۔ پلان۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو؟'' اس نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

''آ رہی ہوں۔۔۔ بتاتی ہوں۔۔۔۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ تبھی اس کی امی نے پوچھا۔

''کیا پریشانی ہے شبانہ؟''

''کوئی پریشانی نہیں۔۔۔ سعدیہ نے بتایا کہ آج رزلٹ آنے والا ہے۔۔'' اس نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

''بات تو پریشانی کی ہے۔۔۔'' امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''امی یہ بات تو طے ہے کہ میں پاس ضرور ہو جاؤں گی۔۔۔'' وہ جلدی سے بولی

''اچھا ٹھیک ہے۔ تمہارا رزلٹ آئے تو پھر میں تیری بات چلاؤں۔ بہت پڑھ لیا۔ اب اپنی گھرداری سنبھالو۔'' اس کی امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''امی ابھی نہیں، بس دو سال کی مہلت دیں، پھر آپ کی جو مرضی ہو کیجئے گا۔''

''پہلی تو بات یہ ہے کہ میں طارق کی شادی بھی کر دینا چاہتی ہوں۔ وہ کیا تیری وجہ سے دو سال تک لٹکتا رہے گا۔ اور دوسری بات یہ دو سال کیوں؟''

''امی میں ایک سیٹ اپ بنانا چاہتی ہوں۔۔۔ یہ ضروری ہے۔ ورنہ میری تعلیم و تربیت یونہی رائیگاں جائے گی۔۔۔'' وہ گھبراتے ہوئے بولی۔

''میری بیٹی۔! کیا تم یہ نہیں جانتی ہو کہ حاصل کیا گیا علم رائیگاں نہیں جاتا۔ ہاں مگر اس پر عمل کرنے کی نیت ہو۔'' اس کی امی نے کہا۔

''وہی تو۔۔۔ وہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ عمل کے بنا علم رائیگاں ہے۔۔۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''اچھا میرے ساتھ بحث مت کرو۔ میں تمہارے ابا کو تیار ہونے میں مدد دے دوں۔'' یہ کہتے ہوئے امی اٹھ گئیں۔ اسے معلوم تھا کہ شبانہ یونہی بحث کرتی چلی جائے گی۔

امی اٹھ گئیں تو تنہائی ملتے ہی وہ سوچوں میں کھو گئی۔ رزلٹ کا اچھا ہونا اس کے لئے بہت ضروری تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر رزلٹ اچھا نہیں آتا تو اس کی ساری دلیلوں پر

پانی پھر جائے گا۔ وہ سارے دعوے مٹی میں مل جاتے جو علم حاصل کرنے کے لئے اس نے دیئے تھے۔ کوئی بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوگا کہ فیل ہونے کی وجوہات کیا ہیں۔ اور نہ ہی وہ بتا سکتی تھی کہ زرق شاہ نے ان دنوں نہ صرف ڈسٹرب کیا ہوا تھا بلکہ وہ اس کے خیالوں پر چھایا ہوا تھا۔ اس کے پاس وقت تھا اور فیل ہونے کی صورت میں یہی مانا جاتا کہ اس نے محض وقت گذاری کی ہے۔ تب وہ اپنی کوئی بات نہیں منوا سکتی تھی بلکہ اسے وہی کچھ ماننا پڑتا جو اس کے گھر والے کہتے۔

''کیا بات ہے بہنا۔! بڑی سائنس دان قسم کی چیز بننے کی کوشش میں ہو۔'' طارق نے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ چونک گئی، پھر مسکراتے ہوئے بولی

''آج رزلٹ آ رہا ہے بھائی۔''

''مجھے معلوم ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔'' اس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''آپ کو معلوم ہے۔۔۔؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''جی بہنا۔! مجھے تو انتظار ہے، تمہارے رزلٹ کا جو کچھ دیر بعد مجھے معلوم ہو جائے گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''مطلب۔!'' وہ بولی۔

''مطلب یہ کہ میں نے اپنے ذرائع سے معلوم کیا ہے، اعلان ہونے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہو جائے گا۔۔۔ بلکہ۔۔'' وہ پھر مسکرا دیا۔

''آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔'' وہ مصنوعی غصے سے بولی۔

''بالکل چھپا رہا ہوں۔ اس لئے کہ تم شور نہ مچا دو۔'' وہ ہولے سے ہنستے ہوئے بولا

''بتائیں۔! کیا رزلٹ ہے۔۔۔'' وہ بچوں کی طرح مچل گئی۔ تبھی اس کے ابا ڈرائینگ روم میں آ گئے۔ انہوں نے سن لیا تھا۔ اس لئے خوشگوار لہجے میں بولے۔

''بتاتے ہیں۔۔۔ ذرا سانس لو۔۔۔''

''آپ کو بھی۔۔۔'' وہ حیرت سے بولی۔ اتنے میں اس کی امی بھی وہیں آ گئیں۔

''بیٹی میں تو کئی دن سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بیٹھ گئے۔ انہی لمحات میں باہر گاڑی رکی۔ تو شبانہ کا سانس بھی گلے میں اٹک گیا۔ اگر یہ سعدیہ ہوئی تو۔۔۔ اس نے لباس۔۔۔ کاش یہ کچھ دیر بعد آتی۔۔۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ سعدیہ

ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔شبانہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔حجاب کے ساتھ پورا بدن ڈھکا ہوا تھا۔وہ مسکرا رہی تھی۔تبھی شبانہ نے طارق کی طرف دیکھا۔وہ بھی اس جیسا حیران تھا۔اس کے ابو کی نگاہوں میں ستائش تھی۔اس کے ہاتھوں میں مٹھائی کا بڑا سا ڈبہ پکڑا ہوا تھا۔سلام کرنے کے بعد وہ شبانہ سے ملی اور اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔تو شبانہ نے مٹھائی کے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ۔۔؟''

''میں جو خبر سنانے والی ہوں۔اس کے بعد یہ ضروری ہے۔''

''سناؤ بیٹی۔!''وقارالدین نے نرم لہجے میں کہا۔

''اپنی شبانہ وقار نے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں سب سے زیادہ مارکس لئے ہیں اور یہ ٹاپ پر ہے۔''اس نے ہیجان خیز لہجے میں کہا۔

''اوہ۔!تو میں خبر سنانے سے رہ گیا۔۔''طارق نے افسوس بھرے انداز میں کہا جبکہ شبانہ پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری تھی۔خوشی سے اس کی آنکھوں میں سے آنسو جاری ہوگئے۔تب اس نے پوچھا۔

''اور تمہارا رزلٹ۔۔۔؟''

''میں الحمداللہ سب میں پاس ہوں۔اچھے مارکس ہیں۔میں بہت خوش ہوں۔۔''

''ہمارے پاس بھی تمہارے لیے یہی خوشخبری تھی۔بہر حال یہ سعدیہ کے نصیب میں ہوا۔''وقارالدین نے کہا تو اس کی امی بولیں۔

''میرے لئے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ میں نے سعدیہ بیٹی کو حجاب میں دیکھ لیا۔اللہ پاک توفیق دے تو یہ نقاب بھی لے لے گی۔۔۔''

''ہاں۔!یہ بہت بڑی خوش نصیبی اور سعادت ہے۔۔۔''وقارالدین نے کہا،پھر جیب میں سے اپنا والٹ نکالا اور اس میں سے اپنا ڈیبٹ کارڈ لے کر شبانہ کی جانب بڑھا دیا

''یہ کیا ابو۔۔؟''اس نے پوچھا۔

''یہ انعام ہے۔۔۔اپنے طور پر جو مرضی خرید نا تم دونوں۔''اس نے شفقت پدری سے کہا۔

''نہیں ابو۔!میں یہ نہیں لوں گی۔بلکہ میرا مطالبہ کچھ اور ہے۔۔۔''وہ ایک دم

سنجیدگی سے بولی

''وہ کیا۔؟''انہوں نے سکون سے پوچھا۔

''میں مزید پڑھنا چاہتی ہوں اور اس کے ساتھ پروڈکشن سیٹ اپ شروع کرنا چاہتی ہوں۔''اس نے اطمینان سے کہا۔

''تو کیا تم ڈرامے بناؤ گی؟''طارق نے حیرت سے پوچھا۔

''طارق بھائی۔!ضروری نہیں ہے کہ پروڈکشن ڈراموں کی ہوتی ہے۔اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو بنائی جا سکتی ہیں۔''شبانہ نے تحمل سے کہا۔

''مثلاً!۔۔۔ذرا مجھے بھی معلوم ہو۔۔''وہ تیزی سے بولا۔

''مثلاً ایک چھوٹا بچہ ہے،اسے بار بار سمجھانا پڑتا ہے کوئی شے سکھانے کے لئے۔اگر تصویر کے ساتھ وہ تمام حرکات وسکنات کی فلم بنادی جائے تو اسے بار بار دکھایا جا سکتا ہے۔بار بار سن کر وہ یاد کر سکتا ہے۔۔۔ہمارا یہ پیغام ان بچوں تک بھی پہنچ سکتا ہے، جو ہمیں جانتے بھی نہیں ہوں گے۔سرحدیں بھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں۔اور پھر بے شمار موضوع ہیں۔۔۔''وہ نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولی

''مثال کی حد تک تمہاری بات ٹھیک ہے،مگر یہ کوئی نیا آئیڈیا نہیں۔اس پر تو کام ہو چکا ہے۔میں نے ایک ٹی وی چینل پر ایسا دیکھا ہے۔''طارق نے نرم لہجے میں کہا

''میں مانتی ہوں۔صرف میں ہی نہیں امت مسلمہ میں اور بہت سارے لوگ ہیں جو کام کرنا چاہتے ہیں۔اور کئی کام کر بھی رہے ہیں۔ان سب کو اجتماعیت درکار ہے۔میں نے کہا نا کہ اور بہت سارے موضوع ہیں۔انہیں تمثیل کے طور پر بھی دکھایا جا سکتا ہے۔ٹاک شو ہو سکتے ہیں۔خواتین پر زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔جس بنیادی مسئلوں سے بگاڑ کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔انہیں پوری شدت سے پوائنٹ آؤٹ کیا جا سکتا ہے۔یہ تو محض ایک مثال تھی۔''شبانہ نے تفصیل سے اپنا نکتہ نگاہ سمجھاتے ہوئے کہا۔

''یہ چیزیں بھی تو ہو رہی ہیں۔سبق کون لیتا ہے۔''طارق اڑ گیا

''پیغام میں سچائی ہونی چاہیے اثر ہو جاتا ہے۔یورپ میں رہنے والی ان خواتین کے خیالات تو اپنے لوگوں کو بتائے جا سکتے ہیں، جہاں حجاب پر پابندی ہے۔وہ کیوں نقاب لیتی ہیں۔۔۔''

"بیٹی۔! مجھے تمہارا یہ آئیڈیا پسند آیا ہے۔تمہیں جو چاہیے مجھے بتاؤ۔" وقارالدین نے حتمی انداز میں کہا۔

"الحمدللہ۔! سعدیہ میرے ساتھ ہے۔ہم دونوں نے طے کیا تھا کہ رزلٹ کے بعد یہ بات کریں گے۔ہم پلان کرلیں۔پھر ہم آپ کو بتا دیں گے۔۔۔"

"اچھی بات ہے۔۔" وقارالدین کے سر ہلاتے ہوئے کہا۔پھر بڑے جذباتی لہجے میں بولا۔" جب بھی کوئی اللہ کی راہ پر چلتا ہے تو اللہ اسے انعامات سے ضرور نوازتا ہے۔۔۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ انعامات ہی میں کھو کر رہ جاتا ہے یا اللہ کے راستے پر گامزن رہتا ہے۔میری بیٹی۔! مجھے تم پر فخر ہے۔اور میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں اپنی حفظ وامان میں رکھے اور مزید کامیابیوں سے نوازے۔۔۔" یہ کہہ کر وہ اٹھنے لگے تو سعدیہ بولی۔

"انکل۔! کم از کم یہ مٹھائی تو چکھتے جائیں۔۔۔"

"اوہ۔! معاف کرنا بیٹی۔۔۔لاؤ بھئی جلدی سے۔۔۔" انہوں نے کہا تو شبانہ نے ڈبہ کھول لیا۔سب کو دینے کے بعد خوشگوار ماحول میں وقارالدین اور طارق اپنے آفس کے لئے نکل گئے

"آؤ۔! پہلے شکرانے کے نوافل ادا کرلیں۔پھر گپ شپ کرتے ہیں۔" شبانہ نے سعدیہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور وہ دونوں اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔امی نے مٹھائی اٹھائی اور گھر میں موجود تمام ملازمین میں بانٹ دینے کے لئے اپنی ملازمہ کو دے دی۔وہ خوش تھی کہ اس کی بیٹی نے اتنی بڑی کامیابی حاصل کی ہے لیکن ساتھ میں یہ دکھ بھی تھا کہ وہ پرایا دھن ہے۔۔ایک دن اپنے گھر چلی جائے گی۔

❀……❀……❀
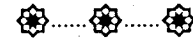
وہ شہر کی قدیم مساجد میں سے ایک تھی۔گنجان آبادی کے باعث اب وہاں کھلے راستے نہیں رہے تھے۔زرق شاہ گاڑی میں بیٹھا ہوا، اس مسجد کے مینار کو دیکھ رہا تھا۔یہی وہ مسجد تھی جہاں بچپن میں وہ آیا کرتا تھا۔یہیں وہ پہلی بار سپارہ سینے سے لگائے ان بچوں کے درمیان میں آکر بیٹھا تھا۔جہاں دوسرے بچے قطار بنائے استادمحترم سے پڑھ رہے تھے۔ اس کی بسم اللہ یہیں پر ہوئی تھی۔اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس کے والد نے اس کی انگلی پکڑی ہوئی تھی۔مسجد کی جانب جاتے ہوئے مٹھائی کی ٹوکری اس کے والد نے خریدی اور

پھر استادمحترم کے پاس چلے گئے۔انہوں نے نہایت شفقت سے بسم اللہ پڑھائی اور وہ مٹھائی بچوں میں تقسیم کردی۔ یہ اس کی قسمت تھی کہ وہ پورا قرآن پاک پڑھ نہیں سکا تھا۔محض دو برس بعد ہی وہ اس گنجان آبادی والے محلے سے نکل کر ماڈل ٹاؤن میں چلے گئے۔پھر وہ مسجد تو اس کے ذہن میں رہی مگر سب کچھ بھول بھال گیا۔

گذری رات وہ اپنے آپ کو سوچتے ہوئے اپنے ماضی میں جا پہنچا۔وہ اس کھوج میں تھا کہ اس کا دین سے رابطہ کہاں ٹوٹا تھا۔اس تلاش میں چلتے چلتے وہ اس مسجد تک آپہنچا۔انہوں نے انتہائی درجے کی معاشی ترقی تو کرلی تھی لیکن اپنی اصل سے رابطہ ختم کر بیٹھے تھے۔اسے اپنے معاش کی کوئی فکر نہیں تھی۔اسے محض یہی فکر تھی کہ حسینیت سے نسبت جوڑنے کے لئے آخر اسے کرنا کیا ہوگا۔یہ کتنا بڑا المیہ تھا کہ وہ یہی نہیں جانتا تھا اور نہ ہی یہ جانتا تھا کہ اسے یہ گیان کہاں سے ملے گا۔رات جب اپنی کھوج میں سفر کرتے ہوئے اس مسجد تک پہنچا تو اس کا دل گواہی دینے لگا کہ رابطہ جہاں سے ٹوٹا ہے،وہیں سے جڑے گا بھی۔دن کافی چڑھ آیا تھا جب وہاں آن پہنچا۔وہ گاڑی سے اترا اور بیساکھی لیے مسجد کی جانب بڑھا۔چند قدموں کا فاصلہ تھا اور وہ سیڑھیوں تک جا پہنچا۔اس کے سامنے وسیع صحن تھا جس کے درمیان پانی کا حوض بھرا ہوا تھا۔اسے یاد آنے لگا۔یہیں حوض کے قریب سے اسے خوف بھی آتا تھا کہ کہیں اس میں گر نہ جائے اور یہیں پانی کے چھینٹے اڑانے کا مزہ بھی آتا تھا۔وہ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ یہاں بہت دیر تک کھیلتا رہتا تھا۔اس کی نگاہوں میں بچپن کا زرق شاہ تھا۔یہیں اس مسجد میں اس کی بہت ساری یادیں بکھری پڑی تھیں۔وہ وہیں حوض پر بیٹھ گیا اور اپنی یادوں سے ملنے لگا۔بچپن کا وہ بے فکری والا زمانہ، قہقہے،دوسروں سے آگے نکلنے کی لگن۔۔۔

"کیا بات ہے بیٹا۔! یہاں بیٹھے کیوں آنسو بہا رہے ہو۔۔۔"

زرق شاہ اس شفیق آواز پر چونک گیا۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو حیرت سے وہیں جم گیا۔اگرچہ گذرے وقت نے اپنے تاثرات ان پر چھوڑے تھے لیکن نقش و نگار تو وہی تھے۔۔۔ وہی سر پر سادہ سی سفید پگڑی،سرخ وسفید چہرے پر تیکھے نقش و نگار،سادہ سفید کرتا اور تہبند۔۔۔وہ جلدی سے اٹھنے کی کوشش میں لڑکھڑا گیا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

''استاد جی آپ۔۔۔!''

''بیٹھو۔۔۔بیٹھو بیٹا۔۔۔بیٹھ جاؤ۔۔۔'' استاد جی نے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا تو بیٹھ گیا۔وہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

''استاد جی۔!میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ مجھے یوں مل جائیں گے۔۔بیس، بائیس سال بعد میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔۔''

''معاف کرنا بیٹا۔!میں تمہیں پہچان نہیں سکا۔اب تک اللہ جانے کتنے بچے پڑھ کر چلے گئے۔'' انہوں نے مشفقانہ انداز میں کہا۔

''جی میں سید صادق حسین شاہ کا پوتا اور سید عابد حسین شاہ کا بیٹا ہوں۔۔۔جو آج سے۔۔۔'' زرق شاہ سے کہنا چاہا تو استاد جی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ گیا ہوں۔۔۔تم بہت تھوڑا عرصہ یہاں آئے تھے۔ماشاء اللہ اب تو گھبرو جوان ہو چکے ہو۔اللہ نظر بد سے بچائے۔۔۔یہ بیساکھی۔۔۔اور یہاں۔۔۔ خیریت تو ہے نا بیٹا؟'' استاد محترم سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو زرق شاہ چند لمحے ان کی جانب دیکھتا رہا۔پھر بولا۔

''شاید مجھے اپنے آپ تک پہنچنے کے لئے کٹھن راستہ اپنانا ہوگا۔''

''ہوں۔!'' استاد جی نے گہرا ہنکارہ بھرا۔چند لمحے خاموش رہے پھر بولے۔''تو اپنے آپ کی تلاش میں نکلا ہے۔وہ تم نے ایک محاورہ سنا ہے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔۔۔''

''جی۔!'' وہ استعجاب سے بولا۔

''کیا تم اپنے آپ کو دیکھتے ہو۔۔۔؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا

''آئینے میں۔۔۔یا کسی ویڈیو فلم میں۔۔۔خود کو دیکھتا ہوں۔۔۔'' وہ بولا۔

''خود کو کہیں دیکھتے ہو یا جو کوئی تمہیں جیسا دکھانا چاہے ویسا دیکھتے ہو۔۔۔کبھی اپنے آپ کے ساتھ خالص پن سے بھی ملے ہو۔۔۔ساری سوچ و فکر، دین دھرم، فلسفے منطقیں ایک جانب رکھ کر۔'' انہوں نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔!'' وہ لرزتے لہجے میں بولا۔

''کبھی اپنے آپ کو ایک انسان کی حیثیت سے دیکھا۔۔۔سوچا میں کون ہوں۔۔۔انسان ہونے کے ناطے مجھے کیا کرنا ہے۔میں اپنی ضرورت کے لئے اس زمین

اور کائنات سے رابطہ رکھنے پر مجبور ہوں۔۔۔مجھے ان کے ساتھ اپنا تعلق کیسے رکھنا ہے۔۔۔یہ سارے سوال بعد کے ہیں۔اگر تم پہلے اپنے خالص پن میں متعارف ہو جاؤ تو اپنے آپ سے ملنے کی ساری راہیں تمہارے اندر پڑی ہوئی ہیں۔اگر تم ٹی شرٹ پہن کر آئینے کے سامنے جاؤ گے تو آئینہ ٹی شرٹ میں دکھانے پر مجبور ہوگا۔تمہارے اندر کا خالص پن کیا کہتا ہے۔اس سے ہم کلام ہو کر کبھی کہا۔۔۔دیکھو۔۔۔وہی تمہیں راستے دکھائے گا۔''

''استاد جی۔!اپنے اندر جھانکنے کے لئے بھی نگاہ چاہیے۔میرے پاس تو وہ نگاہ بھی نہیں ہے۔۔۔'' وہ جذب سے بولا۔

''ہے۔۔۔کیوں نہیں ہے۔۔۔میں نے کہا نا آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔۔۔جس لمحے تم نے اپنے آپ پر غور کرنا شروع کر دیا۔دراصل وہی تمہارے خود سے ملنے کی شروعات ہوگی۔اور پھر چاہے راستہ جتنا بھی طویل ہے۔اللہ کی توفیق سے لمحوں میں طے ہو جاتا ہے۔'' انہوں نے کہا اور وضو کرنے لگے۔وہ وضو کر چکے تو زرق شاہ نے ادب سے کہا۔

''استاد جی۔!کیا ہم کچھ دیر مزید باتیں کر سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں۔!آؤ، ادھر حجرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔'' استاد جی نے کہا اور وہ ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

حجرہ پرانے وقتوں سے بنی ایک کوٹھری تھی۔جس میں ایک بستر فرش پر بچھا ہوا تھا۔جس کے اطراف میں کتابیں پڑی تھیں۔کونے میں صراحی اور پیالہ اور ایک جانب صندوق پڑا تھا۔وہ دونوں آمنے سامنے بستر پر بیٹھ گئے۔زرق شاہ کچھ دیر تک خاموش رہا، پھر بولا۔

''استاد جی۔!کیا آپ میری راہنمائی کر سکیں گے کہ حسینیت کیا ہے؟ اس سے اپنی نسبت کیسے جوڑ سکتا ہوں؟''

یہ سوال سن کر وہ چند لمحے اس کی جانب دیکھتے رہے۔پھر سیدھے ہو کر دوزانو ہوئے اور بڑے ادب سے کہا۔

''یہ بات تمہارے دل میں خود بخود آئی ہے یا کسی نے تمہارے سامنے رکھی ہے؟''

''کسی نے۔۔۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

"جس نے اتنی بات کہی، اسی سے جواب بھی لے لینا تھا نا۔۔۔" وہ بولے۔

"میری رسائی نہیں اس تک، اس لئے۔۔۔" وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ پھر شبانہ نے جو کہا تھا وہ ان کے گوش گذار کر دیا۔

"بے شک انکار حسین پاکؓ ہی حسینیت ہے۔ اور نسبت، وہی عمل کیا جائے جو حسین پاکؓ نے کیا۔ ان جیسا بننے والا ہی نسبت دار کہلاتا ہے۔" انہوں نے ادب بھرے لہجے میں کہا۔

"تو پھر ہمارے اردگرد تو زیادہ یزیدیت ہی ہے، ہم کیوں نہیں انکار کرتے۔۔۔ ہم کیوں نہیں اٹھ کھڑے ہوتے؟" وہ جذباتی انداز میں بولا۔

"یہ تو توفیق کے معاملے ہیں۔ جسے وہ اوپر والا دے۔ مگر ایک اور بات بھی ہے۔ اللہ پاک نے تو بخشش لکھ دی ہے مگر ہم ہی اپنے کردار سے بخشش کا انکار کر دیں۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوئے پھر چند لمحوں بعد بولے۔ "امام حسین پاکؓ کا شمار ان ہستیوں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے من کے اندر سے اٹھنے والی تمام تر باطل قوتوں پر قابو پا لیا تھا۔ وہ اپنے اندر سے فتح یاب تھے۔ تبھی باطل کو للکارا۔ جو جس قدر اپنے اندر سے مضبوط ہوگا، اس قدر ہی باطل قوتوں کو للکارنے کی جرات کرتا ہے۔ اسی میں قربانی دینے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔"

"اپنے من کی باطل قوتیں۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔! ایک نفس بھی تو ہمارے اندر موجود ہے نا۔۔۔ جس طرح باہر کشمکش ہے، اسی طرح ہمارے اندر بھی تو کشمکش موجود ہے۔ ایک کربلا ہمارے اندر بھی تو پڑا ہے۔ جہاں بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ خود پر اسی نے فتح پائی ہے، جس نے اپنے آپ کو سمجھا اور جانا۔۔۔ دین، دھرم اور فکر وفلسفے۔۔۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے خود کو انسان ہو کر تو دیکھے۔۔۔ پھر پتہ چلتا ہے کہ کائنات کا نظام کس شے پر چل رہا ہے۔"

"کوئی آئینہ تو ہوگا جس میں خود کو دیکھا جائے۔۔۔" اس نے سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہی انکار۔! باطل قوتوں کا انکار، پھر اثبات ہے۔۔۔ اب تمہارا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ آخر باطل قوتیں ہیں کیا۔۔۔ ان کی پہچان کیا ہے۔۔؟" وہ نرمی سے بولے۔

"جی۔۔۔" وہ سرسراتے ہوئے انداز میں بولا۔

"یہی دیکھنے کے لئے انسان کو عقل ودیعت کی گئی ہے۔ یہی شعور ہے کہ وہ دیکھے، سچائی کہاں ہے، یہی آئینہ ہے، یہی معیار انسانیت ہے۔ امام حسین پاکؓ کا انکار بھی تو انسانیت کی فلاح تھا نا۔ باطل قوتوں کا انکار، کس کے لئے؟ فلاحِ انسانیت کے لئے۔ تاریخ انسانیت میں دیکھو کہاں پر کیا ہے۔ بعض اوقات لوگوں کا اجتماع بھی سچائی پر نہیں ہوتا۔ سقراط کو زہر کا پیالہ پڑا۔ پورا شہر اس کے خلاف ہو گیا۔ لیکن تاریخ نے ثابت کیا کہ وہ اس وقت سچائی پر تھا۔ یزید کا لشکر جرار ایک طرف۔۔۔ یزید جب تخت نشین ہو گیا۔ تب اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو امت میں اختلاف نہیں چاہتے تھے۔ انتشار ختم کرنا چاہتے تھے۔ امن سکون چاہتے تھے۔ ایک نظام کو چلا کر مزید قتل وغارت گری کا خاتمہ چاہتے تھے۔ اور ان لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جن کے خیال میں یزیدی نظام باطل تھا۔ وہ باطل کیوں تھا؟ اس لئے کہ سچائی، انصاف، عہد کی پاسداری اور اخلاق جیسے زریں اصول کونے کھدرے میں ڈال دیئے گئے تھے۔ ایسے میں سیدنا حسین پاکؓ نے حق اور سچ کو رہتی دنیا تک ثابت کر دینے کے لئے کربلا کے صحرا میں شہادت کو زندگی دے دی۔ انہوں نے اپنے انکار سے ثابت کر دیا کہ باطل قوتوں کے خلاف کھڑا ہونا ہی عین جہاد ہے۔ یہ بھی ایک آئینہ ہے۔" انہوں نے تحمل و بردباری سے لفظ لفظ کہتے ہوئے سمجھایا۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے۔۔۔" وہ روہانسا ہوتے ہوئے بولا۔

"اپنے آپ کو سمجھ لو تو پہلے اپنے اندر کی باطل قوتوں کے خلاف ڈٹ جاؤ۔ پھر باہر کی قوتوں سے نبرد آزما ہونا بہت آسان ہوتا ہے۔ اگر حسین پاکؓ کی نسبت چاہتے ہو تو اس نظام کو سمجھو جس کے لئے انہوں نے شہادت کو زندگی دی۔ اور یہ بنا عشق کے حاصل ہونے والا گوہر نہیں۔ کیونکہ حسینیت، عشق ہے اور عشق، حسینیت ہے۔"

"ابتداء کہاں سے کروں۔۔۔" وہ سرسرایا۔

"کلمہ۔! اپنے کلمے کو دیکھو۔! "لا" کیا ہے۔۔۔ انکار ہی تو ہے تمام باطل قوتوں کا۔ یہ کر لو پھر آگے اللہ ہی اللہ ہے۔۔۔ اور پھر اللہ کو کیسے پانا ہے، وہ نبی دو جہاں، سرور کائنات، رحمت العالمین سرکار مدینہ حضرت محمد ﷺ کے ارشاد پاک ہیں۔ انہی سے اللہ بھی ملتا ہے۔ پھر سارے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں۔۔۔ عشق خود ہی راہ پر لا کر منزل کی جانب

گامزن کر دیتا ہے۔۔۔‘‘انہوں نے بڑے جذب اور محبت سے کہا تو ان میں خاموشی چھا گئی۔ زرق شاہ سوچ کی دنیا میں نجانے کہاں جا پہنچا تھا۔کافی دیر بعد چونکتے ہوئے اس نے استاد جی کے چہرے پر دیکھا اور ممنونیت سے بولا۔

’’بہت شکریہ۔!آپ نے میرا بڑا مسئلہ حل کر دیا۔میں اگر آپ سے ملنے آؤں تو۔۔۔‘‘

’’بیٹا۔!اب تو مجھے بھی یاد نہیں کہ میں کب سے اس مسجد کی خدمت کر رہا ہوں۔ میں یہیں ہوتا ہوں۔ اگر کہیں اِدھر اُدھر ہو بھی جاؤں تو کسی ضرورت کے لئے بازار جاتا ہوں، پھر اِدھر ہی آجاتا ہوں۔۔۔میں اب بھی یہیں بچے پڑھاتا ہوں۔۔‘‘

’’میں اگر کہوں کہ مجھے بھی وہیں سے سبق پڑھائیں جہاں میں نے چھوڑا تھا تو۔۔۔؟‘‘اس نے پوچھا۔

’’مجھے خوشی ہوگی۔۔۔لیکن تم کسی نگاہ والے کے پاس جاؤ۔۔۔وہ تمہیں سنبھال لیں گے۔۔۔‘‘انہوں نے انکساری سے کہا

’’استاد جی۔! کیا میں اب بھی نگاہ میں نہیں ہوں۔۔۔؟‘‘اس نے پوچھا

ہو۔!یہ نگاہ ہی کا تو کمال ہے کہ تم یہاں پر ہو۔لیکن ہر کسی کا اپنا مقام ہے۔۔۔ اس کا مقام اور ہے جس نے تمہیں یہاں بھیجا،ان کا مقام اور ہے جن کے پاس تم جاؤ گے۔۔۔میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔ مقامِ یار سے مقامِ عشق تک بڑے مرحلے ہیں بیٹا۔۔۔‘‘انہوں نے گہری سنجیدگی سے کہا تو زرق شاہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اچانک اٹھا۔اس نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور بیساکھی سنبھال کر باہر کی جانب چل دیا۔عشق کی چنگاری جو سلگی تھی اس کی حدت وہ خود میں محسوس کرنے لگا تھا۔

❀.....❀.....❀
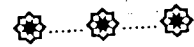
شہر کے اس پوش علاقے میں شبانہ وقار نے اپنی گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور پھر ایک بنگلے کے سامنے روک دی۔ گاڑی دیکھتے ہی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔اس نے پورچ میں سعدیہ کی گاڑی کے ساتھ اپنی گاڑی پارک کی اور پھر اندر کی جانب بڑھی۔اس بنگلے کو وہ اپنا آفس بنا چکی تھی۔اس کے پاس چند لڑکیاں کام کر رہی تھیں۔جن کے ذمے مختلف کام تھے۔جدید ترین سہولیات سے وہ آفس آراستہ کر رہی تھی۔اس کے ابا نے وعدے کے مطابق

ہر وہ شے مہیا کر دی تھی جس کی اسے ضرورت محسوس ہوئی۔سعدیہ نے بھی کثیر سرمایہ اس کے پاس جمع کرا دیا۔شبانہ نے زر کے سارے معاملات سعدیہ کے سپرد کئے اور خود انتظام سنبھال لیا۔اس دن ان کی پہلی میٹنگ تھی۔یہیں اس نے طے کیا گیا منصوبہ سب کو بتانا تھا۔اس کے آتے ہی سب ہال میں جمع ہو گئیں۔

وہ بڑا روح پرور منظر تھا۔ہال میں سبھی لڑکیاں تھیں۔کوئی پورے نقاب میں کوئی حجاب میں۔شبانہ وقار نے تلاوت کلام مجید سے اس میٹنگ کا آغاز کیا۔اس نے اپنے سامنے بیٹھی چھ لڑکیوں کو دیکھا اور اپنی بات شروع کی۔

’’میری بہنو۔!ہم کسی نئے کام کی شروعات نہیں کرنے لگیں۔بلکہ اُسی کام کو آگے بڑھا رہی ہیں جو رحمت العالمین ،سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے شروع کیا،یعنی فلاح انسانیت۔ہمارے ذمے یہ فرض ہے کہ ہم اگلی نسل تک یہ پیغام پہنچائیں۔اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو دنیا میں ہم سے کوئی پوچھنے والا بھلے نہ ہو مگر آخرت میں ہماری جواب دہی ہے۔ اسلام عورت اور مرد کو برابر حیثیت دیتا ہے۔تاہم اِن دونوں کے فطری تقاضوں کی بدولت فرائض میں تخصیص ہے اور اسی طرح حقوق میں بھی۔تاکہ فلاح انسانیت کی جو ذمے داری اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دی ہے وہ بہترین طریقے سے سرانجام پائے۔فلاح انسانیت کے اس ابدی فرض کو مرد مسلمان نے جس قدر جانفشانی سے نبھایا،خواتین نے بھی اسی جوش و خروش اور خوش اسلوبی سے اس فرض کو ادا کیا۔مثال کے طور پر جنگ اُحد میں ایک خاتون حضرت نسیبہؓ نے اسی جانفشانی سے حضور نبی اکرم ﷺ کا دفاع کیا جس طرح مرد صحابہؓ نے کیا۔فرمانِ نبی ﷺ میں ذکر ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے حضرت نسیبہؓ کے بارے میں فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا وہ دائیں بائیں کسی طرف متوجہ ہوئے بغیر صرف میرے بچاؤ کے لئے لڑتی رہیں۔نیزوں کے کچوکوں اور تلواروں کے وار سے ان خاتون کے جسم پر بارہ زخم آئے تھے۔حضرت نسیبہؓ، حضرت زید بن عاصمؓ کی بیوی تھیں جو اپنے بیٹوں حبیب اور عبداللہ کے ساتھ میدان جنگ کے لئے نکلی تھیں۔تب رحمت العالمین ﷺ نے فرمایا تھا، اے اہل بیت رسول۔! اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے۔حضرت نسیبہؓ نے آپؐ سے عرض کی کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ہمیں جنت میں آپؐ کا ساتھ نصیب ہو۔آپؐ نے اسی وقت یہی دعا فرمائی۔کہ اے اللہ ان سب کو جنت میں میرا ساتھی بنانا۔یہ سن کر حضرت

نسیبہؓ نے کہا اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی بھی پروا نہیں ہے۔'' وہ بڑے جذب سے کہتی ہوئی سانس لینے کو رکی۔تب پھر بولی۔

''حضرت عمارہؓ، بیعت عقبہ میں شریک تھیں۔اور غزوہ احد میں بھی اپنے شوہر اور دو بیٹوں کے ساتھ شامل تھیں۔ بیعت رضوان اور جنگ یمامہ میں حاضر تھیں۔وہ برابر لڑیں ان کا ایک ہاتھ ضائع ہو گیا۔ انہی سے مولیٰ ابن عباسؓ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمارہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں دیکھتی ہوں ہر چیز مردوں کے لئے ہے، عورتوں کا کہیں ذکر نہیں آتا۔اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔''بے شک مسلمان مردوں کے لئے مسلمان عورتیں اور مومنین کے لیے مومن عورتیں'' یہی وہ جوہر ایمان ہے جس کی بدولت اسلام سارے عالم میں پھیل گیا۔فلاح انسانیت کا پیغام خواتین نے بھی اسی طرح پھیلایا جیسا مردوں نے۔ پھر جس طرح تہذیب اسلامی مضبوط سے مضبوط تر ہوئی۔ اسی طرح مزید احکام آتے چلے گئے۔یہاں تک کہ پردے کا حکم آ گیا۔لیکن خواتین پر کوئی قدغن نہیں کہ وہ فلاح انسانیت کے اس لازوال پیغام کو ترک کر دیں۔کیونکہ ان کے بغیر یہ ادھورا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔تبھی ایک لڑکی نے پوچھا۔

''اُس دور کے تقاضے کچھ اور تھے اور ہم جس دور میں ہیں اس کی کچھ دوسری ضروریات ہیں۔کیا ہم آج کے حوالے سے بات کر سکتے ہیں۔''

''میری بہن میں اسی طرف آ رہی ہوں۔عہد کوئی بھی ہو لیکن پیغام تو وہی ہے نا۔اور یہ حقیقت ہے کہ ہر عہد میں مشکلات کم یا زیادہ ہوتیں ہیں۔اور آج کا دور سب سے مشکل ہے۔کیونکہ اس میں ذہنی طور پر فتح کے خواب دیکھے جا رہے ہیں ۔اسی بنیاد پر گہری سازشیں کی جا رہی ہیں۔ بظاہر جنگ دکھائی نہیں دیتی لیکن شیطان بھیس بدل بدل کر، دلفریب نعروں کے ساتھ ہمارے عہد میں موجود ہے۔اس کا مقابلہ کرنے کے لئے زیادہ مضبوط ایمان اور زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔''

''تمام تر مقابلہ عورت کے ذمے تو نہیں ہے نا۔'' ایک لڑکی نے کہا۔

''بے شک نہیں ہے لیکن اگر مسلمان عورت اپنے فرائض ہی سے آگاہ ہو جائے۔ اپنی ذمے داریوں سے واقف ہو جائے اور اس پر عمل کرے تو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔عورت کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کا دین اس سے کیا چاہتا ہے۔اسی سے ہی شیطان کی راہ

میں اتنی بلند دیوار کھڑی ہو جاتی ہے کہ وہ اسے عبور نہیں کر سکتا۔''

''جب عورت چار دیواری تک ہی محدود رہے گی تو وہ کیا کر سکتی ہے۔دور جدید میں علم کیسے حاصل کر پائے گی جو اس پر فرض ہے۔کیونکہ آج کا معاشرہ عورت کو وہ سب مہیا نہیں کر رہا ہے جس کی اسے ضرورت ہے یا دوسرے لفظوں میں آج کا معاشرہ پوری طرح اسلامی معاشرہ نہیں ہے۔''

''آپ کی بات درست ہے ایک عورت اپنی نسل نو کی اسی وقت پرورش و تربیت احسن انداز میں کر پائے گی، جب وہ خود علم حاصل کر چکی ہو اور اس کے ساتھ باعمل بھی ہو۔اصل میں حقوق نسواں تو یہی ہے کہ وہ معاشرے کو مجبور کر دے اس کی ضرورت کے مطابق علم حاصل کرنے کی بہترین سہولیات مہیا کرے ہم نے ایسے ہی معاملات خواتین کے سامنے رکھنے ہیں۔''

''اس ضمن میں ہم نے کیا کرنا ہے۔'' ایک لڑکی نے کہا۔

''دیکھو میری بہن۔!ہم نہ تو حاکم ہیں اور نہ ہی مفتی کہ فتویٰ دیں۔اصل میں ہم نے موجود معاشرے کی عورت کے حقوق کو دینی نکتہ نگاہ سے سمجھنا ہے۔عورت کو اس کی حیثیت سے دیکھنا ہے اور اس دین کے لئے کیا چاہتا ہے۔اس سے آگاہ کرنا ہے۔کسی خامی پر تنقید کرنا بہت آسان ہے ۔ہم نے کہیں بھی تنقید نہیں کرنی۔ اس خامی کے بدلے میں اچھائی کا ذکر کرنا ہے۔ ہدایت میرے اللہ کے پاس ہے۔یہ اسی نے دینی ہے۔ہم نے اپنا فرض نبھانا ہے۔''

''کیا آپ اسے کھول کر سمجھا سکتی ہیں۔'' اسی لڑکی نے پوچھا۔

''میں کوشش کرتی ہوں۔!دیکھیں میرے علم کے مطابق پردے کے تین درجات بیان کئے گئے ہیں کہ عورت اپنے گھروں کی چار دیواری تک محدود رہے اور فقط شوہر اور محرم رشتے داروں سامنے چہرہ کھول سکتی ہے۔دوسرا یہ کہ پورا چہرہ، یا فقط آنکھیں غیر محرم اجنبی یا غیر محرم رشتے دار کے سامنے کھول سکتی ہے۔تیسرا درجہ اجنبیوں کیلئے مکمل پردہ، گھر اور خاندان کے افراد کے سامنے کھلا چہرہ، ضرورت یا خدمت کے لئے سامنے آنا وغیرہ، اب ہمارے معاشرے میں ایسی خواتین بھی ہیں جو پردہ تو کرنا چاہتی ہیں لیکن جب انہیں پردے کے بارے میں سختی سے بتایا جاتا ہے تو گھٹن محسوس کرتی ہیں۔جب پورے پس منظر کے بغیر

انہیں آگاہی دی جائے گی تو ایسے ہی تصورات پیدا ہوں گے۔ان پر جبر نہ کیا جائے۔فطری طور پر وہ خود بخود ادنیٰ درجے سے اعلیٰ درجے تک آجائیں گی۔ اکتاہٹ محسوس نہیں کریں گی۔کبھی رات ایک دم نہیں آتی اور نہ سورج ایک دم سے نکل آتا ہے۔آہستہ آہستہ انسانی فطرت کے مطابق ترغیب دی جائے۔''

''ہمارے سامنے کئی فرقے ،مسلک یا مکتبہ فکر ہوں گے، ہم یا تو خودکسی کی نمائندگی ۔۔۔۔''

''نہیں۔! قطعاً نہیں۔ ہمارا پیغام فلاح انسانیت کا ہے۔وہی محبت انسان، قرآن مجید میں انسان مخاطب ہے۔پھر مومنین کی باری آتی ہے۔یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مومن اچھا مسلمان نہ ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اچھا مسلمان ایک اچھا انسان نہ ہو۔یہی بات تو بتاتی ہے کہ دین انسان کے لئے کیا اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔جس سے وہ اچھا مسلمان بنتا ہے، پھر مومن۔ ہمارے پیغام میں جب شہرت کا حصول یا انانیت نہیں ہو گی، تو ہمارا تعلق صرف انسانی فلاح سے ہو گا۔کیونکہ نفسانیت ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔انانیت کو نکال دیں ،جو اپنی الگ شناخت بنانے پر مجبور کرتی ہے تو باقی فقط فلاح ہی بچتی ہے۔ ہمارے اذہان میں صرف اور فقط امت مسلمہ ہو تو ہم اسلام کے نمائندہ قرار پائیں گی۔''

''اس طرح ہمارا دائرہ عمل محدود نہیں لا محدود ہو جائے گا۔'' ان میں سے ایک لڑکی بولی۔

''جی۔!جس طرح میں نے ابتداء میں خواتین صحابیات کا واقعہ سنایا، اس کا مقصد یہی ہے کہ خواتین کم مسلمان نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا درجہ کم تر ہے۔یہ تو فطری ساخت کی بناء پر ان کے دائرہ عمل مختلف ہیں ۔ اب میں سمجھتی ہوں کہ یورپ کی وہ خواتین جو حجاب پہنتی ہیں اور اپنی زندگی کو اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں وہ ہم سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ وہاں کی نفرت اور تعصب کا شکار ہیں ۔ وہ زیادہ مزاحمت کر رہی ہیں۔کبھی ہم نے سوچا کہ وہ حجاب کیوں لینے پر اصرار کر رہی ہیں۔جبکہ وہاں تو کپڑے اتار دینے کی مکمل آزادی ہے۔قوانین بھی مخالف ہیں۔معاشرے میں بھی تعصب ہے؟ ہم انہیں حوصلہ کیسے دے سکتی ہیں ؟ ان کے خیالات اپنے معاشرے کو بتا سکتی ہیں۔یہیں سے

امت واحدہ ہمارے اذہان میں آئے گی۔''

''اس طرح ہم ان کی نہ صرف حوصلہ فزائی کریں گی۔بلکہ انہیں مزید مضبوط ہونے میں مدد دیں گی۔'' ایک لڑکی نے کہا۔

''بالکل۔! اگر یورپ میں حجاب کو سیاسی علامت مان بھی لیا جائے تو کیا ہے؟ وہ ایسا سوچتے رہیں لیکن ہمیں ہی احساس دلانا ہے کہ یہ سیاسی نہیں ہماری دینی ضرورت ہے۔'' اس نے کافی حد تک جذباتی لہجے میں کہا۔

''جی۔!اس کا بہترین طریقہ تو یہی ہے کہ یورپ جس قدر اسلامی تہذیب کے بارے میں اپنی نفرت اور تعصب کا اظہار کرتا ہے، ہمیں اس کا جواب نہ صرف اپنے قول سے بلکہ فعل سے دینا چاہیے۔ہمارے معاشرے میں حجاب کا فروغ زیادہ ہونا چاہئے۔'' وہیں موجود ایک لڑکی نے کہا۔

''اصل میں وقت کے ساتھ ساتھ جہاں سوچنے کا انداز بدلا ہے وہاں بات سمجھانے کے انداز بھی بدلے ہیں۔اب جب تک آپ کی بات میں مضبوط دلائل نہیں ہوں گے، بات قبول نہیں کی جائے گی۔سو اب ہمارا کام تحقیق کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔کیونکہ ایمان والوں کے لئے تو کلام رب جلیل ہی کافی ہے۔لیکن وہ جو کمزور ایمان رکھتے ہیں یا پھر وہ جو ایمان والے نہیں ہیں، انہیں دلیل و براہین کی ضرورت ہے۔ان کے لئے دلیل تو دینا ہو گی اگر ہم سچے ہیں۔''

''ہم سچے ہیں۔ ہمارا پیغام سچا ہے۔۔۔'' ایک لڑکی نے بہت جذباتی انداز میں کہا۔

''میں اگر یہ سوال کروں کہ بتاؤ تم کس بنیاد پر کہہ رہی ہو تو۔۔۔؟'' اس نے پوچھا

''کیونکہ یہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے جو اٹل ہے اور سچا ہے۔اس لئے نہیں کہ مسلمان ہوں اور اس لئے کہہ رہی ہوں ۔ بلکہ اسے جب اور جہاں آزمایا جائے گا، وہیں پورا اترے گا۔اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹ جانے کے لئے ہے۔ گھرے اندھیرے میں ہلکی سی کرن بھی باطل کو تاراج کر دیتی ہے۔'' اس لڑکی نے جذباتی انداز میں کہا۔

''بالکل۔! یہی انداز، لیکن ہمیں اس سے بھی آگے جانا ہے۔غیر مسلم کی ہر

"کیوں" کا جواب بھی دینا ہے۔اس کی خامیاں بیان کر کے نہیں، اپنی خوبیاں بیان کر کے۔ ہمارا سب سے پہلا کام یہی ہوگا کہ پردے پر تحقیق کریں۔اس کے ہر پہلو کا جائزہ لیں۔ اور اپنی ان مسلم بہنوں کے سامنے رکھیں جو ابھی پردہ نہیں کرتیں۔پھر وہ قبول کرتی ہیں تو الحمدللہ، نہیں کرتیں تو پھر سے کوشش کرنی چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔چند لمحے بعد وہ بولی، "مزید کوئی سوال اگر آپ کرنا چاہیں۔"

"فی الحال تو نہیں ہے۔اگر ہوا تو دیکھیں گے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ٹھیک ہے، ہم اپنا اپنا کام کریں۔" شبانہ نے کہا اور پھر اٹھ گئی۔کچھ دیر بعد ہال خالی ہوگیا۔شبانہ اپنے آفس میں گئی تو سعدیہ بھی وہیں جا پہنچی۔جیسے دیکھ کر وہ بولی۔

"ہمیں ایک اچھی ٹیم مل گئی ہے۔اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا کام درست سمت میں چل پڑے۔"

"انشاء اللہ ہوگا۔لیکن میں اکثر سوچتی ہوں، ہمارا معاشرہ جو مرد کا معاشرہ ہے، ہم اس میں کہاں تک اپنا کام کر پائیں گی۔" اس نے پوچھا۔

"سعدیہ۔!یہی تو ہم ثابت کرنا ہے کہ ہم سب کچھ کرسکتی ہیں۔حجاب ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔اور نہ ہی یہ مردوں کا معاشرہ۔اور دوسری بات یہ ہے کہ ہماری نیت خالص ہے۔ہمیں تائید الٰہی ضرور ملے گی۔اور تیسری بات یہ کہ اس دور کا تقاضا کمرشل ہے۔مشن تو ہے ہی لیکن ہمارے کام کی بنیاد جب کمرشل ہے تو بلاشبہ نفع کا حصول بھی ہوگا۔تم پریشان نہ ہو۔دیکھنا ہمارا کام پوری دنیا میں پھیلے گا۔" شبانہ نے تحمل سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں پریشان نہیں ہوں۔بلکہ اپنے گھر والوں کی وجہ سے ڈسٹرب ہوں۔وہ لوگ اس تجسس میں ہیں کہ میں کیا کرتی ہوں، کدھر جاتی ہوں۔۔۔وہ مجھے دہشت پسند، شدت پسند اور نہ جانے کیا کچھ خیال کرنے لگے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی

"اچھا ہے، انہیں دکھاؤ، انہیں اپنے کام کے بارے میں بتاؤ، اور ثابت کرو کہ ایسا کچھ نہیں ہے، بلکہ تم تو وہ فریضہ ادا کرنے نکلی ہو، جس کی عورت کو اس زمانے میں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ سمجھانے میں بڑا وقت لگے گا۔" وہ بڑبڑائی پھر تیزی سے بولی۔"خیر۔!مجھے تو

اپنا فرض نبھانا ہے اور وہ میں نبھاؤں گی۔اس میں کوئی دوسری بات نہیں ہے۔"

"سعدیہ۔!مخالفت تو ہوگی۔غیر بھی کریں گے اور اپنے بھی۔دکھ ہوتا ہے جب اپنے ہی مخالفت پر اتر آئیں۔وہ ہمارا نکتہ نظر ہی نہیں سمجھ سکتے۔لیکن ہم نے اپنا کام کرنا ہے۔ایک سوچ دینی ہے۔وہ ہم دیں گے۔باقی اللہ ہمارا حامی و ناصر ہے۔وہ ہمیں استقامت تو دے گا نا۔۔۔" شبانہ نے جذب سے کہا تو سعدیہ مسکرا دی۔پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔شبانہ اسے دیکھتے ہوئے بہت حوصلہ محسوس کر رہی تھی۔اسے یونیورسٹی والی سعدیہ یاد تھی۔

❀....❀....❀
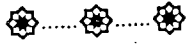
اس دن زرق شاہ بنا بیساکھیوں کے مسجد کی سیڑھیاں چڑھ کر حوض کے قریب جا پہنچا۔اس وقت دن خاصا چڑھ آیا تھا۔صحن میں کوئی نہیں تھا۔چند کبوتر تھے جن میں کچھ دیوار پر جا کر بیٹھے ہوئے اور کچھ صحن میں لٹیناں لے رہے تھے۔تبھی اس کی نگاہ حجرے پر پڑی جس کا ایک پٹ کھلا اور دوسرا بند تھا۔وہ اس کی جانب بڑھ گیا۔اس نے دروازہ پر دستک دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اندر سے استاد جی کی آواز آئی۔

"آجاؤ بیٹا۔!"

وہ اندر چلا گیا۔علیک سلیک کے بعد کچھ دیر حال احوال کی باتیں ہوتی رہیں۔

"بہت دنوں بعد آئے ہو، مصروف تھے؟" استاد جی نے انتہائی شفقت سے پوچھا

"میں ذات اور شناخت سے لے کر نسبت تک میں پھنس گیا ہوں۔میں چاہتا ہوں کہ نسبت جوڑلوں۔مگر مجھے کوئی طریقہ، کوئی لائحہ عمل نہیں مل رہا ہے۔کن افکار کے سہارے میں اپنی نسبت تک پہنچوں۔" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔تب وہ بڑی نرمی سے مسکراتے ہوئے بولے۔

"میں نے تو سوچا تھا کہ تم نے بہت غور وفکر کیا ہوگا۔اب تک کسی نکتے پر پہنچ گئے ہوگے۔مگر تم نے بھی کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں کی۔یہ تو ہمارے آج کے نوجوان کا مسئلہ ہے۔زندگی میں ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب ہم اپنی ذات پر غور کرتے ہیں۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے لئے یہ وقت جوانی میں آجاتا ہے۔"

"لیکن میں کن افکار پر اعتماد کروں۔۔۔" اس نے دھیرے سے پوچھا

”جن افکار پر تیرا دل مطمئن ہو جائے۔اصل مرشد تو دل ہی ہے نا۔۔۔یہی لوتھڑا اگر درست ہے تو سب درست ،اگر اس میں کہیں کجی ہے تو سب ٹیڑھا۔اصل میں تم خود الجھے ہوئے ہو۔تمہارے اندر موجود نفس،تمہیں ان الجھنوں سے نکال ہی نہیں رہا۔کیونکہ جن افکار نے تمہیں جڑوں سے ہلا دیا ہے انہی میں تمہاری مضبوطی چھپی ہوئی ہے۔تم نے ان پر غور ہی نہیں کیا۔“ استاد جی نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے غور کیا ہے استاد جی۔!میں اپنی منزل کے بارے میں مطمئن ہوں لیکن میری منزل اوجھل ہے اور اتنے راستے ہیں کہ ان راستوں پر آ کر الجھ گیا ہوں۔نجانے کون سا راستہ منزل پر پہنچا دینے والا ہے۔میں تذبذب میں ہوں۔“ وہ الجھے ہوئے بولا

”بے شک تمہارا تذبذب فطری ہے۔لیکن یہ دلالت کرتا ہے کہ تم نے اپنے آپ کو نہیں دیکھا۔کیا تم اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے ہو کہ منزل کی جانب چل سکو۔۔۔؟“ استاد جی نے پیار سے کہا۔

”جی۔۔۔یہ کیسے۔۔۔میں۔۔۔“ وہ ہکلا کر رہ گیا۔

”دیکھ میرے بیٹے۔!جب محبت من میں آجاتی ہے تو پھر وہاں کچھ اور نہیں رہتا۔ ماسوا کا انکار خود بخود آتا چلا جاتا ہے۔بات بہت لمبی ہے لیکن اختصار سے فقط اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جسے تم اپنے من میں بسانا چاہتے ہو،کیا اپنے من کو اس کے شانِ شایان بنایا ہے؟ جب تک اپنے آپ سے آشنا نہیں،منزل سے آشنائی کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔من میں شکوک و شبہات ہیں تو وہاں محبت اتر ہی نہیں سکتی۔یہی ایمان ہے۔“

”کیا میں انہی راستوں میں الجھ کر رہ جاؤں گا؟“ وہ مایوسی میں بولا

”نہیں۔! یہ راستے کوئی وقعت نہیں رکھتے،جب منزل پر بھروسہ ہو۔کیا منزل تمہاری طرف نہیں آ رہی ہے۔یہ ذرا سی بات سمجھ کیوں نہیں آتی بیٹے کہ وہ اللہ جس کی چاہت تم اپنے من میں رکھتے ہو،اس کا تو کہنا ہے کہ وہ ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔ایک قدم اس کی جانب بڑھاؤ تو دس قدم اس کی جانب جاتا ہے۔اگرچہ یہ ساری سمجھانے کی باتیں ہیں۔معاملہ کچھ اور ہے،جس وقت منزل کی طرف نگاہ کی۔اللہ کی جانب رجوع کیا۔تبھی سفر شروع ہو گیا۔پھر راستے کہاں گئے۔اصل قیمت تو خلوص کی ہے۔اور خلوص کا جوہر عشق ہے،جس من میں پیدا ہو گیا۔دیکھو نا۔!یہ جو ایمان ہے،کون سی طاقت

اسے مضبوط کرتی ہے۔خلوص سے پختگی کس شے سے آتی ہے۔عشق کے سوا کوئی قوت ایسی نہیں جو باطل کا انکار کروائے۔جب تعلق ہی براہ راست ہے تو پھر راستہ بھی وہی دکھاتا ہے۔ظلمت چھٹتی ہے اور نورِ الٰہی خود انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔“

”کب۔۔۔کیسے۔۔۔“ وہ تذبذب سے بولا

”عشق کا راستہ حُسن ہے اور عشق کی فطرت کیا ہے؟ وصل۔۔۔پانے کی جستجو میں لگے رہنا۔یہاں تک حق کی شہادت دے دے۔منزل کو پالینے کی تڑپ کہاں ہوتی ہے۔۔۔ تمہارے من ہی میں نا۔۔۔اگر تڑپ ہی من میں نہیں رہی تو پھر کہاں کے راستے ،کہاں کی منزل۔۔۔اگر تڑپ میں خلوص ہے اور عشق جہد مسلسل پر آمادہ کئے رکھتا ہے تو پھر کسی الجھن کا سوال نہیں۔اسی جہاد میں شہادت مل جانا ہی منزل ہے۔عشق الجھنے نہیں دیتا۔کیونکہ اسی کے آنے سے کوئی الجھن نہیں رہتی۔اب آتے ہیں راستے کی طرف اگر تم اس پر اصرار ہی کرتے ہو تو۔۔۔“ استاد جی نے نرم لہجے میں کہا۔

”ہاں۔!کوئی تو راستہ ہوگا۔جس پر چلنا ہے۔جو منزل کی جانب جاتا ہے۔اب عشق کی بدولت چاہے دو قدم پر ہی منزل مل جائے یا پھر ساری عمر کی مسافت میں بھی نہ ملے۔۔۔“ وہ جلدی سے بولا

”وہ صراطِ مستقیم ہے،وہی معیار ہے،وہی سچائی ہے۔وہ ہے کلامِ الٰہی،جو دے دیا لے لو اور جس سے منع کیا اسے چھوڑ دو۔اسی سے نگاہ ملتی ہے کہ کون سا راستہ بندگی میں لے جاتا ہے کون دلدل تک جاتا ہے اور کونسا منزل کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔یہاں جو بھی اور جیسا بھی راستہ بنا کر بیٹھا ہوا ٹیکس وصول کر رہا ہے۔وہ خود بخود عیاں ہو جاتا ہے کہاں انانیت ہے،کہاں نفس پرستی ہے اور کہاں نورِ الٰہی موجزن ہے۔اب سوال یہ ہے کہ آخر اسی پر اصرار کیوں؟ یہی راستہ چنا جائے۔یہ وہ مقام ہے جہاں من میں ابھی شکوک شبہات ہیں۔تب سارے راستوں کو دیکھا جائے کہ فلاح انسانیت کی راہ کون سی ہے؟ اگر فلاح انسانیت کی راہ ”صراطِ مستقیم“ ہے تو اپنا لیں۔تب یہ مجبوری کی نیکی ہے۔یہاں میں جبر نہیں کر رہا کہ بلا تحقیق مان لو۔تحقیق کرو جہاں تک مطمئن ہونے کے لئے کرو۔مگر اس کے لئے بھی عشق چاہئے۔سچائی کا ترازو تمہارے ہاتھ میں ہو۔خود کو اس اہل بناؤ کہ سچائی کا ترازو اپنے ہاتھ میں لے سکو۔جہاں شکوک و شبہات جیسی آلودگی ہے وہاں عشق جیسی پاکیزہ شے

آہی نہیں سکتی۔"

"کیسے ۔۔۔کیسے معلوم ہو گا کہ میں اپنے من کو اس قابل بنا چکا ہوں۔۔۔ کہ عشق۔۔۔"وہ آہستہ سے بولا

"یہ سب کردار سے واضح ہو جاتا ہے۔کردار ہی اظہار ہے۔وہی بتاتا ہے کہ یہ اپنے من میں کیسے خیال رکھتا ہے۔کردار ہی شہادت دیتا ہے کہ اس کی نسبت کیا ہے۔کیونکہ نبی رحمت، سرورِ کونین رحمت العالمین اور حقوق انسان کے سب بڑے داعی حضرت محمد ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع پر فرما دیا تھا کہ ذات پات ،نسب کا غرور ،عربی یا عجمی کی فضیلت نہیں بلکہ تقویٰ یعنی کردار ہی باعث فضیلت ہے۔نسبت تو وہی اور اسی کی ہو گی جس کے خیالات ذہن میں ہیں۔کردار بھی ویسا ہی ہو گا۔"

"اتنی بات تو میں سمجھ گیا ہوں استاد جی۔تاہم ایک بات ضرور سمجھنا چاہوں گا کہ کیا عشق کی معراج شہادت ہے۔۔۔؟"وہ بولا۔تو استاد جی قدرے جذباتی ہو گئے۔انہوں نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ بہت تفصیل طلب بات ہے۔ایک نشست میں نہیں کی جا سکتی۔تاہم میں اتنا کہہ دیتا ہوں کہ اصل مقصود قربانی ہی ہے۔شہادت دینا، اپنے آپ کی ، اپنے اظہار کی، اپنے من کے اندر کی۔۔۔یہ جان لو کہ مردہ کی قربانی نہیں ہوتی۔۔۔ہمیشہ زندہ کی قربانی ہوتی ہے۔۔۔کیا تمہارا کردار زندوں والا ہے۔زندہ لوگ ہی اپنی قربانی دیا کرتے ہیں ۔تم کیا سمجھتے ہو۔۔۔ہر طرف دکھائی دینے والے انسان زندہ ہیں؟اگر زندہ ہوتے تو ان میں ہوش بھی ہوتا ،ان کا شعور بیدار ہوتا۔خود کو مسلمان بھی کہلوائیں اور مردہ بھی ہوں ایسا ممکن نہیں ہے۔زندگی ہی زندگی کو جنم دیتی ہے۔کیا تم اسے مردہ نہیں گردانو گے جو یہ الجھن لئے پھرتا ہے کہ میں اللہ سے محبت کیسے کروں؟ کیا وہ مردہ نہیں ہے جو دعویٰ تو عاشق رسولؐ کا کرے اور اس کے کردار سے شہادت یہ ملتی ہو کہ اس کے اندر اب بھی بُت پڑے ہیں۔کہیں نسب کے۔۔۔کہیں انانیت کے۔۔۔کہیں شہرت کے۔۔۔کہیں حب جاہ مال کے۔۔۔اور تمہارے جیسے بندے کو یہ پوچھنے کی ضرورت پڑے کی حسینیت کیا ہے۔"

"بے شک قربانی زندوں کی ہوتی ہے۔۔۔"وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ عشق رسول ﷺ کے تقاضے کیا ہیں۔تو سنو!

نبیوں کے باپ حضرت ابراہیمؑ سے حسینیت کا آغاز ہوتا ہے اور انتہاء کربلا کے میدان میں ہوتی ہے۔اپنے کردار سے شہادت کا مطلب ہی یہی ہے کہ فلاح انسانیت کا جو پیغام نبی رحمت، سرکار مدینہ ﷺ لے کر آئے اس سے پوری دنیا کو فیض یاب کر دیا جائے۔یہی اعزاز خاتم النبین ﷺ کی امت کا ہے۔عشق رسول ﷺ کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کیا، جو کہا اپنے آپ کو اس میں ڈھال لو، عشق ہی وہ آگ ہے جو ڈھلنے میں مدد دیتی ہے۔کیا میں اور تم اپنے کردار سے یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہماری نسبت، محبت اور عشق وجہ تخلیق کائنات ﷺ سے ہے۔۔۔؟ اگر ہم زندہ ہوں تو شیطان سو طرح کے بھیس بدل کر ہمارے درمیان موجود نہ ہو۔۔۔ ہر محاذ پر کافرین مسلمانوں کو مطعون نہ کر رہے ہوں۔غیر اقوام کا طرزِ زندگی ،اگر امت مسلمہ میں دکھائی دے رہا ہے تو یہ ہمارے مردہ ہونے کی شہادت نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔ کیا ہمارے مردہ ہونے کی شہادت یہ نہیں ہے کہ ظلم سہہ رہے ہیں اور پلٹ کر جواب نہیں دے رہے؟"

"استاد محترم ۔!بے شک ہر محاذ پر مسلمان ہی کو موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا ہے۔جبکہ فلاح انسانیت کا پیغام تو انہی کے پاس ہے۔۔۔"

"المیہ تو یہی ہے کہ ہم اس قدر مردہ ہیں۔ دشمن انسانیت کے ہتھیاروں ہی کو نہیں سمجھ پا رہے۔ وہ ہماری عورتوں کو ننگا کر دینے کے درپے ہیں جبکہ اللہ کا حکم تو نبی رحمت ﷺ کے ذریعے یہی ہے کہ پردہ کریں۔اب یہ ہم اور تم خود جان لیں کہ موت کے کس مقام پر ہیں۔آج کا میڈیا دشمن انسانیت کا سب سے بڑا ہتھیار بن چکا ہے۔لیکن افسوس کہ ہم اسی میں الجھے ہوئے ہیں کہ یہ ہتھیار اٹھائیں یا نہیں؟اسی سے ان کی جرات ہوئی اور آج کے دور میں وہ کام ہو گیا جو پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔اہانت رسولؐ ۔!اور ہمارا کردار کیا شہادت دیتا ہے، ہمارا عشق کیا شہادت دیتا ہے۔۔۔؟اپنے آپ کو ہی جلا لیا جائے۔یہ تو بے بسی کی انتہا ہے۔موت کی آخری ہچکی۔۔۔ عاشق رسولؐ ہونے کا دعویٰ اپنی قبروں میں لے جاؤ۔مردوں کی بستی میں شیطان دندناتا پھرتا ہے۔"استاد جی روہانسے ہوتے ہوئے بولے۔ان کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں۔

"میں۔۔۔میں۔۔۔"وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

"یہی میں ہمیں موت کی جانب لئے جا رہی ہے۔اپنی اپنی انانیت لئے گروہ در

گروہ بیٹھے ہیں۔اور تم مجھ سے یہ پوچھ رہے ہو کہ نسبت کیا ہے۔نسب سے نسبت نہیں، عشق سے نسبت بنتی ہے۔تم سید زادے اپنے آپ کو دیکھو، کیا تم اس قابل ہو کہ رسول عربی ﷺ سے اپنی نسبت کا دعویٰ کر سکو، دعویٰ وہی کر سکتا ہے جو اپنے کردار سے شہادت دے۔اپنے زندہ ہونے کا ثبوت خود کو جلانے سے نہیں، اپنے زندہ ہونے کا احساس دلانے سے ہے۔سنت نبویؐ کو اپنانے کی شہادت اپنے کردار سے دیں۔رحمت العالمین ﷺ کی اہانت کوئی نہیں کر سکتا۔کیونکہ اللہ پاک نے خود فرما دیا کہ میں نے تیرے ذکر کو بلند کر دیا۔وہ تو خدا اور محبوب کا تعلق ہے، ہم کہاں ہیں؟ اگر ہمارا اس حکم پر یقین پختہ ہے کہ جاء الحق و ذاحق الباطل۔۔۔تو ظلمت جتنی بھی ہو نور آ جانے سے سب چھٹ جائے گا۔اگر ہمیں اپنے پیغام کی سچائی کا ادراک ہے۔عشق کہتا ہے آگ میں کود پڑو تو پھر کود پڑو۔۔۔تبھی رحمت الٰہی سے آگ گل و گلزار ہوتی ہے۔مظلوم نہیں بنو، زندہ ہو کر دکھاؤ۔آج کے کربلا میں یہی شہادت ہے۔''استاد جی نے حد درجہ جذباتی ہو کر کہا تو ان میں خاموشی چھا گئی۔پھر زرق شاہ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''استاد جی۔! میں سمجھ گیا، میرا راستہ کیا ہے، ساری الجھنیں دور ہوئیں۔۔۔میں سمجھ گیا زندگی ہی سے زندگی ملتی ہے۔۔۔میرے نبی رحمت ﷺ کا پیغام زندہ ہے۔۔میں مردہ نہیں۔۔''

''تو پھر سن لو۔! کسی شے کو حاصل کرنے کی جستجو کا نام عشق ہے۔۔۔جمود نہیں ارتقاء ہے، منزل نہیں جہد مسلسل ہے۔۔۔یہ جان لو اور سمجھ لو کہ عشق کے اندر قوت تخلیق ہے۔اسی کی بدولت روح ایمان اور جوہرِ یقین نصیب ہوتا ہے۔زمانے کے ساتھ ڈھل جانے کا نام عشق نہیں، بلکہ عشق بھی اس وقت زندگی پاتا ہے جب کربلا جیسے حالات ہوں۔تبھی شہادت قبول ہوتی ہے اور زندگی بس زندگی پاتی ہے۔عشق مردہ لوگوں کا شیوہ نہیں زندوں کا ہے۔ان کا دعویٰ باطل ہے جو مردہ ہیں۔دشمنانِ انسانیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ بھی عشق عطا کرتا ہے، جاؤ۔! عشق کی دولت حاصل کرو۔۔۔اسی میں سب کچھ پنہاں ہے۔''استاد جی نے شدت جذبات سے کہا اور آنکھیں موند لیں۔نجانے وہ اپنے اندر کیسا دکھ محسوس کر رہے تھے۔زرق شاہ کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔پھر جب انہوں نے کوئی بات نہ کی تو وہ اٹھ گیا۔اپنی گاڑی تک واپس آتے ہوئے اپنے اندر کی

کیفیت کو محسوس کر رہا تھا۔

وہ گاڑی میں بیٹھا تو ڈرائیور نے گاڑی بڑھا دی۔وہ خیالوں میں کھو گیا۔بلاشبہ وہ آج سے پہلے مردہ ہی تھا۔کیونکہ مردے کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔اس کا مادی جسم تو موجود ہوتا ہے لیکن نہ اس میں کوئی فکر ہوتی ہے، نہ خیال اور نہ کوئی سوچ۔اس میں جذبات نہیں ہوتے اور نہ کوئی حس کام کر رہی ہوتی ہے۔اگرچہ وہ کھاتا پیتا اور سانس بھی نہیں لیتا۔اس طرح کھانا پینا اور سانس لینا کس لئے۔محض زندگی کے لئے، جس کا کوئی مقصد نہیں۔یہ تو حیوان بھی کرتے ہیں۔اصل شے تو فکر ہے، جس کے باعث انسان، انسان ہے۔ورنہ وہ بھی حیوان۔یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ کوئی انسان ہو کر حیوان جیسی زندگی بسر کرے اور اس سے بھی بدتر المیہ یہ ہے کہ وہ سانس بھی لے مگر اس کے پاس کوئی فکر نہ ہو اور وہ بے حس اور جذبات سے عاری ہو۔قومیں وہی زندہ رہتی ہیں جن کے پاس زندہ افکار ہوتے ہیں۔زندگی ہی زندگی دے سکتی ہے، موت کیا زندگی دے گی۔

❁.....❁.....❁

اس دن چھٹی ہونے کی وجہ سے سعدیہ گھر پر ہی تھی۔فجر پڑھنے اور اپنے معمولات کے بعد وہ کچن میں گئی۔چائے بنا کر وہ لکھنے کی میز پر آ بیٹھی۔تب سے وہ اپنے کام میں مگن تھی۔ایسے میں ملازمہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کمرے میں آ گئی۔اس نے ہولے سے کہا۔

''آپ کو بیگم صاحبہ نے بلایا ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے میں آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے کھڑکی کے پار دیکھا باہر روشن دھوپ میں سبز پودے بہت ہی دلکش لگ رہے تھے۔یوں آنکھوں کے سامنے خوبصورت منظر آنے سے اس کے من میں خوشگوار لہر دوڑ گئی۔اس نے قلم بند کر کے اپنے سامنے پڑے کاغذوں پر رکھا۔اور پھر اس دلکش منظر میں محو ہو گئی۔ملازمہ جا چکی تھی۔وہ کچھ دیر اس منظر سے لطف اندوز ہوتی رہی۔پھر ایک لمبی سانس لے کر اٹھ گئی۔

اس کی ماما ڈرائنگ روم میں تھیں۔اس کے سامنے میز پر ناشتہ دھرا ہوا تھا۔اسے اپنی ماما پر بہت پیار آیا۔وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تھینک یو ماما۔! کام کرتے ہوئے مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ میں نے ابھی ناشتہ کرنا ہے۔''

''اچھا چلو۔ناشتہ کرو۔'' اس کی ماما نے کہا تو دونوں ناشتہ کرنے لگیں۔اس وقت جب سعدیہ نے چائے پی کر خالی کپ میز پر رکھا تو اس کی ماما بولیں۔''سعدیہ۔!میں نے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''جی کریں۔!''اس نے متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''لیکن، میں چاہتی ہوں کہ تم میری بات کو بہت غور سے سنو، پوری سنجیدگی کے ساتھ، اور پھر اس پر خوب سوچ بچار کرو، تا کہ ہماری بہت ساری پریشانیوں کا خاتمہ ہو سکے۔''ماما نہایت سنجیدگی سے بولیں۔

''ماما۔!ایسی کیا بات ہے جو آپ یوں انتہائی سنجیدگی سے تمہید باندھ رہی ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بات ہی ایسی ہے۔''وہ بولیں۔

''بات سن رہی ہوں۔آپ کہیں۔۔۔''اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''تم جانتی ہو کہ پچھلے دنوں تمہارے پاپا ایک ہفتے کے لئے لندن گئے تھے۔؟'' ماما نے اس سنجیدگی سے کہا۔

''جی، میں جانتی ہوں۔۔''اس نے کہا۔

''یہ ان کا بزنس ٹور کم اور تمہاری آنٹی سے بات کرنے کا مقصد زیادہ تھا۔وہ پوری کوشش کر رہے ہیں کہ تمہاری بات دوبارہ ناصر جمال سے جڑ جائے۔اس کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔''انہوں نے امید افزاء انداز میں کہا۔

''ماما۔!جب ایک بار بات ختم ہوگئی تو پھر اتنی کوشش کیوں کی جا رہی ہے۔جہاں میری قسمت ہوگی۔وہاں میری شادی ہو جائے گی۔اس میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت کیا ہے۔''اس نے بڑے تحمل سے کہا۔

''تم یہ بات اس لئے کہہ رہی ہو کہ تمہیں اس کا احساس نہیں۔ ورنہ تم بھی پریشانی محسوس کرتی۔''ماما نے واقعتاً پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''آخر بات کیا ہے!''اس نے پوچھا۔

''دیکھو! یہ ٹھیک ہے کہ رشتے ناطوں میں خلوص، محبت اور ہمدردی ہونی چاہیے۔تمہارے اور ناصر جمال کے رشتے میں بھی ایسا ہی ہے۔اب کوئی اس کو کسی اور نگاہ

سے دیکھے تو اپنی سوچ ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ناصر جمال نے جو مختصر مدت میں اتنی کامیابیاں حاصل کیں ہیں۔اتنا بزنس پھیلایا ہے اور اس قدر دولت مند ہو گیا ہے، بلاشبہ یہ اس کی محنت کا نتیجہ ہے۔وہ چاہے تو اپنے سے بھی زیادہ دولت مند گھرانے میں شادی کر سکتا ہے۔لیکن۔!وہ رشتے ناطوں میں خلوص، محبت اور ہمدردی دیکھ رہا ہے تو تمہارے ساتھ شادی پر راضی ہے۔''ماما نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ تحمل سے بولی۔

''اور آپ کا ان کے ساتھ کیا خلوص، محبت اور ہمدردی ہوگا؟''

''ہم نے بیٹی دے دی، یہ تھوڑا ہے۔۔اب دیکھو۔! کچھ سال پہلے تمہارے پاپا نے چند پراجیکٹ پر اس کے ساتھ سرمایا کاری کی۔اس نے پوری ایمانداری سے کام کیا اور ہمارے حصے میں بہت سا نفع آیا۔اب تمہارے پاپا مزید پراجیکٹ میں سرمایہ لگا چکے ہیں۔اور وہ۔۔۔''ماما کے کہنا چاہا تو اس نے بات اُچکتے ہوئے پوچھا۔

''اگر میری شادی اس نے نہیں ہوگی تو کیا وہ سرمایہ کاری ختم ہو جائے گی؟''

''نہیں۔! قطعاً نہیں، ایسا تم سوچو بھی نہیں۔وہ تو ہو گی لیکن تمہاری شادی اس کے ساتھ ہو جانے سے ہم سب کو فائدہ کیا ملنے والا ہے، اس پر غور کرو، وہ تمہیں بتاتی ہوں۔'' ماما نے کہا۔پھر لمحہ بھر توقف کے بعد بولی۔''سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تمہارے پاپا یورپ میں اپنا بزنس لے جانا چاہتے ہیں۔اس کی ابتداء ہوگئی ہے۔تم اگر وہاں چلی جاؤ گی تو یہ بہت آسان ہو جائے گا۔بہت سارے قانونی تقاضے آسانی سے حل ہو جائیں گے۔'' ماما نے بتایا۔

''بس یا مزید کچھ اور۔۔۔!''اس نے پوچھا۔

''ظاہر ہے تمہارے بھائی نے بھی بزنس کرنا ہے۔وہ یہاں کے بہت سارے معاملات سنبھال چکا ہے۔آخر ایک دن اس نے تمہارے پاپا کی جگہ لینی ہے۔تمہاری وجہ سے وہ بزنس میں بہت آگے جا سکتا ہے۔وہ وہیں کہیں اچھی سی دولت مند لڑکی سے شادی کر کے ناصر جمال کی طرح اپنا بزنس پھیلا سکتا ہے۔تمہاری بہن کسی دولت مند گھرانے میں بیاہی جا سکتی ہے۔ہماری رشتے داری قائم رہ سکتی ہے۔ابھی ہمیں ان کی ضرورت ہے اور وہ بڑے خلوص سے ہمیں کنویں جیسے بزنس سے نکال کر دریا جیسے بزنس میں لانا چاہتے ہیں۔ اور تمہاری ہاں سے یہ سب کچھ آسان ہو سکتا ہے۔''ماما نے بڑے گمبھیر لہجے میں

صورت حال سمجھائی۔

''یعنی میری وجہ سے آپ ڈھیروں دولت کما سکیں گے۔ میرے بھائی اور بہن کا مستقبل شاندار ہو جائے گا۔'' سعدیہ نے دل پر جبر کرتے ہوئے کہا۔

''بالکل۔! تم اب ٹھیک سمجھی ہو مجھے امید تھی کہ جب تمہارے سامنے اصل صورت حال رکھی جائے گی تو تمہارا فیصلہ وہی ہو گا جو ہم چاہ رہے ہیں۔ تم سمجھ دار ہو، خاندان کے مسائل سمجھ سکتی ہو۔'' ماما کے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''میری قربانی دینے سے آپ اپنی پریشانیاں ختم کر رہی ہیں۔'' سعدیہ نے آہستگی سے کہا تو ماما چونکتے ہوئے کہا۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اس میں قربانی دینے والی کیا بات ہے۔ تم لڑکی ہو۔ کہیں تو تمہاری شادی ہو گی۔ تم خوش قسمت ہو کہ اپنوں میں جا رہی ہو۔ تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟''

''میں وہی سوچوں جو آپ سوچ رہی ہیں تو آج ہمارے درمیان ایسی گفتگو ہی نہ ہو۔ چونکہ میری اور ناصر جمال کی سوچ میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے وہ کچھ ممکن نہیں ہو پائے گا جو آپ سوچ رہی ہیں۔'' وہ بہت نرمی سے بولی۔

''تو لڑکی اپنی سوچ کو بدلو۔'' ماما نے سخت لہجے میں کہا۔ تب وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

''اگر وہ میرے اپنے ہیں۔ خلوص، محبت اور ہمدردی میں مجھے بیاہ کر لے جا رہے ہیں۔ تب کیا ہم انہیں دھوکہ نہیں دے رہے ہیں۔ کیونکہ ہم یہ شادی بزنس کے نکتہ نظر سے کریں گے۔۔۔ پھر ہمارا تو اس سے کوئی خلوص نہیں ہوا۔''

''یہی دنیا داری ہے بیٹی۔! اس دنیا میں کچھ لو اور کچھ دو ہی کا اصول چلتا ہے۔ اور پھر انسان ہی تو انسان کے کام آتا ہے۔ یہ دھوکہ نہیں ہے بلکہ بہت سوچ سمجھ کر اپنے لئے کسی معاملے کا بہترین انتخاب ہے۔ اللہ نے عقل دی ہے تو اس کا استعمال بھی کرنا چاہیئے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہاری شادی کرنی ہے۔ تمہارے لیے بہترین بَر تلاش کرنا۔ یہ عقل سمجھ کا کام ہے۔ اب ہمارے سامنے قدرت کے ایک موقع فراہم کر دیا ہے۔ جس سے نہ صرف تمہارا مستقبل سنور سکتا ہے بلکہ دوسروں کا بھی تو عقل مندی کا تقاضہ یہی ہے کہ اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ لہٰذا تم عقل سے کام لو اور ہاں کر دو تا کہ وقت ضائع نہ ہو۔'' ماما نے

بہت تحمل سے اسے سمجھایا۔

''وقت گذر چکا ہے ماما۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''کوئی نہیں گذرا وقت۔ تمہارے پاپا گئے تھے اور انہوں نے سب سنبھال لیا ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم یہ حجاب وغیرہ خود پر سے ہٹاؤ۔ خود کو پڑھی لکھی، سمجھ دار اور زمانہ شناس ثابت کرو۔'' ماما نے حتمی انداز میں اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ماما اس لئے تو کہہ رہی ہوں کہ اب وقت گذر چکا۔ میرا یہ حجاب اب نقاب میں تو تبدیل ہو سکتا ہے۔ اتر نہیں سکتا۔'' وہ نہایت تحمل اور اطمینان سے بولی۔

''کیوں نہیں اتر سکتا؟ غضب خدا کا تم ہمیں سمجھا رہی ہو۔'' ماما ایک دم ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

''اس لئے کہ میں بہت ساری بری نگاہوں سے بچ گئی ہوں۔ میں خود کو محفوظ سمجھتی ہوں۔ یہی مجھے احساس دلاتا ہے کہ میں مسلمان عورت ہوں اور اسلام مجھ سے کیا چاہتا ہے۔'' وہ اسی اطمینان سے بولی۔

''تمہارا یہی حجاب تیری ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اک یہی حجاب ہٹا دو۔ دنوں میں لاکھوں پاؤنڈ کی مالک بن جاؤ گی۔ وہ سب چیزیں جن کے لئے ایک عام عورت ترستی رہتی ہے۔ تمہارے اشاروں پر حاضر ہوں گی۔ میں بار بار کہہ رہی ہوں کہ نہ صرف تمہارا مستقبل سنور جائے گا بلکہ تم اپنے بھائی اور بہن کا مستقبل بھی سنوار لوگی۔'' ماما نے کافی حد تک نرم لہجے میں کہا مگر لہجے میں اکتاہٹ پھر بھی نمایاں تھی۔

''نہیں ماما۔! زندگی یہ نہیں ہے، زندگی کچھ اور ہے جس کے بارے میں آپ نہیں جانتی۔ اللہ کرے آپ اس زندگی سے واقف ہو جائیں۔ تب آپ کی نگاہ میں یہ سونا چاندی، دولت، چیزیں، بنگلے یہ سب ہیچ ہو جائیں گے۔ نہیں ماما۔! میں جس زندگی سے آشنا ہو چکی ہوں۔ میں اب وہ نہیں چھوڑ سکتی۔ میرا ایمان ہے کہ جو میری قسمت ہے وہ مجھے مل جائے گا اور میرا اللہ میرے ساتھ بہتر معاملہ ہی کرے گا۔'' سعدیہ نے حتمی انداز میں کہہ دیا تو اس کی ماں چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر سخت لہجے میں بولیں۔

''تو سنو پھر لڑکی۔! یہ جن لوگوں نے تمہارا دماغ خراب کیا ہے نا۔ برین واش کر کے اپنے شدت پسندانہ خیال ٹھونسے ہیں۔ ہم ان کے خلاف کارروائی کریں گے۔ قانونی ہو

سکی تو وہ کریں گے۔ اگر وہ نہ ہوئی تو جو ہو سکا ہم کریں گے۔ غضب خدا کا، ہماری اچھی بھلی بیٹی کو پاگل کر کے رکھ دیا اور ہم انہیں کچھ بھی نہ کہیں۔''

''آپ انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''کیوں، ہم کیوں نہیں کہہ سکتے۔ تیرا کیا خیال ہے ہمارا کوئی اثر ورسوخ نہیں۔ ہم یونہی بیٹھے ہیں۔ جو کوئی بھی آئے اور ہمارے بچوں کا ذہن خراب کردے۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ اب وقت گذر گیا لیکن اتنا بھی نہیں، تم اب کہیں نہیں جایا کرو گی۔ بلکہ چند دن بعد میرے ساتھ تم لندن جارہی ہو۔ وہاں تمہارا ذہنی علاج ہوگا۔'' ماما نے انتہائی غصے میں کہا۔

''میں بیمار نہیں۔ بالکل تندرست ہوں۔ الحمدللہ۔! میں جو کچھ کر رہی ہوں پورے ہوش و حواس اور اپنی مرضی سے کر رہی ہوں۔ میرے حوالے سے آپ کسی کو کچھ نہیں کہیں گی۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''یہ ہمارا فیصلہ ہے۔ اگر تم مان جاؤ، سکون سے انہیں چھوڑ دو تو ممکن ہے کہ ہم ان پر اپنا وقت ضائع نہ کریں۔'' ماما نے کچھ اس طرح کہا جس سے سعدیہ کے من میں خوف سرائیت کر گیا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ دولت کی خاطر یہ مادیت پرست دنیا کچھ بھی کر سکتی ہے۔ اُس کی ذات اِس فساد کی وجہ بنے گی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جو تحریک شبانہ لے کر اٹھی تھی، وہ چاہے اُسے ختم نہ کرسکیں لیکن ان کے لئے مشکلات ضرور پیدا کردیں گے۔ وہ جانتی تھی کہ ان کے لئے کہاں کہاں سے مشکلات پیدا کی جاسکتی ہیں۔ جس قدر ہماری قوم جذباتی ہے۔ کھوکھلے نعروں پر اپنی جان لڑا دینے کو تیار رہتی ہے۔ ایسے میں کسی بھی کٹھ پتلی میں جان پیدا کی جاسکتی ہے۔ شیطان تو اس تاک میں رہتا ہے۔ درخت کو کاٹنے کے لئے کلہاڑے میں بھی لکڑی ہوتی ہے۔ یہیں سے بہت سارے لوگ ایسے پیدا کیے جاسکتے ہیں جو تنقید و تحقیر کے واروں سے وقتی رکاوٹیں کھڑی کر سکتے ہیں۔ چند ٹکوں کے عوض، ڈھیر ساری دولت کے حصول میں سودا مہنگا تو نہیں تھا۔ شبانہ کیا سوچے گی۔ اسی کے باعث یہ سب ہو گیا۔۔۔

''سوچ لو اور خوب سوچ لو، میں تمہیں دو دن دیتی ہوں۔ اپنا فیصلہ سنا دو ورنہ ہم اپنے فیصلے پر عمل کریں گے۔'' ماما نے کہا اور اٹھ گئی۔

سعدیہ کے لئے وہ ایسے لمحات تھے جن میں وہ اپنے آپ کو کڑے امتحان میں

محسوس کر رہی تھی۔ ایک جانب اس کے والدین تھے۔ ان کی خواہش تھی۔ بھائی بہن کا مستقبل تھا اور دوسری جانب اس کا اپنا ایمان تھا۔ وہ ڈٹ جانے کا حوصلہ خود میں رکھتی تھی مگر اس کی سب سے بڑی کمزوری یہی تھی کہ اس کی وجہ سے شبانہ پر برا عتاب آنے والا تھا۔ شیطانی قوتیں حرکت میں آنے والی تھیں۔ وہ پودا جو ابھی پھوٹا ہے۔ کونپل کونپل اپنی بہار دکھا رہا ہے، جس پر ابھی برگ و ثمر آنے ہیں۔ یہ اس کا امتحان تھا یا اس کے ایمان کا۔ جو کچھ تھا۔ فیصلے کی گھڑی اس پر مسلط تھی۔ اس نے کوئی ایک فیصلہ تو کرنا تھا۔ ورنہ ٹوٹ پھوٹ لازمی تھی۔

❁.....❁.....❁

زرق شاہ اس نئے نئے آباد ہونے والے ٹاؤن میں جا پہنچا تھا۔ اس نے ڈیش بورڈ پر رکھا ہوا کاغذ ایک مرتبہ پھر پڑھا اور اندازے سے چل پڑا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک بڑے سے بنگلے کے سامنے آکر رک گیا۔ اسے یقین تھا کہ یہی پروفیسر رضی الدین کا گھر ہے۔ ہارن کے جواب میں چوکیدار باہر آیا اور پھر وہ گاڑی سمیت پورچ میں تھا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ سورج مغربی افق تک جا پہنچا تھا۔

''ادھر لان میں پروفیسر صاحب بیٹھے ہیں۔'' چوکیدار نے راہنمائی کی تو وہ اسی جانب بڑھ گیا۔ وہ کھلے سے لان میں سفید کرسیوں کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پتلون شرٹ اور گیلس پہنے ہوئے تھے۔ بھاری جثہ، خشخشی ڈاڑھی کے ساتھ بڑی رعب دار شخصیت رکھتے تھے۔ اسے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ ان کی نگاہ اس کے چہرے پر تھی جیسے وہ اسے اندر تک دیکھ رہے ہوں۔ اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔ تب وہ بڑے خوشگوار لہجے میں بولے۔

''یہ کیا بھئی۔! اتنے دن شیو نہیں کی یا ڈاڑھی رکھ لی ہے۔ یا یہ بھی کسی کردار کا گٹ اپ ہے۔''

''نہیں سر۔! میں نے ڈاڑھی رکھ لی ہے اور میں نے اداکاری کو خیر باد کہہ دیا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا

''ہوں۔۔۔!'' انہوں نے ہنکارہ بھرا پھر چند لمحے توقف کے بعد بولے۔''بہت

عرصے بعد ملاقات ہوئی ہے۔۔۔۔سناؤ کیا حال احوال ہیں؟"

"سر۔! کچھ باتیں ایسی ہیں، مجھے جن کے بارے میں الجھن ہے۔میں انہیں دور کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بڑی مشکل سے بولا۔

"باتوں کو یا الجھنوں کو دور کرنا چاہتے ہو۔" پروفیسر پھر خوشگوار لہجے میں بولے۔

"ظاہر ہے سر الجھنیں دور کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"دیکھو زرق شاہ۔!علم کا حصول بہت بڑی سعادت ہے۔یہ ٹھیک ہے کہ حصول علم میں بندے کو سنجیدہ ہونا چاہیے۔لیکن اس میں خود کو مظلوم ثابت مت کرو۔حصول علم کوئی بوجھ نہیں بلکہ یہ زندگی کی وہ ضرورت ہے جو زندگی کو خوبصورت بناتی ہے۔اسے اس قابل بناتی ہے کہ جینا کسے ہے۔اس لئے حصول علم میں وہی لطف محسوس کرنا چاہیے جیسے دیگر ضروریات کی تسکین میں ہم کرتے ہیں۔" انہوں نے اسی خوشگوار لہجے میں کہا جو بالکل فطری لگ رہا تھا۔

"سر۔!میں یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ اسلامی کلچر کیا ہے اور کیا یہ کسی بھی قوم کے کلچر کو ڈسٹرب کرتا ہے؟"

"نہیں بیٹا۔!اسلامی کلچر کسی کو ڈسٹرب ان معنوں میں نہیں کرتا کہ وہ اپنی چھاپ ان پر لگا دے بلکہ وہ چند اصولوں کی بنیاد پر رویے میں تبدیلی چاہتا ہے۔وہ رویہ جو انسان کی ذاتی فلاح کے لئے ہے۔ذاتی رویہ ہی اجتماعی رویہ بنتا ہے۔چونکہ اسلامی کلچر الہامی ہے۔اس کا روئے سخن پوری انسانیت سے ہے،اس لئے یہ فطری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔اس میں جبر نہیں، بلکہ ذوق وشوق اور لگن ہے۔"

"یہ عبا، جبے اور رومال۔۔۔۔" زرق شاہ نے کہنا چاہا تو وہ جلدی سے بولے۔

"اُو۔!تمہارے ذہن میں اسلامی کلچر کا تصور عربی ثقافت کا ہے۔اسلامی کلچر، عربی ثقافت نہیں ہے۔مثال کے طور پر اسلام نے ستر ڈھانپنے کی بات کی ہے۔اور ایک معیار دے دیا ہے کہ ستر یہاں سے یہاں تک ہے۔عورت کے لئے الگ اور مرد کے لئے الگ۔۔۔اب ستر ڈھانپنا ضروری ہے۔اور اس کے بعد آپ [illegible] چاہیں پہنیں۔اب اگر ایک ہندوستانی مسلمان عربی ثقافت کو اپناتا ہے تو اس کی وجہ دوسری ہے۔وہ سنت نبویؐ کے اتباع میں اپنی پوری ذات کو اسی رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتا ہے۔پھر لباس کے معاملے میں بہتر

سے بہتر پہلو سامنے لاتا ہے۔یہ عام مسلمان سے مومن بن جانے تک کا سفر ہے کہ اپنی زندگی کو سرکار مدینہ ﷺ کے انداز میں گذارنے کی کوشش کی جائے۔وجہ کیا ہے کہ ایک بہترین انسان کی تخلیق جو فلاح انسانیت کے لئے بے تاب رہتا ہے۔معاملہ فقط لباس تک محدود نہیں ہے۔زندگی کے دیگر پہلو بھی اس میں آتے ہیں مثلاً پاکیزگی۔۔۔"

"جی۔یہ اسلامی کلچر ہے۔۔نہ کہ عربی کلچر۔۔۔" وہ جلدی سے بولا

"دیکھ بیٹا۔!عرب میں فقط مسلمان ہی نہیں ہیں،دیگر مذاہب کے لوگ بھی تو تھے اور اب بھی ہیں۔عربی النسل عیسائی بھی ہو سکتا ہے،یہودی یا کوئی بھی۔۔۔ان کے لباس بھی تو وہی ہیں جو عربی ثقافت ہے۔اب ان کے ہاں تو پاکیزگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔۔۔یہ تو اسلامی تصور ہے نا جسے تم اسلامی کلچر کہہ رہے ہو۔اب پاکیزگی ذاتی رویہ ہے۔۔۔اس کے بغیر عبادت کا تصور نہیں۔۔۔اب سوال یہ ہے کہ پاکیزگی کیوں؟"

"جی۔!یہ سوال تو وہ بھی کر سکتا ہے نا جس کے پاس پاکیزگی کا تصور نہیں۔" وہ بولا

"بالکل۔!کسی بھی نئی شئے کے بارے میں سوال کرنا فطری بات ہے۔۔۔اب پاکیزگی کے تصور کو لیں تو یہ کھانے پینے، ذاتی صفائی، مال و دولت اور حتیٰ خیالات تک میں ہو۔یہ اسلامی کلچر ہے۔جب خیالات سے لے کر رویے تک میں پاکیزگی ہے تو اس کا مقصد انسانی ذات کو بہتر سے بہترین بنانا ہے۔۔۔مثال کے طور پر آپ نے جو بھی خیال سوچا ہے، وہ دوسروں پر عیاں کر دیا جائے تو اس پر آپ کو شرمندگی نہ ہو۔" انہوں نے بڑے سکون سے کہہ دیا تو وہ بولا

"آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کیوں؟ کیونکہ میں نے متعدد کتب دیکھی ہیں۔ان میں یہ تو بتایا جاتا ہے کہ فلاں شے حلال ہے یا حرام،فلسفہ حلال وحرام کہیں نہیں کہ کیوں؟"

"یہ تو تم جانتے ہو نا کہ انسان روح اور مادے کا شاہکار ہے۔مادی جسم میں جو خوراک بھی جاتی ہے وہ جزو بدن بنتی ہے۔اور اس کے اثرات بھی ہوتے ہیں۔حلال وحرام کے اثرات بدن پر ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔یہ میڈیکل سائنس بھی ثابت کر چکی ہے۔اب معاملہ آیا روح کا۔روح کو بھی اپنی غذا چاہیے۔روح ایک ایسی شے ہے جو حلال و پاکیزگی

سے قوت پکڑتی ہے اور حرام سے وہ کوما کی جانب بڑھتی چلی جاتی ہے۔خیر۔!یہ ایک لمبی بحث ہے۔اسے مختلف پہلوؤں سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ہمارا موضوع تھا اسلامی کلچر اور پاکیزگی اس کا بنیادی پہلو ہے۔اب دنیا کے کسی خطے میں۔کسی بھی کلچر کا لباس ہو جو ستر ڈھانپے اور پاکیزہ ہو،وہ اسلامی ہے۔اب کوئی اپنا رنگ ڈھنگ مخصوص کرنے کے لئے،اپنی الگ سے شناخت بنانے کے لئے،کسی خاص لباس پر اصرار کرتا ہے تو یہ بہر حال ایک دوسری بحث ہے۔“

”سر۔! میرا ایک سوال یہ ہے کہ اسلامی اصول وضابطے بہترین ہیں تو پھر ہم اسے اپناتے کیوں نہیں۔ہمارے مجموعی معاشرتی روّیے میں اس کی جھلک کیوں دکھائی نہیں دیتی۔۔۔“اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

وہ کہتے ہیں نا دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔مجھے یہ معاملہ کچھ ایسا ہی دکھائی دے رہا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی اصول وضابطے،اسلامی فلسفہ بلکہ دین اسلام نہ صرف فطری ہے بلکہ بہترین ہے۔یہ دعویٰ میں ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے نہیں کر رہا بلکہ یہ ہر مذہب کی طرف سے مان لیا گیا ہے۔سب نے چھان پھٹک لیا ہے۔ صدیوں سے ایسا ہوتا آیا ہے،ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔اب میں نے جو دونوں طرف والی آگ کی بات کی ہے۔اس میں ایک طرف وہ ہے جو غیر مسلم ہیں اور دوسری طرف مسلمان ہیں۔اتنی بات سمجھ گئے ہو۔“انہوں نے پوچھا۔

”جی،اتنا سمجھ گیا ہوں۔“وہ بولا۔

”غیر مسلم اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔کیونکہ ان کے پاس کوئی بنیادی فلسفہ نہیں جو انسانیت کی فلاح کرے۔بلکہ ان کے جتنے بھی نظام ہیں وہ انسانیت کی تذلیل کر رہے ہیں۔کوئی شعبہ اٹھا کر دیکھ لیں۔ایسا اس لئے ہے کہ ان کے ہاں مذہبی حمیت کم اور دیگر مفادات سامنے ہیں۔مثال کے طور پر اہل کلیسا نے بادشاہوں کی سیاست کو اپنے قبضے میں لیا۔انہوں نے انسانیت کے لئے کیا کیا۔تاریخ شاہد ہے۔پھر سائنسدان ان کے عتاب کا نشانہ بنے۔کیونکہ بائبل تو کائنات کے امور بارے کوئی انکشاف نہیں کرتی۔اب سائنس دانوں کا مذہب کا رویہ مخاصمانہ کیوں ہے؟اس کی وجہ اہل کلسیا کا رویہ رہا ہے۔ان کے ہاں عورت کی حیثیت کیا ہے۔عائلی نظام۔۔۔جو بھی۔۔۔چلیں یہاں ہم صرف نظر کر لیتے ہیں کہ

وہ جیسا چاہیں،جینے کا حق رکھیں لیکن۔!مذہبی بھی نہیں رہے اور حیوانیت کی راہ پر چل نکلے۔ چونکہ انسانی فطرت میں اچھائی بھی ہے تو جستجو اچھائی کی تلاش میں اسلامی اصولوں تک آ پہنچی ہے۔غیر مسلم معاشرے کے وہ لوگ جنہیں مذہب سے نہیں اپنے اختیارات جاہ وحشم کی ضرورت ہے۔وہ نہ صرف اسلامی اصولوں سے اپنے لوگوں کو بچانے کے لئے بلکہ اسلامی اصولوں کی مخالفت میں سازش کرنے کے لئے سرگرم ہیں۔کیونکہ یہ ان کی بقاء کا مسئلہ ہے۔ اب جس طرح تحقیق وجستجو عام ہو گی۔علم کے حصول میں جس قدر آسانی ہو گی،اس قدر اسلامی اصولوں کی ترویج واشاعت ہو گی۔یہ حقیقت ہے،اسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔اور اسی شدومد سے مخالفت بھی ہو گی۔سازش کے نئے رنگ ڈھنگ سامنے آئیں گے۔یہ بھی حقیقت ہے۔اپنی بقاء ان کے لئے آگ کی حیثیت رکھتی ہے۔یا تو جل جائیں گے یا آگ بجھا لیں گے۔“

”دوسری طرف۔۔۔؟“اس نے پوچھا۔

”اب دیکھو۔! دین اسلام میں علم کا حصول فرضیت کے درجے پر ہے۔ عبادات سے لے کر زندگی کے ہر پہلو تک کو اس وقت نہیں سمجھ سکتے ہیں جب تک ہمیں اس کا علم نہیں ہو گا۔ہماری سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ ہم علم میں پیچھے ہیں۔یہ ایک حقیقت ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دنیا بھر کے غیر مسلم جن کے ہاں علم کی فرضیت نہیں ہے۔وہ مسلم معاشرے کے دَر پر علم کے حصول کے لئے کھڑے ہوتے۔ہم وہاں پر جا کھڑے ہوتے ہیں اور بڑے فخر سے بتاتے ہیں کہ ہم فلاں یورپ کی درسگاہ سے علم حاصل کر رہے ہیں۔“

”علم تو مومن کی میراث ہے،جہاں سے چاہیں لے لے۔۔“اس کے کہا۔

”بات تو وہی ہے نا علم حاصل کرنا۔اب مجھے یہ بتاؤ کونسا ایسا علم ہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہے؟خیر۔!ہر قوم اور معاشرہ اپنی ضرورت کے مطابق علم حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی ضرورت کی مدنظر رکھ کر اپنا نصاب ترتیب دیتا ہے۔ہم تو اپنی راہیں متعین ہی نہیں کیں کہ ہمیں کرنا کیا ہے۔نت نئے علوم معرض وجود میں آ رہے ہیں تو یہ کون کر رہا ہے۔ انسان ہی نا اور کیا اس کائنات سے باہر ہیں وہ علوم۔نہیں تو پھر اسلامی کلچر یہی کہتا ہے کہ یہ کائنات مسخر کر دی گئی ہے۔فلاح انسانیت کے لئے بنیادی لائحہ عمل اس وقت بھی اور بعد

کے زمانوں کے لئے بھی قرآن حکیم ہی ہے۔ یہی اسلام کا بنیادی نصاب ہے۔ اسی سے علم و حکمت کی ساری راہیں پھوٹتی ہیں۔ اس میں سارے علم محفوظ ہیں۔ قرآن حکیم کی بنیادی اور عملی تشریح سرکار مدینہ، محبوب خدا، سرور کائنات محمد ﷺ کے قول و فعل نے کر دی۔ حدیث مبارکہ کا خزانہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اب اگر اس صورت میں ہم مسلمان پوری دنیا کی قیادت نہیں کر رہے ہیں تو خرابی ہمارے اعمال میں ہے۔ یہی آگ ہمیں ذلت کی گہرائیوں میں لے جا رہی ہے کہ ہمارا استفادہ بنیاد سے نہیں۔ ہماری یہی کمزوریاں، غیر کی سازشیوں کو تقویت دیتی ہیں۔ زور اس پر نہیں کہ ہمیں غیر مسلم کر دیا جائے بلکہ ہمیں اس قدر الجھا کر انتشار کا شکار کر دیا جائے کہ کوئی بنیادی خیال ہمارے ذہنوں میں تقویت ہی نہ پا جائے۔ شک و شبہات کا زہر وہ ہمارے افکار میں ملا دینا چاہتے ہیں۔ اور ہم ان کی سازش کی شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔" پروفیسر صاحب نے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ان حالات میں ہمارے پاس کوئی حل بھی ہے۔؟" اس نے تڑپ کر پوچھا۔

"حل تو ہمارے پاس ہے۔ ہمارے طاقوں اور جز دانوں میں پڑا ہے۔ سرکار مدینہ کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اصل بات ہے اس کی طرف راغب ہونے کی۔ ہمارے لئے یہی پل صراط بنا ہوا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

"یہ تو آپ نا امیدی کی بات کر رہے ہیں۔ تنقید تو سبھی کرتے ہیں۔ آپ کا تجزیہ بڑا پر مغز ہے۔ لیکن اگر آپ کے پاس کوئی حل نہیں ہے تو پھر آپ کی دانشوری کس کھاتے میں؟" زرق شاہ نے مایوس ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! حل تو ہیں لیکن ایسا معاشرہ جس میں انتہا پسندی وہ بھی بلا وجہ ہو وہاں کوئی کیا کر سکتا ہے۔ لیکن میں نا امید نہیں ہوں۔ انقلاب آئے گا تو معاشرہ بھی اسلامی ہو جائے گا۔" پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔ نا امیدی بھی نہیں اور حل۔۔۔"

"اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں رکاوٹ کیا ہے، کبھی تم نے اس پر تحقیق کی؟" انہوں نے پوچھا۔

"پلیز بتایئے۔!" اس نے انتہائی تجسس سے کہا۔

"وسائل پر قابض لوگ کبھی نہیں چاہیں گے کہ علم کا فروغ ہو اور قوم باشعور ہو کر

سچائی تک پہنچے۔ یہی لوگ نہیں چاہتے کہ معاشرتی انصاف ہو، دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ ہوس اقتدار کئی روپ میں جلوہ گر ہے۔ کہیں شخصیات پرستی کے روپ میں اور کہیں علمی میراث کے دعوے دار ہونے کے روپ میں۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ اسلامی اقدار کی پامالی، اسی ملک میں ہو رہی ہے جس ملک کی بنیادوں میں لاالہ الااللہ کے نام پر خون بہا۔ اور انہی بنیادوں پر ملک معرض وجود میں آیا۔" یہ کہتے ہوئے پروفیسر کا لہجہ پژمردہ ہو گیا۔ "کتنا بڑا المیہ ہے کہ اہانت رسول ﷺ کے ممالک سے سفارتی رابطہ ختم نہیں کیا جاتا بلکہ انہیں سیکورٹی دی جاتی ہے۔ مسلمان کی یہ شان ہی نہیں ہے کہ وہ احتجاج کرے۔ مسلمان کا کردار ہی وہی ہے کہ جس سے دوسرے کانپ جائیں۔ جرات نہ ہو کسی کی۔ جبکہ یہاں پر مغربی افکار کے پرچار کے لئے جتنی این جی اوز ہیں۔ انہیں اگر گنا جائے، ان پر تحقیق کی جائے تو زیادہ تر انہی لوگوں کی ہوں گی جو کسی نہ کسی طرح اقتدار کے ساتھ ہیں۔ اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہیں اور کوئی شک نہیں کہ اس میں ملائیت بھی پوری طرح ملوث ہے۔" یہ کہتے ہوئے پروفیسر کا لہجہ شدت اختیار کر گیا تھا۔

"بات تو پھر وہی کی وہی ہے، کوئی حل۔۔۔؟" زرق شاہ نے پوچھا۔

"صدیوں سے سازشوں کی شکار اس قوم کا حل کیا ہو سکتا ہے۔ بدھ مت کو کیسے ختم کیا گیا جانتے ہو۔ اس میں بت پرستی کو فروغ دے دیا گیا۔ آج اپنا پیغام دینے کے لئے میڈیا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ غیر مسلم تو اپنا کام کر رہے ہیں۔ اب اگر ہم انہیں اخلاقیات کا درس دیں کہ بھئی تم ایسے نہ کرو تو یہ ہماری بے بسی ہے۔ اگر کوئی آدھے ادھورے کپڑوں میں ملبوس عورت ٹیلی وژن پر نمودار ہوتی ہے تو جیت کس کی ہے، ہار کس کی ہے؟ لیکن ہمارے ہاں اس جدید آلے کو اپنے مطلب کے لئے استعمال کرنے کی بجائے اس سے روکا جا رہا ہے۔ کتنا کم ہوا؟ چند میگزین کے چند مضمون تک کہ فلاں بندے نے ٹیلی وژن توڑ دیا۔ کیا فلمیں آنا بند ہو گئیں۔ اسلامی شعار کا مذاق اڑانا بند ہو گیا۔ یہ حقیقت ہمارا منہ چڑا رہی ہے۔ اور اس کا فائدہ کس کو جا رہا ہے؟ کون لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں؟ کیا اس سے معاشرے میں انصاف ہے۔ دولت کی تقسیم منصفانہ ہے۔ حل اس کا یہ ہے کہ جب تک انقلاب کے ذریعے ان لوگوں کو ہٹایا نہیں جائے گا۔ اس وقت تک اسلامی کلچر فروغ نہیں پا سکتا۔ مجھے بتاؤ، اگر علم مومن کی میراث ہے تو سائنسی علوم سے مدرسے کیوں گھبرا رہے ہیں۔

انہیں علم حاصل کرنا چاہئے ۔ اور وہ سکول کیا کردار دے رہا ہے ۔ جہاں سائنسی علوم پڑھائے جارہے ہیں ۔ وہاں نصاب سے قرآنی علم کیوں نکالا جارہا ہے۔الجھن کا شکار کون کر رہا ہے اور کس کے ہاتھوں؟اسلامی کلچر کے احیاء کے لئے ، اس تذلیل والے نظام کو ہٹانا ہوگا۔یہی حل ہے۔''

''کیسے ۔۔۔؟'' زرق شاہ نے تیزی سے پوچھا۔

''یہ تم جانو۔!تم کیا کر سکتے ہو۔ویسے فطری طور پر انقلاب کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔انتہا پسندی اپنا رنگ ضرور دکھاتی ہے۔''وہ حتمی لہجے میں بولے۔پھر چند لمحے توقف کے بعد بولے۔''اب دیکھو۔!تم ایک اداکار رہے ہو۔تم جانتے ہو کہ ایک ڈرامے کے عوام پر اثرات کیا ہوتے ہیں۔اگر میں یہ کہوں کہ تم اسلامی ڈرامہ بناؤ تو یہ ایک مضحکہ خیز بات ہوگی۔اسلامی ڈرامہ کیا ہوتا ہے؟ لیکن یہ بات منہ سے نکالتے ہی تم پر فتویٰ نہیں فتوے لگ جائیں گے، جس کا حصول بڑا آسان ہے۔خیر۔!ایک طرف ہمارے گھروں میں ایسے ڈرامے دیکھے جارہے ہیں جن کا ٹارگٹ خواتین ہیں۔انہیں درس کیا دیا جارہا ہے۔فیشن، مکروفریب، سازش اور منافقت کا۔عائلی زندگی میں توڑ پھوڑ کا۔جعلی اور زہریلی انا کا۔۔۔کیا ہم اسے روک پائے ہیں۔نہیں نا۔!ہم ٹیکنالوجی کے ہاتھوں بے بس ہیں۔ یا پھر اتنے راسخ العقیدہ مسلمان نہیں بنا سکے کہ وہ ٹی وی دیکھنا ہی بند کر دیں۔میرے نزدیک یہ حل نہیں۔ ہاں ۔!اگر ہم اسلامی ڈرامہ نہیں بنا سکتے۔لیکن ایسے زریں اصولوں اور بہترین افکار پر تو بنا سکتے ہیں۔جو کم از کم خواتین میں ان کی بہترین صلاحیتوں کی راہنمائی کرے۔اچھے رویے کے لئے رائے عامہ ہموار کی جائے۔ہم گلیمرزدہ ،گھٹیا موضوعات پر رومانوی ڈرامے تو دیکھ رہے ہیں۔اعلیٰ موضوعات پر نہیں بنا سکتے۔اسلامی کلچر کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں،انہیں دور کرنے کی تحریک تو چلا سکتے ہیں۔مثال کے طور پر عوام کو یہ بتایا جائے کہ اعلیٰ سیاسی شعور کیا ہوتا ہے۔عوام جاگیرداری نظام میں کس طرح استعمال ہو رہی ہے۔کرپشن کی حقیقی وجوہات کیا ہیں ۔بھوک اور عزت نفس کی پامالی انسان کو کہاں تک لے جاسکتی ہے۔وہ معاشرہ کیسا ہوتا ہے جس میں دولت کی منصفانہ تقسیم ہوتی ہے۔شخصیات پرستی کیا ہے۔ایسے بت کیسے توڑے جاسکتے ہیں۔سیکڑوں موضوع ہیں۔پہلے ان پر تو کام کریں۔''

''سر۔!آپ نے مجھے راہ دکھا دی۔میں کسی ایسے کام کی تلاش میں تھا۔میری اپنی عبادت تو مجھ تک محدود ہے۔لیکن مظام میں باطل کا انکار ہی دراصل زندگی ہے۔میری راہ تو اور بھی زیادہ مشکل ہے۔مجھے تو چھوٹے چھوٹے بت توڑنے پڑیں گے۔'' زرق شاہ نے یوں کہا جیسے وہ خود کلامی کر رہا ہو۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں بیٹا۔!کسی بھی قسم کی تحقیق ہو۔میں حاضر ہوں۔تیرے جیسے کئی لوگ منتظر ہیں کہ کوئی ایسی تحریک اٹھے۔تم شروعات کرو، قافلہ بن جائے گا۔''پروفیسر نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔'' زرق شاہ نے کہا اور اٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

''نہیں ابھی تم نہیں جاسکتے ہو۔ڈنر کے بعد جانا۔اس دوران ہم کچھ مزید باتیں کر لیں گے۔آؤ،اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔''پروفیسر نے کہا اور پھر وہ دونوں اٹھ کر اندر چلے گئے زرق شاہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے لئے راہ منتظر ہے۔

❁......❁......❁

سعدیہ دوسرے دن بھی آفس نہیں آئی تو شبانہ کو تشویش ہوئی۔گذشتہ دن تو اس نے خود رابطہ نہیں کیا کہ کوئی وجہ ہوگی۔ورنہ وہ خود فون کر دیتی۔اس نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔لیکن دوسرے دن نہ آنے پر شبانہ نے خود رابطہ کرنے کے لئے سیل سے کال ملائی۔دوسری طرف بیل جاتی رہی لیکن کال ریسو نہ کی گئی۔وہ کچھ دیر کوشش کرتی رہی مگر جواب نہیں ملا۔تب اس نے گھر کے فون پر کوشش کی۔تھوڑی دیر بعد کال ریسو کر لی گئی۔دوسری طرف سعدیہ کی ماما بات کر رہی تھی۔علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔

''آنٹی۔!میں شبانہ بات کر رہی ہوں۔سعدیہ کی دوست۔۔۔''

''کون شبانہ،وہی جو میری بیٹی کو ورغلا کر،اس کا برین واش کر کے شدت پسند بنا رہی ہے۔تم اس کی دوست نہیں دشمن ہو۔''ماما نے بظاہر تحمل سے کہا تھا مگر لفظوں میں چھپی آگ تو اپنا تاثر رکھتی ہے۔

''آنٹی۔!آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔نہ تو میں نے اسے ورغلایا ہے اور نہ ہی اس کا برین واش کیا ہے۔اگر اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی آئی ہے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔

اسے احساس ہو گیا ہے کہ ایک اچھا مسلمان کیسا ہوتا ہے۔'' شبانہ نے انتہائی نرم لہجے اور ادب سے کہا۔

''یہی تم جیسے لوگوں کا کمال ہے کہ ذمے داری بھی خود نہیں لیتے۔ اس کی اچھی بھلی زندگی تم لوگوں نے ڈسٹرب کر کے رکھ دی ہے۔ جس سے ہمارا پورا خاندان پریشان ہے۔ خدا کے لئے اس کا پیچھا چھوڑ دو۔'' ماما نے کہا۔

''آنٹی، میں پھر کہوں گی کہ آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس کے بارے کبھی غلط نہیں سوچ سکتی۔'' اس نے ادب آمیز لہجے میں کہا۔

''میں نے کہا نا اس کی ہی نہیں ہمارے پورے خاندان میں پریشانی ہے۔ یہ غلط فہمی نہیں حقیقت ہے۔'' وہ بولیں۔

''اس نے اپنی پریشانی کا کبھی مجھ سے ذکر نہیں کیا۔ آپ مجھے بتائیں میں کوئی مدد کر سکتی ہوں؟'' اس نے پورے خلوص سے پوچھا۔

''تم نے کیا مدد کرنی ہے۔ تم ہی تو اس پریشانی کی وجہ ہو۔ نجانے کون سی اس کی کمزوری تمہارے ہاتھ آ گئی ہے اور میری بچی تمہاری ہر بات ماننے پر مجبور ہو گئی ہے۔'' ماما نے غصے میں کہا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔'' وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔ اسے لگا جیسے معاملہ یونہی معمولی سا نہیں ہے۔

''وہی جو تم سمجھ رہی ہو۔'' ماما نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''کیا میری بات سعدیہ سے ہو سکتی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔! بالکل نہیں، وہ پہلے ہی ذہنی طور پر بہت پریشان ہے۔ میں اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ تم بھی سن لو، اس سے رابطہ کرنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ میں چند دن بعد اسے ذہنی علاج کے لئے لندن لے جا رہی ہوں۔ میں اسے تم لوگوں کے چنگل سے نکال لینا چاہتی ہوں۔'' ماما نے یوں حقارت سے کہا جیسے وہ اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

''آنٹی آپ ایک بار میری بات اس سے کروا دیں۔ میں اس سے پوچھ تو لوں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ پلیز۔! آپ یہ بات ذہن سے نکال دیں کہ اس کی کمزوری ہے اور وہ

بلیک میل ہو رہی ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ بات آئی کیسے؟'' اس نے پوچھا۔

''جیسے بھی آئی، تم کون ہوتی ہو پوچھنے والی۔'' ماما نے نخوت سے کہا

''ٹھیک ہے، میرا اس سے کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ میں وہ مان بھی نہیں رکھتی جو آپ کا ہے۔ لیکن آپ ہم پر الزام نہیں لگا سکتیں۔ یہ حق آپ کو نہیں ہے۔ میں یہ مان ہی نہیں سکتی کہ وہ میری وجہ سے پریشان ہو سکتی ہے۔ یہ سچ نہیں ہے۔'' اس نے تحمل سے باادب لہجے ہی میں کہا۔

''تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ اب تم مجھے جھوٹا کہو گی۔۔ غضب خدا کا، میں اپنی بیٹی کی زندگی بچانا چاہتی ہوں۔ اور تم کہہ رہی ہو کہ مجھے ایسا کوئی حق نہیں۔ سنو لڑکی۔! آئندہ اگر تم نے سعدیہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو ہم یہ حق رکھتے ہیں کہ تمہارے خلاف کچھ بھی کر سکیں۔ اگر تم ہمارے عتاب سے بچنا چاہتی ہو تو سعدیہ کو بھول جاؤ۔'' ماما نے انتہائی تلخی سے کہا اور مزید کوئی بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔ جبکہ شبانہ ایک دم سکتے میں آ گئی کہ آخر یہ ہوا کیا ہے؟ یہ اچانک اسے کیا ہو گیا۔ اس کی ماما کے لہجے میں اتنی نفرت کیوں تھی۔ سعدیہ نے بات نہیں کی۔ سعدیہ کے نہ آنے سے شبانہ کو نقصان ہو سکتا تھا۔ وہ اس کی سب سے زیادہ قابل اعتماد ساتھی تھی۔ جس کے مشوروں سے نہ صرف وہ حوصلہ پاتی تھی بلکہ بہت ساری ذمے داریاں اس نے لی ہوئیں تھیں۔ بہت سارے پراجیکٹ ایسے تھے جنہیں صرف سعدیہ دیکھ رہی تھی۔ ایک با اعتماد ساتھی کا کھو جانا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے۔ دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ سارے اکاؤنٹ اسی کے پاس تھے۔ ان کی واپسی چاہے ہو جاتی لیکن کچھ عرصے کے لئے وہ ایک دھیلا بھی نہیں خرچ کر سکتے تھے۔ یوں سارے کام جہاں تھے وہیں رک جاتے۔ اس طرح اگر سعدیہ کے بارے میں اس کی ماما کے خیالات دوسرں کو معلوم ہو جائیں تو اس کے اثرات کیا ہوں گے؟ یہ بہر حال تشویش ناک بات تھی۔

شبانہ جوں جوں فون پر ہونے والی گفتگو کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ توں توں وہ فکر مند ہوتی چلی جا رہی تھی۔ سعدیہ کے بارے میں الزامات اور اس کے نہ آنے کے باعث جو نقصان ہونا تھا، وہ اپنی جگہ لیکن ان کی مخالفت کا جو حق جتایا گیا تھا۔ اس بارے وہ

سوچتے ہوئے فکر مند ہونا فطری سی بات تھی۔ وہ سعدیہ اور اس کی فیملی کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ یقیناً سعدیہ ذہنی طور پر ان کے عتاب کا شکار ہو رہی ہوگی۔ وہی لوگ اسے ذہنی اذیت دے رہے ہوں۔ سوچنے والی بات یہ تھی کہ کیا یہ موقعہ ایسا ہے جب سعدیہ کی مدد کی جائے یا پھر اس امتحان سے گذرنے دیا جائے۔ جس کے بعد ایمان پختہ ہو جاتا ہے؟

''کیا تم کسی متوقع مخالفت سے ڈر گئی ہو جو سعدیہ کو اکیلا چھوڑ رہی ہو؟'' اس کے اندر سے آواز ابھری۔

''نہیں۔! کسی کی مخالفت سے نہیں ڈرتی۔ اگر میرے اللہ نے مجھ سے کوئی کام لینا ہے تو بلاشبہ وہ میری مدد کرے گا اور اگر نہیں تو پوری دنیا کے لوگ بھی مل کر میری مدد کو آجائیں میں کامیاب نہیں ہوں گی۔''

''تو پھر ایک سعدیہ کے لئے کیوں پریشان ہو۔؟''

''میں پریشان تو ہوں، وہ میری دوست ہی نہیں۔ بہت اچھی ساتھی بھی ہے۔ وہ جبر کا شکار ہو رہی ہے۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ جبر کا شکار ہو رہی ہے۔ ممکن ہے اس میں اس کی اپنی مرضی بھی شامل ہو۔ وہ تم سے تمہارے کام سے اکتا گئی ہو۔''

''تو چھوڑ کر جانے کا طریقہ یہ نہیں ہے۔ میں کچھ نہ کچھ تو سعدیہ کی فطرت جانتی ہوں۔ وہ واشگاف الفاظ میں مجھے سنا کر چھوڑ جاتی۔ تب میں اس کا کچھ بھی نہ کر سکتی۔''

''کیا پھر تم اسے اکیلا چھوڑ دو گی؟''

''نہیں۔! اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ ہر ممکن مدد کروں گی۔ مجھے پوری بات کا علم تو ہو۔''

''پھر یہ امتحان سے گذر جانے کی بات۔۔۔؟''

''اس لئے ہے کہ وہ خود پر ہونے والے جبر کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جاتی ہے تو بلاشبہ وہ کندن ہو گی۔''

''تو بس پھر اس کے لئے دعا کرو۔ اس تک رسائی کی کوشش کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس نے سوچا اور پھر مسکرا دی۔ وہ یونہی بے سروپا سوچوں میں الجھ کر رہ گئی تھی۔

اس نے سارے خیالات کو ذہن سے نکالا اور اس دن کے شیڈول پر نگاہ ڈالی اور اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ کچھ دیر تک وہ مصروف تو رہی لیکن ذہنی طور پر اس کا دھیان سعدیہ ہی کی جانب رہا۔ وہ اپنا دھیان ہٹانے کے لئے اپنے کام کے بارے میں سوچنے لگی۔

انہیں اپنے کام کی ابتداء کئے ہوئے اتنا زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ اس دوران اس نے ان تمام ذرائع سے رابطے کئے جن سے نہ صرف وسائل کی امید تھی بلکہ تحقیقی معاملات میں بھی استفادہ کیا جا سکتا تھا۔ یہ رابطہ اندرونی اور بیرونی ممالک تک تھا۔ اسے اپنی توقع سے زیادہ رنسپانس ملا تھا۔ اس کی نہ صرف حوصلہ فزائی ہوئی تھی بلکہ اس کے خیالات کو سراہتے ہوئے مزید معلومات کے تبادلے کی بھی آفر کی گئی۔ اس نے جو پراجیکٹ شروع کئے تھے ان میں کچھ نئے تھے اور کچھ پہلے کہیں نہ کہیں چل رہے تھے۔ اپنے ملک کے چند چینل ایسے تھے جہاں پر وہ ایسے پروگرام دینا چاہتی تھی، جن کا براہ راست فائدہ خواتین کو ہوتا۔ اس کے لئے وہ اسکرپٹ تیار کر رہی تھی۔ ان مختلف چینل سے بات چل رہی تھی۔ لیکن اس کے پہلے وہ ایک اور کام کے مکمل ہو جانے کا انتظار کر رہی تھی۔ کسی بھی معاشرے کے رجحان کو جاننے کے لئے کچھ اشارے ہوتے ہیں اور کچھ تحقیقات ہوتی ہیں۔ ان سے یقین کر لیا جاتا ہے کہ عوامی رجحان کیا ہے۔ وہ دیکھنا یہ چاہ رہی تھی کہ لوگ پڑھنا پسند کرتے ہیں یا دیکھنا۔ اسی سے اس کا رخ متعین ہونا تھا کہ وہ اپنا پیغام زیادہ سے زیادہ کیسے پھیلا سکتی ہے؟ جس قدر وہ سوچتی تھی۔ سعدیہ اس سے کہیں زیادہ کام کر رہی تھی۔ وہ اس کے لئے بڑا حوصلہ تھی وہ بہت زیادہ کام کر رہی تھی۔ وہ اس کا بہت زیادہ ہاتھ بٹا رہی تھی۔ لیکن شروعات میں ہی اس کا الگ ہو جانا اس کے لئے یقیناً دھچکہ تو تھا۔

''تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔۔۔؟''

''اگر وہ ہوتی تو اچھا تھا۔''

''میں کب کہتی ہوں کہ اچھا نہیں تھا۔ کام تو اپنی جگہ ہوگا۔ وہ نہیں تو اللہ کسی اور کا سہارا دے گا۔ لیکن اس کی کیا مجبوریاں ہیں۔ اسے کیا ہو گیا ہے؟ کہیں وہ اکتا تو نہیں۔ آزاد فضاؤں کا پنچھی کہیں چند پابندیوں سے گھبرا تو نہیں گیا۔ حالانکہ ان پابندیوں میں نہ صرف اڑان ملتا ہے بلکہ نئے سے نیا جہان اس پر آشکار ہوتا ہے۔''

''ایک دوست کی حیثیت ہی سے سہی، میں اس تک رسائی کی کوشش ضرور

کروں گی۔"

اس نے پورے خلوص سے سوچا اور پھر سے اپنے کام میں مگن ہونے کی کوشش کرنے لگی۔اس کی نگاہیں تو کمپوٹر سکرین پر تھیں لیکن ذہن میں لاشعوری طور پر الجھن چلتی چلی جا رہی تھی

❁.......❁.......❁

سعدیہ آفس جانے کے لئے تیار ہو چکی تھی۔کافی تلاش کے باوجود اسے اپنا سیل فون نہیں مل رہا تھا۔وہ ملازمہ سے بھی پوچھ چکی تھی۔تبھی وہ ڈرائنگ روم میں پڑے لائین فون کے پاس گئی تا کہ کال کر کے معلوم کر سکے کہ اس کا سیل فون کہاں پڑا ہے۔انہی لمحات میں اس کی ماما فون پر شبانہ سے بات کر رہی تھی۔ریسور کریڈل پر رکھتے ہی جب اس کی ماما پلٹی تو اپنے سامنے سعدیہ کو کھڑے پایا۔وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"ماما۔!میرا سیل فون کہاں ہے؟"

"میرے پاس ہے اور میں نہیں چاہتی کہ اب تم دوبارہ ان سے رابطہ کرو۔" ماما نے صاف انداز میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ماما۔!مجھے بلیک میل تو آپ کر رہی ہیں جبکہ الزام دوسروں کو دے رہی ہیں۔" سعدیہ نے آہستگی سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ تم کہاں جا رہی ہو؟" ماما نے اسے سر تا پا دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آفس جا رہی ہوں۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں ہماری بات سمجھ میں نہیں آئی۔" ماما نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ کی بات سمجھ آئی ہے۔آپ نے خود ہی تو چند دن سوچنے کو دیئے ہیں۔لیکن لگتا ہے کہ آپ مجھے سوچنے بھی نہیں دیں گی۔" اس نے تحمل بھرے لہجے میں کہا۔

"بالکل ۔!اس میں سوچنے والی بات کیا ہے۔ختم کرو ان سے تعلق۔" ماما نے صاف انداز میں کہا۔

"ان کا بہت کچھ میرے ذمے ہے۔میں وہ واپس کر دوں ۔تبھی ان سے تعلق ختم ہو سکتا ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"کیا ہے ایسا ان کا تمہارے پاس۔ہمیں بتاؤ، ہم دے دیتے ہیں۔" ماما نے نخوت سے کہا۔

"آپ نہیں دے سکتے۔وہ مجھے ہی معلوم ہے۔باقی میں واپس آ کر اپنا فیصلہ بتا دیتی ہوں۔" وہ بولی تو ماما نے بڑے غور سے اس کی جانب دیکھا اور پھر تجسس سے بولی۔

"اس کا مطلب ہے تم فیصلہ کر چکی ہو؟"

"جی۔!" اس نے اختصار سے کہا۔

"کیا ہے۔ادھر بیٹھو، بتاؤ مجھے۔۔۔" وہ تیزی سے بولیں۔

"میں نے کہا نا، میں ابھی جاؤں گی۔پھر واپس آ کر بتاتی ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں۔!تم کہیں نہیں جا رہی ہو۔ادھر بیٹھو اور مجھے بتاؤ" وہ اصرار کرتے ہوئے بولیں۔اس پر وہ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر بولی۔

"تو پھر سنیں۔!اگر ناصر جمال مجھے حجاب کے ساتھ قبول کرتا ہے تو میں آپ کے ساتھ آج ہی لندن جانے کے لئے تیار ہوں۔ میں شبانہ سے تعلق ختم کر لوں گی اور وہ ایک دن ہونا ہی ہے۔میں ساری زندگی تو ان کا ساتھ نہیں دے سکتی لیکن یہ جو حجاب کے ساتھ میرا ناطہ جڑ گیا ہے۔یہ اب ختم نہیں ہو سکتا۔"

"سارا فساد تیرے انہی خیالات ہی کا تو ہے۔۔وہ کیسے خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشکوک کرے۔اس کی وہاں پر ایک کاروباری ساکھ ہے۔اس کا۔۔۔" ماما نے کہنا چاہا مگر وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"کچھ بھی ہے ،میں نے کہہ دیا۔اب آپ کی اپنی مرضی۔میرا سیل فون۔۔۔" اس کا لہجہ کچھ ایسا باغیانہ تھا کہ اس کہ ماما ایک لمحے کے لئے چونک گئی۔

"وہ میرے بیڈ روم کی سائیڈ ٹیبل کے دراز میں پڑا ہے۔" ماما نے انتہائی اجنبی لہجے میں کہا۔سعدیہ اٹھنے لگی تو وہ اسی اجنبی لہجے میں بولیں۔"سعدیہ ۔!تم اپنے آپ کے ساتھ اور اپنے خاندان کے ساتھ بہت برا کر رہی ہو۔تمہیں نہیں احساس کہ تم ساری زندگی کے لئے تنہا ہو کر رہ جاؤ گی۔"

"مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔کیونکہ میرے لیے میرا اللہ کافی ہے۔" وہ سکون سے

بولی اور باہر کی جانب چل دی۔اور پھر کچھ دیر بعد پورے حجاب میں اپنی گاڑی تک گئی اور وہاں سے چلی گئی۔

اس دن وہ معمول سے ہٹ کر تقریباً دو گھنٹے لیٹ تھی۔وہ سیدھی شبانہ کے آفس میں پہنچی۔ وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔پھر انتہائی خوشگوار انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔۔تمہارا ایمان اتنا کمزور نہیں ہے۔۔''

''شبانہ۔! مجھے لگتا ہے کہ میں اب ایسے مقام پر آگئی ہوں جہاں مجھے اپنے بہت سارے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔۔۔میں نے سوچ لیا ہے کہ اب میں۔۔۔''

''اللہ معاف کرنے والا ہے۔وہ اپنے گنہ گار بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔''وہ سکون سے کہتے ہوئے لحہ بھر توقف کے ساتھ بولی۔''مجھے بتاؤ۔! کیا بات ہے۔''

اس پر سعدیہ چند لمحے خاموش رہی پھر من وعن ساری بات کہہ دی۔ پھر آخر میں بولی۔

''میں نہیں جانتی کہ تمہیں یا تمہارے کام پر کوئی حرف آئے لیکن اپنا آپ بھی بچا لینا چاہتی ہوں۔۔''

''جہاں تک میری مخالفت کی بات ہے۔تم اس سے مت گھبراؤ۔میں اس کا سامنا کرلوں گی۔تاہم ایک بات مجھے صاف بتادو کیا تم فقط ناصر جمال کے ساتھ شادی کرنے کی غرض سے میرے ساتھ ہو یا پھر اپنے ایمان۔۔۔''شبانہ نے کہنا چاہا لیکن اس نے بات اچکتے ہوئے کہا۔

''میں نے اگر یہ حجاب پہنا ہے تو یہ کوئی ڈرامہ نہیں ہے۔میں نے پورے ہوش و حواس سے اس کی اہمیت اور فرضیت کو سمجھتے ہوئے لیا ہے۔ظاہر ہے اس سے بہت پہلے، بہت ساری باتوں کو راسخ کرنا پڑتا ہے۔یہ ٹھیک ہے کہ اس کی محرک تم ہو مگر اس کے اپنانے میں تمام تر میری اپنی مرضی شامل ہے۔میرے خوف زدہ ہونے کی فقط ایک ہی وجہ تھی کہ کہیں یہ لوگ تمہیں نقصان نہ پہنچائیں۔''

''اللہ بہتر کرے گا۔تم حوصلہ رکھو۔''شبانہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔پھر بولی۔

''ویسے اگر تم اکاؤنٹس مجھ سے لے لو تو زیادہ بہتر ہے۔پتہ نہیں میرے حالات کیسے ہوں۔میں کام کرتی ہوں گی۔''

''آسمان نہیں گر پڑے گا۔تم کام کرو۔۔۔''وہ حتمی انداز میں بولی۔

سعدیہ چند لمحے سوچتی رہی پھر اٹھ کر اپنے آفس میں آگئی۔

سہ پہر ہو چکی تھی جب سعدیہ واپس آئی۔پورچ میں گاڑی روکتے ہوئے اس نے دیکھ لیا تھا کہ لان میں اس کے پاپا سمیت سبھی بیٹھے ہیں۔اگر وہ یونہی اندر چلی جاتی تو اچھے تاثر والی بات نہیں تھی۔وہ سیدھی انہی کے پاس چلی گئی۔اس نے سلام کیا اور بیٹھ گئی۔پاپا نے دھیرے سے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

''جب تمہاری ماما نے تمہیں کہا تھا کہ کہیں نہیں جانا تو پھر تم کیوں گئی؟''

''پاپا مجھے آفس تو جانا ہی تھا۔میں یوں اچانک بغیر بتائے تو نہیں بیٹھ سکتی گھر میں۔''وہ نرم لہجے میں بولی۔

''دیکھو سعدیہ۔!تمہاری یہ جاب مجھے قطعاً پسند نہیں اور نہ یہ پسند ہے کہ تم شدت پسندوں میں شامل ہو جاؤ۔یہ ٹھیک ہے کہ تم اچھی مسلمان بننا چاہتی ہو۔کس نے روکا ہے بنو، لیکن ایسی نہیں کہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کرو۔تم نہیں جانتی ہو کہ یہ کس طرح لوگوں کو، خصوصاً نوجوانوں کے جذبات سے کھیلتے ہیں اور۔۔''پاپا نے کہنا چاہا تو سعدیہ بولی۔

''پاپا۔!آپ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''وہی جو تمہاری ماما نے تمہیں سمجھایا ہے۔اور اگر تم نہ سمجھی تو یہ فقط دھمکی نہیں ہے، وہ ادارہ تباہ ہو جائے گا۔پھر تم کہاں جاؤ گی۔''پاپا نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

''پاپا آپ بھی اور ماما بھی مجھے یہی دھمکیاں دے رہے ہیں کہ وہ ادارہ تباہ ہو جائے گا۔تو کر دیں۔کس نے روکا ہے۔ادارے بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔اگر ان میں حوصلہ ہوا، قوت ہوئی اور مزاحمت کر سکے تو کر لیں گے۔لیکن میں جو ہوں اور جیسی ہوں، اسی طرح رہوں گی۔مجھ سے میرا ایمان نہیں چھین سکتے آپ۔۔؟''سعدیہ نے واشگاف الفاظ میں کہا اور اٹھ کر اندر کی طرف چل دی۔تبھی اس کے کانوں میں ماما کی آواز پڑی۔

''دیکھا۔!ایک دن گئی ہے اور اس قدر منہ پھٹ ہو گئی ہے۔کل تک یہ خوف زدہ تھی آج کتنی جرات سے جواب دے رہی۔میں تو کہتی ہوں انہیں سبق مل ہی جانا چاہئے۔''

پاپا نے کیا جواب دیا اس نے توجہ ہی نہیں دی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھتی چلی گئی۔

❁.....❁.....❁
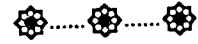
اس صبح زرق شاہ ناشتے کی میز پر آیا تو معمول کے مطابق سبھی وہاں تھے۔وہ خاموشی سے آکر بیٹھ گیا۔اس کے پاپا اسے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔وہ پلیٹ سیدھی کر کے ٹوسٹ اس میں رکھ رہا تھا کہ پاپا انتہائی خوشگوار لہجے میں مسکراتے ہوئے بولے۔

''زرق شاہ۔!بھئی آج کل تم گھر میں بڑا وقت دے رہے ہو،کیا بات کہیں اداکاری کی ''محنت مزدوری'' نہیں مل رہی ہے تمہیں؟''

''نہیں پاپا۔!میں نے اداکاری چھوڑ دی ہے۔''اس نے مسکراتے ہوئے آہستگی سے کہا تو فاطمہ ہنستے ہوئے بولی

''اصل میں حادثے کے بعد ان کے سر پر کافی چوٹ آئی ہے۔ظاہر ہے بندے کا کوئی نہ کوئی اسکرو ڈھیلا ہو ہی جاتا ہے۔''

اس کے معصومانہ انداز پر سبھی ہنس دیئے۔تو ماما نے گھورتے ہوئے کہا۔

''فاطمہ۔!بھائی سے ایسے بات کرتے ہیں؟''

''ماما۔!میں بات نہیں، تبصرہ کر رہی ہوں۔۔۔''اس نے پھر کہا تو سبھی مسکرا دیئے۔تب پاپا بولے۔

''تمہاری یہ سکرو ڈھیلا ہونے والی بات مجھے پسند آئی ہے۔دیکھو نا بالکل ہی بدل کر رہ گیا ہے۔''

''میں تو کہتی ہوں یہ اچھی تبدیلی ہے۔اب یہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے۔صبح کے وقت تو مصلے ہی سے نہیں اٹھتا اور یہ کہ سارا دن کتابوں میں مشغول رہتا ہے۔''ماما نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھی بات ہے۔''یہ کہتے ہوئے انہوں نے چند لمحے سوچنے والے انداز میں توقف کیا۔اور بولے۔''یہی دیکھتے ہوئے میں چند دن سے سوچ رہا تھا کہ تم سے بات کروں۔''

''کیسی بات پاپا۔۔۔؟''اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بھئی فاطمہ تم جلدی سے ناشتہ کرو۔تمہیں کالج سے دیر ہو رہی ہے۔''ماما نے فاطمہ کی طرف دیکھ کر کہا جو بڑی دلچسپی سے ان کی گفتگو میں مگن تھی۔تب اس نے جلدی سے جوس کا گلاس ختم کیا اور اٹھ گئی۔ ماما اسے باہر تک چھوڑنے کے لئے چلی گئی

''تمہارے معمولات بدل گئے۔تم نے اداکاری چھوڑ دی۔اب آگے کے لئے کیا سوچا ہے؟''

''میں کچھ سوچ رہا ہوں۔پچھلے دو تین مہینوں سے میں مختلف شخصیات سے مل رہا ہوں۔زمینی حقائق دیکھ رہا ہوں۔اب بس چند دنوں میں کوئی فیصلہ کر لوں گا۔''وہ سنجیدگی سے بولا۔

''مطلب،کیا۔۔۔؟کس بارے میں یہ سب کر رہے ہو؟''پاپا نے پوچھا۔

''میں ابھی خود مطمئن نہیں ہوں۔جیسے ہی میں کسی فیصلے تک پہنچا۔آپ کو ضرور آگاہ کر دوں گا۔''اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔!جو تم چاہو۔بہر حال میری طرف سے تمہیں آفر ہے۔ہمارا بزنس اور آبائی زمین اس قدر ہیں کہ ممکن ہے تمہیں کام کرنے کی ضرورت نہ پڑے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم بھی بزنس کی دنیا میں آکر مصروف ہو جاؤ۔ میرے خیال میں تمہیں یہ بات سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ میں ایسا کیوں چاہتا ہوں۔''

اس دوران اس کی امی واپس آکر بیٹھ گئی تھی۔

''ممکن ہے میں آپ ہی کے ساتھ آجاؤں یا کچھ نیا کروں۔۔۔''اس نے پھر کوئی حتمی بات سے بچتے ہوئے کہا۔

''اصل میں ابھی اس پر کوئی ذمے داری نہیں ہے۔اس لئے ایسے سوچ رہا ہے۔میں تو کہتی ہوں اب اس کی شادی کر دیں۔''ماما نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ تیار ہو تو ہم بھی تیاریاں کر لیتے ہیں۔''پاپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں شادی بھی کروں گا لیکن کچھ وقت بعد۔''وہ بولا۔

''کوئی لڑکی ہے نظر میں۔۔۔''پاپا نے پوچھا تو زرق شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا

''یہ ٹھیک ہے پاپا کہ آپ کا رویہ آج تک میرے ساتھ دوستوں جیسا رہا ہے۔میں نے جو چاہا سو کیا۔لیکن۔۔۔''

"مناسب وقت پر بتاؤں گا۔۔یہی کہنا چاہتے ہو نا۔۔۔؟" پاپا نے اس کی بات اچکتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔!ایسی بھی کوئی بات نہیں۔لیکن جسے میں پسند کرتا ہوں۔وہ میری رسائی سے بہت دور ہے۔پتہ نہیں میں اس تک پہنچ بھی پاؤں گا یا نہیں۔۔" وہ حسرت آمیز لہجے میں کہتا ہوا کھو گیا۔پھر فوراً ہی چونکتے ہوئے بولا

"خیر۔!جو بھی ہو میں آپ ہی کی پسند کو ترجیح دوں گا۔"

"بیٹا۔!تم میرے اکلوتے ہو اور ایک باپ کی حیثیت سے میں چاہتا ہوں کہ میں چاہوں کہ تمہیں دنیا بھر کی خوشیاں اور سہولیات ملیں۔زندگی تم نے گذارنی ہے، تو پسند بھی تمہاری ہونی چاہیے۔یوں تو بہت رشتے ہیں۔خاندان کی بہت ساری لڑکیاں ہیں لیکن یہ جو تم نے رسائی اور نارسائی والی بات کی ہے نا یہ کچھ میری سمجھ میں نہیں آئی۔" پاپا نے الجھتے ہوئے کہا۔

"چھوڑیں پاپا، جب میں ہی پُر اُمید نہیں ہوں۔تو اس کے ذکر کا فائدہ۔"

"غلط بات ہے۔۔۔اُمید تو کبھی بھی نہیں چھوڑنی چاہئے۔ناامید شخص کی بھی کوئی زندگی ہے۔" وہ بولے۔

"میں نے شاید امید لفظ غلط بولا ہے۔" اس نے فوراً ہی اعتراف کرتے ہوئے کہا "دراصل میں چاہوں بھی تو شاید اس تک رسائی نہ ہو پائے۔"

"ایسی بھی کیا بات ہے بیٹا۔تم بتاؤ ہم کوشش تو کر دیکھیں گے۔" ماما نے پیار سے کہا۔

"میں بتا دوں گا۔اور وہ وجہ بھی جس کے باعث اس تک رسائی ممکن نہیں ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا

"تو ابھی بتا دو نا۔" پاپا ہنستے ہوئے بولے۔

"وہی۔۔۔تھوڑا وقت پلیز۔۔۔ وعدہ رہا کہ جس دن میں نے کوئی فیصلہ کیا، اسی دن آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔" وہ باوجود کوشش کے کہہ نہ سکا۔

"چلو، جب مناسب سمجھو تب بتا دینا، لیکن یہ یاد رکھنا، بعض اوقات دیر بھی ہو جاتی ہے۔کہیں گاڑی نہ نکل جائے۔۔۔" وہ خوشگوار انداز میں بولے۔تو ماما نے فوراً کہا

"آپ بھی نا بس۔۔۔میں اپنے بیٹے سے خود پوچھ لوں گی۔۔ابھی آپ دونوں ناشتے پر توجہ دو۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔!اب ہم تو چلے آفس۔" پاپا نے اٹھتے ہوئے کہا تو اس کے ساتھ ہی وہ موضوع بھی بند ہو گیا۔

وہ ناشتے کے بعد کاریڈور میں آ بیٹھا۔بہت مدت بعد اس کی شادی بارے بات ہوئی تھی۔پہلے تو عموماً اسے چھیڑنے کے لیے یا پھر یونہی اس کا عندیہ لینے کے لئے بات ہوتی۔اس بار جو اس کے والدین کا لہجہ تھا اور اس میں سے چھلکتی ہوئی محبت تھی۔اس نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔نجانے کیوں اس کے بدل جانے پر کچھ زیادہ ہی نرم دل ہو گئے تھے۔پہلے وہ سب اس کی پروا نہیں کیا کرتے تھے۔پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہے تھے۔یقیناً وہ اس بار یونہی نہیں، سنجیدگی سے بات کر رہے تھے۔کیونکہ اس کا اپنا دل گواہی دے رہا تھا۔پہلے جب بھی کبھی ایسی بات ہوتی تھی کوئی بھی چہرہ شریک حیات کے طور پر اس کی نگاہوں میں نہیں آتا تھا۔لیکن آج جب انہوں نے بات کی تو کسی تکلیف کے بغیر شبانہ وقار کا سراپا اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا تھا۔وہ اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ اس کے ایوانِ ذہن کے سنگھاسن پر براجمان تھی۔یوں جیسے وہ اس کے جہانِ خیال پر حکمرانی کر رہی ہو۔

وہ اسے کبھی بھی نہیں بھولا تھا۔جب سے اسے دیکھا تبھی سے وہ اس کے خیالوں پر حکمران تھی۔وہ جو اس کی جانب منفی خیالات لے کر بڑھا تھا۔زندگی کا ایک ایسا سبق لے کر پلٹا جس سے وہ اپنا آپ ہی بھول گیا۔اسے یاد رہا تھا تو بس وہ سبق۔صدائے منصور یونہی نہیں لگتی۔عشق ہی نہیں، روحِ عشق کو بھی اپنے اندر راسخ کرنا پڑتا ہے۔اور تب سے وہ محو سفر تھا۔اس نے اگر شبانہ تک نارسائی کی بات کی تھی تو ٹھیک کی تھی۔وہ خود اس کی طرف نہیں بڑھنا چاہتا تھا۔کیونکہ اس کے دامن میں ابھی تک کچھ نہیں تھا۔کتابوں میں بند لفظ خوشبو نہیں دیتے لیکن جیسے ہی انہیں کوئی پڑھتا ہے اور اپنے کردار سے اس کا اظہار کرتا ہے تبھی ان لفظوں کی خوشبو اپنا اظہار کرتی ہے۔

وہ شبانہ سے بے خبر نہیں تھا۔وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ادارہ بنا چکی ہے۔یہ اسے معلوم نہیں تھا۔اسے یہ غرض نہیں تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے۔اسے تو اپنے آپ سے غرض

تھی کہ اس نے کیا کرنا ہے۔اسے اپنی زندگی کا مقصد ملا تو وہ خود کو شبانہ کے اور زیادہ
نزدیک محسوس کرنے لگا۔اپنائیت کا احساس اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ اسے اپنی سانسوں میں
محسوس کرنے لگا تھا۔وہ اس کی ہر سوچ میں شامل تھی۔کوئی بھی خیال اس سے ہٹ کر نہیں
تھا۔پہلے وہ جس قدر نفرت اور حقارت سے شبانہ کے بارے میں سوچتا تھا۔اب اس قدر
محبت اور خلوص سے اپنے دل کی پنہائیوں میں محسوس کرتا تھا۔ایک غیر مرئی قوت اسے ہر
وقت سوچنے پر مجبور کیے رکھتی۔ایسی کشش جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ہر لمحے اسے
شبانہ سے باندھے رکھتی جس میں احترام ہی احترام تھا۔رسائی میں سب سے بڑی رکاوٹ
اس کی اپنی ذات تھی۔کیونکہ جو سبق اُسے ملا تھا،لفاظی نہیں،کردار تھا۔اسے یقین تھا کہ کردار
اپنا اثر ضرور رکھتا ہے۔اس کی منزل تو شہادت تھی۔اور اس کا کردار خود ہی شہادت دے
دیتا۔یہ فیصلہ خود شبانہ کر لیتی کہ وہ حسینیت کو سمجھ سکا ہے کہ نہیں۔

جب تک اسے احساس نہیں تھا،وہ اپنی دنیا میں مست تھا۔لیکن جونہی اسے اپنا
سبق ملا،جس میں مقصد پنہاں تھا۔اس نے اپنے اردگرد دیکھا۔کئی راہیں اس کے اپنے
اردگرد دیکھیں۔استاد جی سے بات کرنے کے بعد اس نے اپنے آپ ہی کو دیکھا۔وہ کون
ہے اور اس کی نسبت کن لوگوں سے ہے؟وہ کیا تھے اور میں کیا ہوں۔اس پر آشکار ہوا کہ اس
کی نسبت تو ان لوگوں سے ہے،جن کا پیغام محبت ہے۔اگر وہ برصغیر تک محدود ہو کر دیکھتا ہے
تو عظیم نام ہیں جن کی اس سے اور اس کے آباء کی نسبت تھی۔آج کا صوفی ازم اس سے
بہت دور ہے۔اتنا دور کہ جس کا واسطہ ان لوگوں کی تعلیمات سے ہے ہی نہیں۔اس نے
بہت سوچ سمجھ کر بہت سارے لوگوں سے گفتگو و کلام کے بعد یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے کیا
کرنا ہے۔اس کی نیت درست تھی،پرخلوص تھی۔وہ خود اللہ کی راہ میں جوابدہی کا تصور پوری
طرح رکھتا تھا۔دل کے نہاں خانوں میں کہیں سرگوشی ضرور پھوٹتی تھی کہ کاش شبانہ اس کی
تائید کر دے تو وہ عزم سے پوری قوتوں کے ساتھ ڈٹ جائے۔لیکن یہ اس کی اپنے مقصد کا
وہ مقام تھا۔جہاں شبانہ سے کسی اذن کی ضرورت نہیں تھی۔جب وہ اپنے اللہ کے لئے کر رہا
ہے تو پھر سارے معاملات ہی سیدھے ہیں۔

شبانہ کی محبت اس کے من میں جاگزیں ہو گئی تھی۔اس کے نام پر دل دھڑکنے
سے لے کر اس مقام تک،جہاں قوتیں باہم مل کر مزید مستحکم ہو جاتی ہیں۔تب تک اسے

شبانہ کا احساس ضرور تھا۔شعور میں کہیں یہ خواہش موجود تھی کہ شبانہ کی نگاہ اس پر پڑے۔آج
جبکہ گھر والوں نے اس کی شادی کر دینے کی بات کی تو شبانہ ہی اس کے تصور میں تھی۔اس
کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔اگرچہ اس نے کبھی بھی شبانہ پر اپنی نفرت و حقارت کا اظہار نہیں کیا
تھا مگر وہ خود تو جانتا تھا ایک احساس شرمندگی اب بھی اس کے ساتھ بیل کی طرح لپٹا ہوا تھا۔
جس پر تصورات کے کئی رنگوں کے پھول مہکتے تھے تاکہ محبت کی وادی کو مہکایا جاسکے،مگر یہ
سب کچھ اس کے اپنے من تک محدود تھا۔اظہار نہیں تھا۔

اب تک اس نے جو گفتگو اور کلام کی تھی۔اس سے جو کچھ بھی ہو سکا تھا۔اس
کے بعد ایک مقام ایسا آنا فطری بات تھی جہاں سوچوں کی خوشبو نے اپنا اظہار کرنا تھا۔اس
نے اپنا میدان عمل بھی چن لیا تھا۔روشنی کی وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں ظلمت ہو۔اسے
اپنی سوچوں کو عملی صورت دینا باقی تھا۔یہ فیصلہ کسی دن بھی ہونا تھا اور اس دن اس نے
فیصلہ کر لیا۔

صرف دو ہفتوں میں اس نے اپنا سیٹ اپ بنا لیا۔اس نے جو بڑا سا گھر اپنے
دوستوں اور دیگر مصروفیات کے لئے بنا رکھا تھا۔اس کی ساری ہیت ہی بدل دی۔اسے
رہائشی مقصد کی بجائے دفتر کی صورت دے دی۔وہیں اس نے اپنی پروڈکشن کمپنی بنالی۔
جس کے افتتاح پر اس نے پریس کانفرس کی اور اپنے مقاصد بیان کر دیئے۔

❀.....❀.....❀

شبانہ معمول کے مطابق اپنے آفس میں آئی ہی تھی کہ سعدیہ مسکراتی ہوئی اس کے
پاس آ کر بیٹھ گئی۔اس کے ہاتھ میں اخبار تھا جو اس نے شبانہ کے سامنے پھیلا دیا۔پھر ایک
جگہ انگلی رکھتے ہوئے بولی۔

"یہ دیکھو!"

"اخبار شبانہ نے پکڑ لیا اور پھر جوں جوں وہ پڑھتی گئی۔اس کی حیرت بڑھتی گئی۔
پھر اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے بڑبڑا کر بولی۔

"بڑی بات ہے۔۔۔آخر وہ نسبت کو سمجھ گیا۔۔۔"

"کیا سمجھ گیا۔۔؟"سعدیہ نے پوچھا تو وہ چونک گئی پھر سنبھل کر بولی۔

"مطلب،یہ ڈاڑھی سے مزین چہرہ۔۔۔اچھا لگ رہا ہے۔۔۔اور اس کی باتیں

اگر محض دعویٰ نہیں۔وہ اس پر عمل بھی کرے گا تو وہ سمجھ گیا ہے کہ اسے کرنا کیا ہے۔"

"اس کے خیالات تو ٹھیک ہیں اور جس طرح وہ کام کرنا چاہتا ہے۔وہ بھی بہت اچھا ہے لیکن جن موضوعات پر وہ ڈرامے بنانا چاہ رہا ہے، کیا وہ عوام میں مقبول ہوں گے۔ شوبز کی دنیا میں اس وقت کمرشل ازم اور گلیمر چل رہا ہے۔یہ سب کچھ ہونے کے باوجود، جب تک ملٹی نیشنل کمپنیاں اس کا ساتھ نہیں دیں گی۔تب تک تو یہ نقصان ہی کا سودا ہے نا۔۔۔یہ کیسے کر پائے گا یہ سب کچھ۔۔۔؟"سعدیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اصل میں تم نے یہ فرض کر لیا ہے کہ ہمارے معاشرے میں بگاڑ ہی بگاڑ ہے، اس میں بہتری کی گنجائش نہیں ہے۔جو بھی یہ بات سوچ رہا ہے۔وہ غلط سوچ رہا ہے۔ پہلی بات تو ہے کہ انسان کے خمیر میں اچھائی ہے برائی نہیں۔پھر یہ مان لیتے ہیں کہ ماحول اسے برائی کی طرف راغب کرتا ہے تو یہ کوئی اصول نہیں ہے۔ماحول اچھائی کی طرف بھی تو راغب کر سکتا ہے۔یہ تو معاشرتی رویہ ہے نا کہ وہ اپنا ماحول کیسا بنانا چاہتا ہے۔"اس نے کہا۔

"انفرادی رویہ ہی تو اجتماعی رویے کی تشکیل کرتا ہے نا۔۔۔"وہ بولی۔

"وہ ہی کہہ رہی ہوں۔عوام میں اتنا بگاڑ نہیں ہے جتنا پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ماضی میں اسلامی نظام کے لئے تحریکیں چلتی رہی ہیں۔جتنی قربانی عوام نے دی۔ اسے رائیگاں کس نے کیا؟انسان بنیادی طور پر اچھائی پسند کرتا ہے۔لیکن جب اسے بنیادی شعور ہی نہیں دیا جائے گا تو ماحول ہی سے اس نے اخذ کرنا ہے۔اب رہی اس کے ڈراموں کی عوامی مقبولیت۔۔۔اگر وہ اچھے ڈرامے بنائے گا۔ان کا اسکرپٹ مضبوط ہوگا تو بغیر گلیمر اور کمرشل ازم کے بھی وہ مقبول ہوں گے۔"اس نے کہا۔

"کب تک۔۔۔ایک وقت آئے گا کہ فنانس اس کی مجبوری بن جائے گا۔"وہ بولی

"یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ عوام نے پسند کیئے تو یہی بھیڑ چال ہوگی۔۔۔اصل میں مقبولیت کہتے کیسے ہیں۔۔۔یہی نا کہ جو عوام میں رجحان چل رہا ہے۔اس کے مطابق بات کی جائے۔عوام اگر خوبصورت عورتوں کے چہرے دیکھنا چاہتی ہے تو دوسری جانب ناانصافی سے نالاں بھی ہے۔دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے جو برائیاں جنم لے رہی ہیں۔عوام ان سے بھی تنگ ہیں۔کیا یہ عوامی بات نہیں۔اور تم کیا سمجھتی ہو اس وقت

جو ڈراموں میں چل رہا ہے کیا وہ عوام کی ترجمانی ہے۔۔؟"اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔۔ایلیٹ کلاس کے مسائل،عوامی بہر حال نہیں ہیں۔" سعدیہ بولی

"میں مانتی ہوں کہ ڈرامہ بنیادی طور پر تفریحی شے ہے۔لیکن اس میں مقصدیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔کھیت مزدور عورت کے مسائل کس قدر بیان کئے گئے ہیں۔"اس نے بڑے خلوص سے کہا۔

"چلیں۔!یہ تو وقت پر ہے کہ وہ کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ہم اگر اس کی مدد کرنا چاہیں، یا اس سے مدد لینا چاہیں، تو وہ کیا اور کیسے ہوگا۔؟"سعدیہ نے بات کا رخ بدل دیا۔

"جو چاہے،ہم اس کی مدد کریں گے جو ہم سے متعلق ہوئی۔ہم اسے اچھے اسکرپٹ دے سکتے ہیں۔تحقیق کی بنیاد پر زمینی حقائق دے سکتے ہیں۔اور یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہمارے کچھ پروڈکشن کے کام ہیں۔اس کے حوالے کئے جا سکتے ہیں۔بلکہ میں تمہیں بتاؤں کہ ایک چینل پر خواتین کے لئے ٹاک شو کا پروگرام بنایا جا رہا ہے۔اب وہ لوگ چاہ رہے ہیں کہ کم از کم حجاب میں کوئی لڑکی ہو۔اب ان کے پاس کوئی ایسا ڈیپارٹمنٹ نہیں ہے جہاں وہ تحقیق کر سکیں۔اس سلسلے میں وہ مجھ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔"شبانہ نے دلچسپی سے بتایا۔

"ہمیں کرنا کیا ہوگا۔۔؟"اس نے پوچھا۔

"یہی کہ اسکرپٹ تیار کریں گے۔ان کی مدد سے ماہرین کو بلوائیں گے۔ان کی دلچسپی یہ بھی ہے کہ اگر سعدیہ تم۔۔۔میرا مطلب تم میزبانی کرو تو یہ ایک اچھا پراجیکٹ ہوگا۔جو وہ ہم سے چاہتے ہیں۔"اس نے بتایا۔

"دیکھ لیتے ہیں۔لیکن۔۔۔"وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کیا بات ہے۔۔؟"اس نے پوچھا۔

"وہی۔۔۔گھر میں مسئلہ شدت اختیار کر گیا ہے۔۔۔جب تک وہ کسی کنارے نہیں لگے گا،میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔۔۔"اس نے گھمبیر لہجے میں کہا تو ان کے درمیان

خاموشی چھا گئی۔کچھ دیر تک وہ دونوں اپنی اپنی جگہ سوچتی رہیں۔پھر سعدیہ اٹھتے ہوئے بولی۔''میں چلتی ہوں اپنی سیٹ پر۔۔۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔''شبانہ نے آہستگی سے کہا اور اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

وہ آخر تنہا ہوئی تو اس کی نگاہ اخبار پر پڑی، زرق شاہ کی تصویر نمایاں تھی۔وہ اسے بڑے غور سے دیکھتی رہی۔آخری بار جب اس نے زرق شاہ کو دیکھا تھا۔اس وقت وہ ایسا نہیں تھا۔شبانہ نے اس وقت بہت کچھ کہا تھا اور یہ سب کہتے ہوئے اسے خود احساس نہیں تھا کہ زرق شاہ اس کا اتنا اثر لے گا۔اس کی زندگی ہی بدل جائے گی۔ظاہر ہے جب خیالات تبدیل ہوتے ہیں تو اس کا اظہار کردار سے ضرور ظاہر ہوتا ہے۔پھر شبانہ سے اس کا کوئی رابطہ نہیں رہا تھا ورنہ وہ اس کے خیالات بارے ضرور آگاہ ہوتی۔مگر اس نے اپنی ایک الگ دنیا بنا لی تھی۔اور اسی میں وہ آگے بڑھنے کا عندیہ دے رہا تھا۔

''شبانہ۔!اب تو وہ بہت بدل گیا ہے۔اس کے خیالات ویسے ہی ہو گئے ہیں جیسے تم چاہتی تھی۔اب اگر وہ تمہاری طرف بڑھے تو کیا تم اسے قبول کر لوگی۔۔۔''

اس کے من سے آواز ابھری تو وہ بری طرح چونک گئی۔یہ ایک ایسا سوال تھا جس کے جواب سے وہ نگاہیں چرانا چاہتی تھی لیکن پھر بھی وہ تن کر سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''ظاہر ہے میں ایک لڑکی ہوں۔میرے والدین نے مجھے کہیں تو۔۔۔''

''نہیں۔!یہ سارے بہانے ہیں۔سیدھی بات یہ ہے کہ کیا تم اس سے محبت کرتی ہو۔۔؟

''محبت۔۔۔!اب وہ اس قابل ہونے جا رہا ہے کہ اس سے محبت ہی نہیں عشق بھی کیا جا سکتا ہے۔۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں اس کی ذات سے نہیں اس کے خیالات سے محبت ہو سکتی ہے۔اگر ایسے ہی خیالات کسی دوسرے کے ہوں تو کیا تمہارا دعویٰ اس کے لئے بھی یہی ہوگا؟''

''ہر انسان کے ذہن میں کوئی نہ کوئی آئیڈیل تو ہوتا ہے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ کشش ہی دونوں کو قریب لاتی ہے۔لیکن اگر محبت کی جاتی ہے تو وہ کردار سے ہوتی ہے۔اب یہ اپنا اپنا آئیڈیل ہے کہ وہ کوئی کیسا کردار پسند کرتا ہے۔اصل شے تو کردار ہے،ظاہری

حسن تو عارضی شے ہے۔''

''اگر وہ اب تمہاری طرف بڑھے تو۔۔۔۔''

''میرے مقصد کو مزید تقویت ملے گی۔میں نے اسے تب سے پیار کرنا شروع کر دیا تھا جب وہ پوری شدت سے میری مخالفت پر آمادہ تھا۔میرے دل سے یہ ہوک اٹھی تھی کہ کاش یہ اس جیسا ہو جائے جیسا میں چاہتی ہوں۔وہ میری دعاؤں میں شامل رہا ہے۔اب اس روّیے کو کیا کہیں گے؟ میں نہیں جانتی۔''

''مطلب،تم اسے قبول کر لوگی۔؟''

''وہ خود میری طرف نہیں بڑھے گا۔اگر اس نے وہ سبق یاد کر لیا ہوا جو میں نے اسے پہنچایا تھا۔کیونکہ ایسے خیالات رکھنے والے کا کردار اگرچہ مضبوط ہوتا ہے تاہم اس میں مقصدیت زیادہ اہم ہوتی ہے۔''

''بات تمہاری قبولیت کی ہے؟''

''کیوں نہیں۔!میں قبول کروں گی۔جس کے لئے میں اتنی دعائیں کرتی رہی۔اس سے اپنائیت محسوس کرتی ہوں میں۔اسے اگر میری طرح ہی میرے مقصد سے عشق ہوا تو مجھے اور کیا چاہئے۔دنیا داری کے سارے معاملات تو مجھے ویسے ہی مل جاتے ہیں۔''

''کیا یہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے انعام نہیں ہوگا۔''

''بے شک ہوگا۔''

''تو کیا تم انتظار ہی کرتی رہو گی یا آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش بھی کرو گی۔''

''ایسے بامقصد لوگوں کو دنیاوی سہاروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ان کی نگاہیں اپنی منزل پر اور بھروسہ اپنے خدا پر ہوتا ہے یہی تو کردار ہے۔۔''

''تم اس کا انتظار کرو گی۔''

''مجھے اپنے مقصد سے غرض سے ہے۔جب ایسا کوئی معاملہ سامنے آئے گا تو دیکھیں گے۔میں بہرحال پورے خلوص سے اس کے لئے دعا گو ہوں۔میں چاہتی ہوں کہ اسے اس کی منزل مل جائے۔''

انٹرکام کی بزر نے اس کی ساری محویت توڑ دی۔

"جی آپ سے کچھ لوگ ملنا چاہتے ہیں۔ان میں دوخواتین اور ایک مرد ہے۔۔۔"
چوکیدار نے بتایا۔

"کہاں سے آئے ہیں اور کون ہیں۔"اس نے پوچھا

"جی وہ کسی حکومتی ادارے کا۔۔۔وہ جی لیں خود بات کر لیں۔"چوکیدار نے کہا اور اگلے ہی لمحے ایک خاتون کی آواز ابھری۔"میں اپنا تعارف آ کر کرواتی ہوں۔اگر آپ کو ہمارے ساتھ مرد پر اعتراض ہے تو وہ یہیں رک جاتے ہیں۔"

"آجائیں آپ۔۔"اس نے کہا اور ریسور رکھ دیا۔کچھ ہی دیر بعد دوخواتین اس کے سامنے تھیں اور اپنا تعارف کروا چکی تھیں۔وہ ریاستی خفیہ ادارے سے تعلق رکھتی تھیں۔تب شبانہ کے ان کے مردساتھی کو بھی وہیں بلوا لیا۔تب ایک خاتون نے کہا۔

"آپ کے اس ادارے کے بارے میں ہمیں کچھ ایسی اطلاعات ملی ہیں۔جو بہر حال ریاستی مفاد میں نہیں۔اور ہم اس سلسلے میں آئے ہیں۔کیونکہ تفتیش تو ہم نے کرنا ہی ہیں۔"

"کیا میں یہ پوچھ سکتی ہوں کہ یہ اطلاعات کس نے دیں۔۔"شبانہ نے اعتماد سے پوچھا۔

"انہی لوگوں نے جنہیں آپ کے ادارے سے شکایت ہے اور وہ اس تجربے سے گذر رہے ہیں۔کیا یہاں آپ کے ادارے میں مس سعدیہ کام کرتی ہیں؟آپ انہیں بلوائیں۔"

"اوہ۔!تو یہ بات ہے۔۔"شبانہ نے ساری بات سمجھتے ہوئے کہا۔پھر انٹر کام پر سعدیہ کو بلوا لیا۔

"صرف یہی نہیں۔!معلوم ہوا ہے آپ کے تعلقات بیرون ممالک کی کچھ تنظیموں سے ہیں۔جو بظاہر شدت پسند نہیں لیکن ان سے تعلقات سے شواہد ملتے ہیں۔ظاہر ہے ہمیں آپ پر اس معاملے میں بھی نظر رکھنا ہوگی۔"دوسری خاتون نے کہا۔تب تک سعدیہ کمرے میں آ چکی تھی۔شبانہ نے ان کی آمد بارے بتایا اور کہا۔

"یہ لوگ تم سے ملنا چاہ رہے تھے۔۔۔"

"میں جانتی ہوں کہ انہوں نے آنا ہی تھا۔اسی وقت کے لئے کہہ رہی تھی کہ میں

کہیں ایک اچھے مقصد کے لئے نقصان کا باعث نہ بن جاؤں۔"

"جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے۔یہاں خواتین ،خصوصاً لڑکیوں کا برین واش کیا جاتا ہے اور انہیں شدت پسند بنایا جا رہا ہے۔"پہلی خاتون بولی۔

"یہی تو المیہ ہے کہ ہمارے اپنے ہی ہمیں کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔میں پورے ہوش و حواس سے اچھی مسلمان بننا چاہتی ہوں۔اس پر کسی کو کیا اعتراض ہے۔" سعدیہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"آپ کے والدین کو۔۔۔"دوسری خاتون بولی۔

"یہاں میں آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گی کہ کیا آپ میرے والدین کے بھیجنے پر یہاں آئے ہیں یا اپنا فرض نبھانے۔۔۔"

"ظاہر ہے ہم اپنا فرض نبھا رہے ہیں۔"اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ اپنا کام کریں۔میرے دل میں جو آئی میں وہ کروں گی۔"یہ کہہ کر اس نے اپنا سیل فون نکالا اور نمبر پش کرنے لگی۔پھر چند لمحے انتظار کے بعد بولی۔
"پاپا! آپ کی طرف سے بھیجے ہوئے چند لوگ یہاں پر موجود ہیں۔کیا اس طرح آپ میرے خیال بدل لیں گے۔"۔۔نہیں آپ میری بات سنیں،میں اپنی جان تو دے دوں گی لیکن کسی پر حرف نہیں آنے دوں گی۔۔۔اگر آپ مجھ سے ناطہ توڑنا چاہیں تو توڑ دیں۔۔۔میں اگر ادارہ چھوڑ بھی دوں تو آپ کے مقاصد میں کبھی استعمال نہیں ہوں گی۔۔۔میں اگر ان سے تعلق نہیں رکھوں گی تو میرا تعلق پھر آپ سے بھی نہیں ہے۔۔۔میں جہاں بھی رہوں گی،ٹھیک رہوں گی۔۔۔ٹھیک ہے، میں گھر آ کر آج حتمی بات کر لیتی ہوں۔۔۔اللہ حافظ۔۔۔یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

"میرے خیال میں آپ کو اپنے والدین کی بات مان لینی چاہیے۔اس میں مشکلات پیدا نہیں ہوں گی۔"پہلی خاتون نے کہا تو شبانہ نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے سعدیہ کا موقف سن لیا۔اس سے آگے میری ذمے داری بنتی ہے۔آپ ایک ادارہ تباہ کر دیں گے تو کیا دوسرا ادارہ نہیں بن سکے گا۔اب سعدیہ میری ذمے داری ہے۔اس لئے آپ جو کچھ کر سکتے ہیں کرلیں۔اور جو ہم کر سکتے ہیں وہ ہم کریں گے۔۔۔آپ جا سکتے ہیں۔"

"آپ کے لئے مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔دوسری خاتون نے کہا
"دھمکی مت دیں۔۔ہم کوئی غیر قانونی کام نہیں کر رہے ہیں۔" سعدیہ نے تیزی سے کہا تو وہ تینوں اٹھ گئے۔وہ کوئی بات کئے بغیر باہر کی جانب چل دیئے۔ وہ انہیں دیکھتی رہی۔پھر شبانہ سے بولی۔

"شبانہ۔!آج تم اکاؤنٹس مجھ سے لے لو۔۔۔پتہ نہیں کل کیا صورت بنے۔میں نے اسے محض دھمکی تصور کیا تھا لیکن اب پانی سر سے گذر چکا ہے۔"
"ٹھیک ہے۔مگر تم اکیلی نہیں ہو۔میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اس نے حوصلہ دیا تو وہ مسکرا دی۔

"لیکن ایک بات شبانہ،ہم عورتیں کیا کرسکتی ہیں۔جب معاشرے میں بگاڑ زیادہ ہو۔اب دیکھو،یہی زرق شاہ اکیلا ہے لیکن بھر پور انداز میں کام کر رہا ہے۔" سعدیہ نے کہا۔
"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ اس وقت مجھے ایسے ہی کسی شخص کی ضرورت ہے۔جو نہ صرف مجھے تحفظ دے بلکہ میں جب اپنا آپ ثابت کرنا چاہوں تو قدم قدم پر میرے ساتھ ہو۔کیونکہ ہم دونوں کا مقصد ایک ہوگا۔" وہ جوش سے بولی۔
"کیا تمہیں زرق شاہ پسند ہے۔" شبانہ نے پوچھا۔
"کوئی ایسا ہی شخص ،میں نے کہا ہے۔ویسے وہ ٹھیک ہے ۔برائی تو اس میں نہیں۔میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جیسے ناصر جمال تین ملکوں میں بزنس کر رہا ہے،میاسی طرح میں پوری اسلامی دنیا میں اپنا کام کرنا چاہتی ہوں۔۔۔خیر! دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی اور اپنے کمرے کی جانب چل دی۔شبانہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔یہی وقت تھا جب اس نے سعدیہ کو سنبھالنا تھا۔

❀.....❀.....❀

انسان جس طرح سوچتا ہے اگر اسی طرح ہونے لگے تو پھر بہت گڑبڑ ہو جائے۔ایک ایسی ہستی موجود ہے جس نے انسان کو تخلیق کیا اور وہ اس کے بارے میں پوری طرح جانتا ہے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور قول ہے کہ میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اللہ کو پایا۔سوچنے سے،منصوبہ بندی کر لینے سے لے کر عملی اقدامات کی شروعات تک میں

انسان نتائج اپنے ارادے کے مطابق بنا لیتا ہے لیکن جب وہ عملی میدان میں آتا ہے، دوسری قوتیں اپنے اثرات ظاہر کرنا شروع کر دیتی ہیں۔یہیں سے کشمکش کا آغاز ہوتا ہے۔تبھی یہ تفریق نکھر کر سامنے آتی ہے کہ باطل قوتیں کیا ہیں اور حق کیا ہے؟

زرق شاہ اپنی تمام تر منصوبہ بندی کے ساتھ عملی میدان میں اتر آیا تھا۔اس نے اپنے مقصد کے لئے بہترین اسکرپٹ پر کام کا آغاز کیا تو بہت ساری تنقید، حیرت انگیز سوال اور نجانے کیا کچھ شروع ہوگیا۔جس کی اُسے توقع تھی۔اسے یہ امید بھی تھی کہ بہت سارے لوگ اس کی حوصلہ فزائی کرنے والے بھی ہوں گے۔کچھ لوگوں کے لئے ،اس کے کام کرنے کا انداز ہی حیرت انگیز تھا۔مثال کے طور پر جب کام کے دوران جہاں بھی نماز کا وقت آجاتا ، وہ سارے کام روک دیتا۔وہ کسی سے کچھ نہیں کہتا لیکن سب کے سامنے بڑے اہتمام سے وضو کرتا اور بڑے خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے لگتا۔پھر اس کے بعد کام شروع ہو جاتا۔اس میں نقصان بھی آتا لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔بعض لوگ تو اس کا مذاق اڑاتے لیکن وہ کسی کی بھی پرواہ کیئے بغیر اپنا کام کرتا چلا جا رہا تھا۔یہاں تک کہ اسے مایوسی گھیرنے لگی۔

ہر چینل کا اپنا مزاج و معیار ہے۔اس کی اپنی پالیسی ہے اور وہ اسی کے مطابق اپنے پروگرام ترتیب دیتا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی چینل کو چلانے کے لئے فنانس سب سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔کمرشل ازم کی اس دنیا میں بزنس فوقیت رکھتا ہے۔اسے زیادہ سے زیادہ ناظرین چاہیے۔اب ان سے یہ گلہ نہیں کیا سکتا کہ وہ دوسرے کی مرضی پر کیوں نہیں چلتے۔انہیں وہی دکھانا ہے جو وہ بہتر سمجھتے ہیں۔وہ چاہیے آپ کے مزاج و معیار پر پورا اترے یا نہیں۔زرق شاہ اپنا سرمایہ لے کر ہی میدان میں اترا تھا لیکن وہ جو اپنی تخلیقات بنا رہا تھا۔بیشتر سے زیادہ نے معذرت کر لی کہ وہ ان کے مزاج و معیار کے مطابق نہیں ہے۔اگر وہ بزنس کرنا چاہتا ہے تو ان کے حساب سے چیز دے۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ گروہی مفادات کے لیے،اگر اس گروہ سے کوئی شے مطابقت رکھتی ہے تو اسے وہ گروہ فوراً قبول کر لیتا ہے۔چاہے اس کا معیار جیسا بھی ہو۔دوسرے گروہ کی شے چاہے جس قدر معیاری ہو وہ قبول نہیں کی جاتی۔زرق شاہ کے پاس کوئی گروہ نہیں تھا جس کے مخصوص مفاد کے لئے وہ کام کرتا۔تب چاہے جیسا بھی

معیار ہوتا اسے قبولیت مل جاتی۔بزنس تو اس کے ساتھ ہونا ہی تھا۔وہ شدت سے اپنے ہی کسی چینل کی ضرورت محسوس کرنے لگا۔جہاں ان کے اپنے مقاصد کی بات ہوتی۔وہ ایک بار پھران ہی لوگوں کی جانب پلٹنے پر مجبور ہوگیا جن کے ساتھ اس کے گفتگو وکلام کیا تھا۔یہ ایک نیا مسئلہ تھا جو وہ لے کر گیا کہ فقط باتوں اور گفتگو سے منصوبہ بندی تو ہوسکتی ہے۔لیکن اس کشمکش کی دنیا میں کوئی اور سکہ چل رہا ہے۔

”بیٹا!سکہ کردار ہی کا چلتا ہے،اگر تم کمزور کردار کے ہوتے تو اب تک مایوس ہوکر بیٹھ چکے ہوتے لیکن تمہارا کردار ہی ہے جو تمہیں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کشاں کشاں لئے پھرتا ہے۔تمہارے کردار کی مضبوطی ہی تمہیں کامیاب کرے گی۔“

یہ ایک ایسا حوصلہ تھا جس نے اسے اندر سے مطمئن کر دیا۔اسے احساس ہوگیا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔وہ لوگ جو تبدیلی کے منتظر ہیں وہ کشمکشِ دہر میں اس کے ساتھ ہیں۔وہ پوری کوشش اور خلوص سے سرگرم ہوگیا۔اسے تو سبق ہی یہی ملا تھا کہ ہر باطل قوت کا انکار کرنا ہے۔چاہے وہ نفسانی خواہش کی صورت میں من کے اندر پڑی ہے یا پھر فلاح انسانیت کی راہ میں شیطانی قوتیں موجود ہیں۔اسے یہ کوئی شکوہ نہیں تھا کہ کوئی اس کی سوچ کے مطابق کیوں نہیں چلتا۔وہ تو اپنے طور پر فقط اتنی کوشش کرنا چاہتا تھا کہ حق کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں ان کی نشاندہی کر دی جائے۔بعض اوقات فقط نشاندہی ہی درست نہیں ہوتی۔اس کا حل بیان کرنا ہوتا ہے۔یہی میڈیا کی ذمے داری ہے۔کسی مسئلے کا حل ہی راہنمائی ہوتا ہے۔اس نے اپنی پروڈکشن نہیں روکی۔مگر اس کے ساتھ ساتھ جہاں وہ ان لوگوں سے ملتا جو کسی نہ کسی حوالے سے قوت رکھتے تھے،وہاں اپنے شوبز کے لوگوں سے گفتگو بھی رہتی۔وہ خود کبھی بات شروع نہیں کرتا تھا۔بلکہ حیرت اور تجسس بھرے سوالوں کے جواب میں اپنا موقف ان کے سامنے رکھ دیتا۔کردار کی خوشبو دھیرے دھیرے پھیلنے لگی تھی۔ ہر آنے والے دن کے ساتھ اسے اپنے اردگرد لوگ مظلوم دکھائی دیتے۔وہ خود کو قصوروار سمجھنے لگتا کہ وہ اپنا پیغام ان تک کیوں نہیں پہنچا سکا۔

ان دنوں اسے شبانہ کی وہ باتیں شدت سے یاد آتی تھیں جو وہ ملاقات میں یا فون پر کرتی تھی۔اگرچہ انہیں اس نے اہمیت نہیں دی وہ تو اپنے ہی مقصد میں تھا لیکن ان کی حقیقت کھلی تو اسے افسوس ہونے لگتا کہ کیوں نہ ان باتوں کو راسخ کیا۔شبانہ نے جو بیج اس

کے من دھرتی پر پھینکا تھا،وہ خوشبو دینے لگا تھا۔

❁......❁......❁

انسان چاہے جتنا مضبوط اور حوصلہ مند ہو،خوشی یا غمی اس پر اثر انداز ضرور ہوتی ہے۔اس طرح کامیابی اور ناکامی یا پھر انبساط و پریشانی اپنا رنگ ضرور دکھاتی ہے۔اگرچہ شبانہ وقار کو اللہ پر پورا بھروسہ تھا۔تاہم حالات میں آجانے والی اچانک تبدیلی نے اسے پریشان ضرور کیا تھا۔اسے یہ تو احساس تھا کہ سعدیہ کے گھر والوں نے خفیہ والوں کو اگر بھیجا ہے تو اپنے تعلقات کی بناء پر محض دھمکی دی ہے۔وہ اپنے تعلقات اور دائرہ اختیار کو ان پر ظاہر کر کے خوف زدہ کرنا چاہتے تھے۔لیکن سعدیہ نہیں ڈری وہ اسی طرح ادارے میں آتی رہی۔اس نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ ان چینل والوں کے ساتھ رابطہ کیا جو ٹاک شو چاہتے تھے۔سعدیہ نے اچانک یہ فیصلہ اس لئے کر لیا تھا کہ اگر اسے گھر والوں کو چھوڑنا بھی پڑا تو چھوڑ دے گی۔اسے اپنی ذات پر بھروسہ ہے اگر وہ ہمیں خوف زدہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم بھی کمزور نہیں۔شبانہ اس سر پھری لڑکی کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔اس کے ایک ایک عمل کا مشاہدہ کرتی چلی گئی تھی۔اسے کبھی کبھی لگتا کہ وہ خود تو تحمل اور برداشت کر لیتی ہے۔لیکن اس کے اندر جو شعلہ جوالہ بننے کو تیار شبانہ موجود ہے۔اس کا سارا عکس اب سعدیہ بنتی چلی جا رہی ہے۔اس نے اپنے والدین کو کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی دنیا آپ پیدا کر سکتی ہے۔

ذہنی پریشانی انسان کے کام میں رکاوٹ ضرور ڈالتی ہے۔یہاں تک کہ پوری یکسوئی حاصل نہیں ہوسکتی۔شبانہ کا کام بھی متاثر ہو رہا تھا۔ظاہر ہے دھمکی کے ردعمل میں اسے اپنے آپ کو اور اپنے ادارے کے تحفظ کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔اس نے مقدور بھر اپنے تعلقات کو آزمایا۔ان تک رسائی حاصل کی۔وہ لوگ جن سے وہ حوصلہ پاتی تھی انہیں بتایا۔اس کی ابتداء اس نے اپنے ابا وقارالدین سے کی تھی۔یہ سلسلہ چل رہا تھا۔اس کا کوئی حتمی نتیجہ سامنے نہیں آیا تھا۔

اس دن وہ آفس جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی کہ ملازمہ نے حضرت صاحب کے آنے کے بارے میں بتایا۔ان کی غیر متوقع آمد سے وہ حیران ہوگئی۔یوں اچانک صبح صبح آنا کسی خاص مقصد کے لئے ہی ہوسکتا تھا۔وہ جلدی جلدی تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں

پہنچی تو وہاں حضرت صاحب کے ساتھ ان کی بیگم بھی تھی جن کے پاس شبانہ نے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔وہیں ذکار الدین اور بڑی سی چادر میں ملبوس اس کی امی بھی موجود تھیں۔ایک جانب طارق بیٹھا ہوا تھا۔وہ ان سے ملی اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔اس کے آنے سے پہلے یقیناً ان میں کوئی بات چل رہی تھی۔اس کے بیٹھتے ہی حضرت صاحب نے شبانہ سے پوچھا۔

"کیسا چل رہا ہے تمہارا ادارہ۔۔۔؟"

"جی الحمدللہ آپ کی دعائیں ہیں۔ممکن حد تک کوشش کر رہی ہوں۔" وہ ادب سے بولی۔

"سنا ہے کچھ لوگ تمہیں خوف زدہ کرنا چاہتے ہیں۔۔۔" انہوں نے پوچھا

"جی ایسے معاملات میں امتحان تو درپیش ہوتا ہی ہے۔رکاوٹیں آتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے انتہائی اختصار سے سعدیہ کے بارے میں بتایا جسے وجہ تنازع بنایا جا رہا تھا۔یہ سب سن کر وہ بولے۔

"ٹھیک۔!یہ تو ایک وجہ ہو سکتی ہے۔کوئی اور معاملہ۔۔۔"

"میرے خیال میں نہیں ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تمہارا کام کس نہج پر ہے۔۔۔" انہوں نے کریدا۔

"دراصل میں میڈیا کے ذریعے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانا چاہتی ہوں۔میں نے مختلف سروے اور تحقیق کی ہیں۔ان میں آج کی نوجوان نسل پڑھنے سے زیادہ دیکھنے کو پسند کرتی ہے۔لیکن ایک خاص وقت کے بعد وہ پڑھنے کی طرف لوٹ رہے ہیں۔اور یہ عمل تجسس و تحقیق کے جذبے کے تحت ہوتا ہے۔"

"اپنی اس بات کے حق میں کوئی دلیل ہے۔" انہوں نے تحمل سے پوچھا۔

"جی۔! جب الیکٹرونک میڈیا نہیں تھا۔اس وقت اخبارات کی تعداد کتنی تھی۔میگزین کتنے تھے۔کتابوں کی کتنی تعداد چھپتی تھی اور ان میں موضوعاتی وسعت کیا تھی۔کہا یہ جا رہا تھا کہ الیکٹرونک میڈیا آجانے سے پرنٹ میڈیا متاثر ہوگا۔لیکن ایسا نہیں ہوا۔اب خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صورت حال کیا ہے۔" اس نے بتایا

"کیا تم اس سے مطمئن ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں۔! کیونکہ جو دکھایا جا رہا ہے اور جو زمینی حقائق ہیں، ان میں بہت فرق ہے۔جب نوجوان تحقیق کے لئے کتابی دنیا کی جانب پلٹتا ہے تو وہاں ایک نئی دنیا اس کی منتظر ہوتی ہے۔مطابقت نہیں ہے تو الجھن بڑھتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ انتہائی موثر انداز میں اس مطابقت کو قائم کیا جائے۔۔۔" اس نے ادب بھرے لہجے میں بتایا۔

"مطلب تم الیکٹرونک میڈیا کو ترجیح دے رہی ہو۔" وہ بولے۔

"جی۔! کیونکہ اسی ظلمت میں روشنی پہنچانا ہمارا فرض ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ آج کا میڈیا تمہیں کہیں نہ کہیں جگہ دے گا۔"

"نہیں۔!بہت کم مواقع ہیں۔اس میں بھی ہم پوری طرح اپنی بات نہیں کہہ پائیں گے۔میں نے کوشش کر دیکھی ہے۔" اس نے صاف انداز میں کہا۔

"پھر۔کیا ہوگا۔۔؟" انہوں نے پوچھا

"میں خود ایک چینل کے لئے کوشش کر رہی ہوں۔ظاہر ہے میرے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں۔میں نے دنیا بھر کی مختلف خواتین کی تنظیموں سے رابطے کئے ہیں۔وہاں سے مجھے امید بھی ہے۔ظاہر ہے ہمارے ملک میں اس کی سہولیات نہیں ہیں۔" اس نے کہا تو حضرت صاحب کی بیگم بولیں۔

"مجھے خوشی ہوئی ہے بیٹی کہ تم اپنے مقصد کے لیے پوری محنت کر رہی ہو۔تم حوصلہ رکھنا۔ ہماری تمام تر نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔بدلتے ہوئے حالات کے مطابق انسان کو کچھ فیصلے ایسے بھی کرنا پڑتے ہیں جنہیں فوری طور پر سوچا نہیں ہوتا۔آنے والے دنوں میں تمہاری ذمے داریاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ان سے تمہیں نبرد آزما بھی ہونا ہے تم چار دیواری میں بیٹھ کر دستیاب سہولتوں کے ذریعے دنیا بھر سے رابطہ کئے ہوئے ہو۔مجھے یہ بتاؤ، اگر کسی ملک کا سفر کرنا پڑے تو کیا تمہیں محرم کی ضرورت نہیں ہوگی؟" انہوں نے اپنی بات ایک سوال پر چھوڑ دی۔

"جی، بلاشبہ ہوگی۔۔۔" وہ ہولے سے بولی۔

"تو بیٹی، وقت آ گیا ہے ہم تمہیں ازدواجی زندگی دے دیں۔تاکہ تمہیں تحفظ ہو اور تمہارے مقصد میں مضبوطی آئے۔۔۔کیا خیال ہے؟" انہوں نے پوچھا جبکہ باقی سب

خاموشی سے سن رہے تھے۔

''آپ سب میرے بارے میں بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔اور آپ کا فیصلہ مجھے دل سے قبول ہوگا۔''

''الحمدللہ۔!ہم تم سے کسی ایسی ہی بات کی توقع کر رہے تھے۔''حضرت صاحب کی بیگم نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''یہ آپ ہی کی تربیت کا اثر ہے محترمہ۔''وقارالدین کے لہجے میں سے خوشی چھلک رہی تھی۔

''تو بیٹی۔!اگرچہ تمہارے لیے رشتوں کی کمی نہیں۔ بہت سارے والدین خواہش کر رہے۔جن کے بیٹے بڑے متقی ہیں۔لیکن ان میں سے ہمارے سامنے ایک بہت اچھا رشتہ موجود ہے۔وہ تمہارے کام اور مقصد میں پوری طرح تعاون کرنے والا ہے۔ کیونکہ کچھ ایسا ہی مقصد اس کا بھی ہے۔دونوں کا ایک مقصد بہتر نتائج کی ضمانت بن سکتا ہے۔'' حضرت صاحب نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو شبانہ کا دل ایک بارگی زور سے دھڑکا۔ایک خیال تیزی سے آکر گزر گیا۔

''کیا میں جان سکتی ہوں کہ وہ کون ہے؟''اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''یہ تمہارا حق ہے۔کیونکہ زندگی بہرحال تم نے گذارنی ہے۔ممکن ہے تمہاری اس سے اخبارات وغیرہ کے ذریعے شناسائی ہو،اس کا ماضی جیسا بھی ہے لیکن ان دنوں اس کے پاس سوائے فلاح انسانیت کے دوسرا کوئی مقصد نہیں ہے۔اس کا نام زرق شاہ ہے۔۔۔'' حضرت صاحب نے کہا تو شبانہ جیسے بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔فطری طور پر اس نے سامنے بیٹھے ہوئے طارق کو دیکھا جو حیرت انگیز نگاہوں سے حضرت صاحب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔تبھی بیگم صاحبہ بولیں۔

''اصل میں چند دن پہلے ہی اس کے بارے میں ہمیں بتایا گیا۔وہ لوگ بھی تمہارے کام سے اچھی طرح واقف ہیں۔پھر یہ واقعہ پیش آگیا۔تب بہت سارے لوگوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس وقت دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔اب تمہارا جو فیصلہ ہوگا۔بیٹی ہمیں منظور ہوگا۔''

''کیا مجھے دو چار دن سوچنے کے لئے دے سکتی ہیں؟''

''کیوں نہیں۔تم اچھی طرح غور کرو، پھر اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔ ہماری طرف سے کسی بھی قسم کا ذرہ برابر بھی دباؤ نہیں ہوگا۔تمہاری عائلی زندگی تمہارا حق ہے۔ یہاں مقصد بہت ثانوی حیثیت میں ہے۔''انہوں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''جی ، میں بتا دوں گی۔۔۔''اس نے ہولے سے کہا تو پھر ان کے درمیان موضوع بدل گیا۔وہ کچھ دیر مزید بیٹھ کر چلے گئے۔

شبانہ اپنے کمرے میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔کیا زرق شاہ اس کی اپنی دعاؤں کا صلہ ہے یا قدرت کی جانب سے انعام کی ایک صورت۔۔۔؟اس کی شادی کہیں بھی ہو سکتی تھی لیکن اس کا سامنے آجانا،اس کے اندر پڑے عشق کا نتیجہ ہے؟ کیا اسے اپنی قسمت پر نازاں ہونا چاہئے کہ پوری زندگی میں فقط ایک فرد کے لئے اس کے ذہن میں اپنائیت بھرے جذبات عشق تک جا پہنچے تھے۔اس نے پورے خلوص سے اس کے بارے میں سوچا تھا اور وہ اس کی دسترس میں تھا۔انہی لمحات میں ایک خیال اس کے دماغ میں یوں دبے پاؤں آیا کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ جب وہ تن کر سامنے آکھڑا ہوا تو وہ چونک گئی۔ وہ ایک دم سے پریشان ہوگئی۔تبھی اس نے زرق شاہ سے ملنے کا فیصلہ کر لیا

❁……❁……❁

زرق شاہ نے اسی پارک میں گاڑی روکی جہاں وہ آخری بار شبانہ سے ملا تھا۔ یہیں سے اسے آگہی ملی تھی جس کے لئے وہ پوری جان سے لگا ہوا تھا۔وہ گاڑی سے باہر نکلا اور اس پیڑ کی طرف دیکھا جہاں وہ شبانہ سے ملا تھا۔تب اس کے من میں خوشگواریت پھیل گئی۔شبانہ وہاں پہلے ہی سے موجود تھی۔وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا۔علیک سلیک کے بعد وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

''مجھے خوشی ہے شبانہ کہ آپ نے مجھے بلایا، مجھ سے رابطہ کیا۔یہ میرے لیے اعزاز سے کم نہیں۔''

''مجھے بھی آپ کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔''اس نے ہولے سے کہا۔

''یہاں اس پارک میں آپ نے اگر مجھے بلوایا ہے تو اس سے میں اندازہ لگا رہا ہوں کہ آپ مجھ سے کوئی اہم بات کرنا چاہ رہی ہوں گی۔''وہ خوشگوار لہجے میں بولا۔

‘‘جی۔! کیونکہ آپ کو یاد ہوگا۔جب ہم یہاں ملے تھے۔ہمارے درمیان بہت سنجیدہ گفتگو ہوئی تھی۔میں سمجھتی ہوں جس کا اظہار آپ کا کردار ہے۔اس وقت آپ نے کہا تھا کہ آپ مجھ سے محبت ہے۔کیا اب بھی وہی محبت ہے؟‘‘ شبانہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

‘‘نہیں۔!وہ محبت نہیں، جو اس وقت تھی۔اس وقت میرے نزدیک معیار محبت کچھ اور تھا لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ محبت کیا ہوتی ہے۔‘‘

‘‘میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ محبت بارے آپ کا نظریہ کیا ہے۔لیکن یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ آپ نے اپنی عائلی زندگی کے لئے مجھے ہی کیوں چنا؟‘‘ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

‘‘اوہ۔!تو بات آپ تک جا پہنچی۔‘‘ وہ حیرت زدہ لہجے میں بولا

‘‘مطلب۔۔۔؟‘‘اس نے پوچھا

‘‘اصل میں میرے والدین میری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔میری پسند بارے تجسس انہیں آپ تک لے گیا۔جبکہ میں آپ تک رسائی کا حوصلہ ہی نہیں پا رہا ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ میں آپ سے عشق کرتا ہوں۔‘‘ وہ بولا۔

‘‘آپ نے نزدیک عشق کیا ہے؟‘‘اس نے پوچھا

‘‘اپنے کردار سے شہادت دینے کا نام عشق ہے۔‘‘اس نے کہا تو شبانہ چونک گئی

‘‘تو پھر مجھ تک رسائی۔۔۔؟‘‘

‘‘تا کہ اگر۔ایسی کوئی صورت بن جائے تو میں آپ پر بھی یہ ثابت کرسکوں کہ میں نے جو حسنیت کا سبق آپ سے لیا، اس پر ثابت قدم رہتے ہوئے اپنے کردار سے شہادت دے دوں۔‘‘ وہ جذب سے بولا

‘‘کیا اس کے لئے میرا ساتھ ہی ضروری ہے؟‘‘ شبانہ نے پوچھا۔

‘‘میں سمجھا نہیں۔۔۔‘‘ وہ الجھتے ہوئے بولا۔

‘‘مطلب اگر میرا ساتھ نہ ملے تو پھر آپ ثابت نہیں کر سکتے‘‘ اس نے پوچھا۔

‘‘وہ تو میں اس راہ پر گامزن ہوں۔۔۔کسی کا ساتھ ہو یا نہ ہو۔لیکن آپ کا ساتھ مجھے مزید مضبوط کر دے گا۔‘‘ اس نے جذب سے کہا۔

دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑنا پڑے تو آپ کس کو ترجیح دیں گے۔۔‘‘اس نے سنجیدگی سے پوچھا

‘‘آپ کو۔۔‘‘ زرق شاہ نے فوراً کہہ دیا تو شبانہ نے من میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

‘‘یعنی آپ کا مقصد آپ نے نزدیک زیادہ اہم ہے۔۔‘‘اس نے پوچھا

‘‘جی۔!میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی تمام تر روحانی نگاہ مجھ پر ہے۔آپ سے جسمانی قربت تو دنیاوی معاملہ ہے، جبکہ میرا مقصد ہی میری شناخت ہے جو دو جہانوں میں مجھے سرخرو کرنے والا ہے۔مجھے یقین ہے کہ آپ کا قرب اگر نہ بھی ملا مگر آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہوں گی۔۔‘‘ وہ جذب سے بولا۔

‘‘شاہ صاحب ۔!مجھے اچھا لگا آپ کے خیالات جان کر،ایک درخواست میں آپ سے کرنا چاہوں گی۔‘‘اس نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

‘‘نہ۔نہ۔۔۔آپ کا مقام یہ نہیں کہ آپ درخواست کریں۔آپ حکم دیں۔۔۔ انشااللہ مجھے ثابت قدم پائیں گی۔۔۔‘‘

تب شبانہ نے سعدیہ کے بارے میں تفصیل بتائی ۔وہ سکون سے سنتا رہا۔سب کچھ کہہ دینے کے بعد وہ بولی

‘‘میں چاہتی ہوں کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔اسے تحفظ ہی کی نہیں، اخلاقی مدد کی بھی ضرورت ہے۔اگر وہ حالات کے ہاتھوں مجبور ہوکر انہی راہوں پر پلٹ گئی تو میری ریاضت رائیگاں جائے گی۔‘‘

‘‘آپ۔۔۔!‘‘اس نے پوچھا۔

‘‘سعدیہ کی طرح کئی لڑکیاں میری منتظر ہیں۔‘‘ وہ آہستگی سے بولی۔

‘‘جیسے آپ کا حکم۔۔۔‘‘ زرق شاہ نے سکون سے کہا۔

‘‘اور یہ خواہش آپ حضرت صاحب سے خود کریں گے۔۔۔‘‘

‘‘ٹھیک ہے۔‘‘وہ بولا

‘‘اب ہمیں چلنا چاہیے۔‘‘شبانہ نے کہا تو زرق شاہ فوراً اٹھ گیا۔دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے اپنی اپنی گاڑی تک آپہنچے اور پھر وہاں سے چلے گئے۔

❁......❁......❁

وہ تینوں ائیر پورٹ پر کھڑے تھے۔ شبانہ نے پہلے سعدیہ اور پھر زرق شاہ کے چہرے پر دیکھا۔ دونوں کے چہرے پر اطمینان اور سکون تھا۔ ان کی شادی ہوئے محض ایک ہفتہ ہوا تھا اور اب وہ مختلف ممالک کی ان تنظیموں سے ملنے کے لئے جا رہے تھے جنہوں نے انہیں دعوت دی تھی۔ اسی میں انہوں نے چینل کے لئے بات کرنا تھی۔ وہ دونوں باطل قوتوں کے انکار کے لئے ایک ہو چکے تھے۔ یہی وہ لمحہ تھا۔ تینوں اپنا اپنا کردار لئے شہادت دے رہے تھے کہ اصل میں عشق اور حاصلِ عشق کیا ہیں؟ شاید اُنہیں یہ سمجھنے کے لئے کچھ وقت چاہیئے تھا کہ عشق کسی کی ذات نہیں ہوتی۔

......❁......